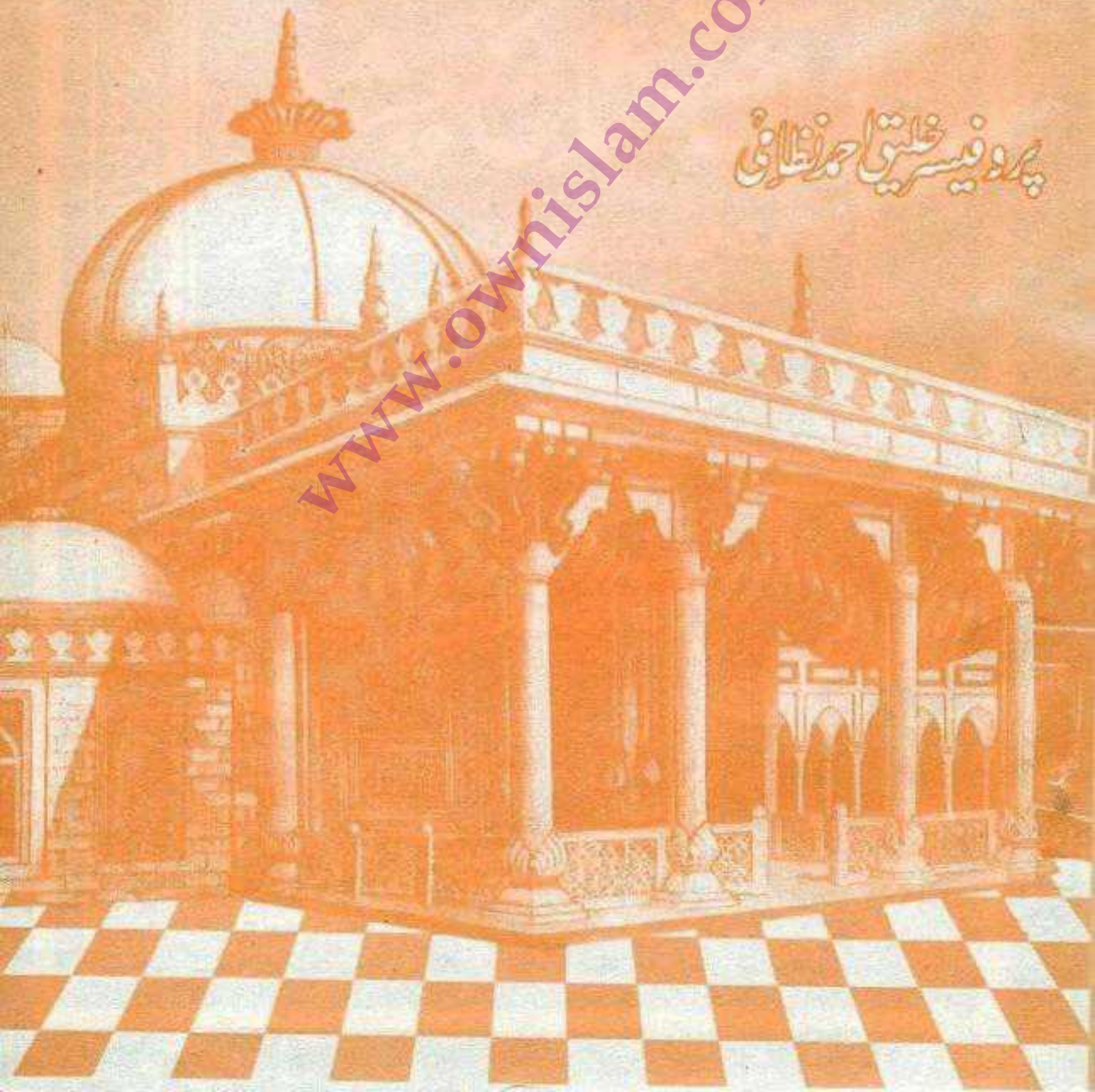


(سلسلہ چشتیہ نظامیہ)

آئینہ مشائخ چشت

حکومت شاہانہ اسلامیہ پاکستان

پروفیسر غلامی احمد نظامی



انتساب

اپنے دادا مرحوم

مولوی فرید احمد نظامی

کے نام

اگر سیاہ دلم، داغ لالہ زارِ قوام
وگر شادہ چہنم، گل بہارِ قوام

دائرة المصنفین اسلام آباد

آئینِ مشائخِ چشت

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی سے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی تک

(سلسلہ چشتیہ نظامیہ)

از

پروفیسر خلیق احمد نظامی

دائرۃ المصنفین اسلام آباد

www.ownislam.com



دیباچہ

”نایب مشایخ چشت“ کی پہلی جلد ناظرین کے مطالعہ سے گزر چکی ہوگی۔ اس وقت اس سلسلہ کی پانچویں جلد پیش کی جا رہی ہے۔ اس میں حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ سے لے کر حضرت خواجہ ابوالحسن تونسویؒ تک سلسلہ چشتیہ (نظامیہ) کے مشایخ کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ اس میں بھی نئے مآخذ کی تلاش اور واقعات کی مزید تحقیق کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ تصحیح اور اضافے کی جہاں ضرورت محسوس ہوئی اسے گریز نہیں کیا گیا۔ کوشش یہ رہی ہے کہ مشایخ کے حوالہ کی تحقیق میں صدق و دیا کا دامن کہیں ہاتھ سے نہ چھوٹنے پلٹے۔

جلد دوم جس میں حضرت خواجہ معین الدین سجزی چشتیؒ سے لے کر حضرت شیخ فیض الدین چراغ دہلیؒ تک مشایخ متقدمین کے حالات و سوانح، اور اصلاحی اور تربیتی نظام کی تفصیلات درج ہیں، کتابت کے لئے دی جا رہی ہے۔ امید ہے کہ ناظرین کو اس کے لئے زیادہ رحمت انتظار نہ اٹھانی پڑے گی۔

عصر حاضر میں تصوف اور صوفیہ میں جس عالمگیر دلچسپی کا اظہار ہو رہا ہے، وہ بعض اعتبار سے حیرت انگیز ہے۔ اس دلچسپی کے اسباب اور محرکات مختلف نوعیت کے ہیں۔ ایک طرف علمی حلقوں میں یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں اسلام کا اثر و نفوذ صوفیہ کی مساعی کا نتیجہ تھا، جیسا کہ سر ہملٹن گب نے ایک بار کہا تھا

فہرست مضامین

۵۰	مجلات شاہی	مقدمہ
۵۰	امراء کی مجلسیں	ہندوستان اٹھارہویں اور
۵۱	بازار	انیسویں صدی میں
۵۱	مدرسے	سیاسی پس منظر ۱۹-۲۰
۵۲	خانقاہیں	اٹھارہویں صدی کی خصوصیتیں ۱۹
۵۳	میٹے	سلطنت مغلیہ عالمگیر کے بعد ۲۰
۵۳	مشاعرے	سیاسی نظام کی ابتتری ۲۱
۵۳	غدر کے اشارات دہلی پر	سلاطین و امراء ۲۲
۵۵	ہندو مسلم تعلقات میں کشمکش	سکھ ۲۳
۶۱	اخلاق اور مذہب	مرہٹے ۲۸
۶۱	عام اخلاقی حالات	جاٹ ۳۲
۶۲	سلاطین و امراء کی اخلاقی حالت	روہیلے ۳۳
۶۵	صوفیہ خام اور علماء سوکی حالت	بیرہنی حلقے ۳۵
۶۶	عام مسلمانوں کی دینی زندگی	انگریزوں کا تسلط ۳۶
۶۸	شیعہ سنی تنازعات	اس ماحول میں مسلمانوں کی حالت ۳۹
۲۲	باب اول:	اقتصادی حالات
۱۵۰-۱۵۱	حضرت شاہ کلیم اللہ شاہ جہا آبادیؒ	معاشی ابتتری ۴۳
۷۱	شاہ جہا آباد	سلاطین و امراء کی فضول خرچی ۴۴
	شاہ کلیم اللہ کا مقام	اقتصادی تباہی کے استباب ۴۴
۷۳	چشتیہ سلسلہ کی تاریخ میں	معاشرہ اور تمدن ۴۷
۷۵	دلوں کا مہمار	دہلی کی تمدنی حالت ۴۸

کہ ”اسلام کے نشوونما کی تاریخ، تحریک تصوف کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔“ اس وجہ سے تاریخ اسلام کے مورخ اور طالب علم تحریک تصوف کے مطالعہ اور اس کے نظام اصلاح و تربیت کے تجزیہ میں دل چسپی کا اظہار کر رہے ہیں۔ دوسری طرف تصوف میں دل چسپی کا محرک مادیت کے خلاف فطرت انسانی کا رد عمل ہے۔ انسانی قلب کو جس سکون کی تلاش ہے وہ زراور زور دونوں کی دسترس سے باہر ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ انسان اپنے رب سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑے اور اپنی زندگی کو روحانی اور اخلاقی قدروں کی چاکری میں بسر کرنا سکھے۔ اسی میں اس کی حیات سرمدی اور ابدی سکون کا راز مضمر ہے۔ ان دونوں محرکات کے پیش نظر صوفیہ کے حالات زندگی، انسانی فلاح و بہبود کے لئے اُن کی مساعی، روحانی اور اخلاقی تربیت کے لئے اُن کی جدوجہد کی حقیقی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس زمانہ میں بعض کام، جو شائع ہو کر سامنے آئے ہیں، گہرے مطالعہ اور پر خلوص اہنہاک کے آئینہ دار ہیں۔ لیکن بعض کتابیں محض وقتی شہرت اور وقتی تقاضوں کے پیش نظر خام بلکہ گمراہ کن افکار و نظریات کے زیر اثر ترتیب دی گئی ہیں۔ اور بعض مشاہیر مشائخ کے متعلق غلط فہمیاں پھیلانے کا کام تاریخی تحقیق کے پردے میں انجام دیا جا رہا ہے۔ ان کو دیکھ کر مغربی کا یہ شعر بے اختیار زبان پر آ جاتا ہے

وما انتفاع اخی الدنيا بناظرۃ

۱۱۵۱ سنوت عندہ الافراد والظلم

خلیق احمد نظامی

نظامی دلا

سر سید روڈ، علی گڑھ

۱۴ نومبر ۱۹۸۲ء

فہرست مضامین

فہرست مضامین

۱۸۳-۲۳۹	حضرت شاہ فخر الدین دہلویؒ	۱۶۱	تبلیغی جدوجہد
۱۸۵	ولادت	۱۶۲	اتباع سنت
۱۸۶	سلسلہ نسب	۱۶۳	نظام اوقات
۱۸۷	تعلیم	۱۶۳	لباس
۱۸۹	بیعت	۱۶۳	مرث کی نظر میں
۱۸۹	شکر میں ملازمت	۱۶۵	مریدوں کی روحانی تربیت
۱۹۰	اورنگ آباد میں قیام	۱۶۷	فتوح و نصیرات
۱۹۱	دہلی کوروانگی	۱۶۸	سماع
۱۹۳	پاک پٹن کا سفر	۱۶۸	اخلاق
۱۹۳	درس و تدریس	۱۷۰	اعظم شاد
۱۹۷	علمی ذوق	۱۷۰	شاہ وقت
۱۹۸	تصانیف	۱۷۱	خاندان اصفیہ پر اثرات
۲۰۱	نظام اوقات	۱۷۳	نظام انقلاب کے مطالب
۲۰۲	لباس اور خوراک	۱۷۳	اور اہمیت
۲۰۳	اخلاق	۱۷۵	ملفوظات و حالات
۲۰۹	صحبت کا اثر	۱۷۶	وصال
	خاندان ولی اللہی اور	۱۷۷	اولاد
۲۱۱	شاہ صاحبؒ	۱۷۸	خلفاء
۲۱۵	اتباع سنت کی تلقین	۱۷۹	خواجہ نور الدین
		۱۸۰	خواجہ کامگار حسینی

۱۲۷	اتباع شریعت کی تلقین	۷۵	شاہ کلیم اللہ کا خاندان
۱۲۹	امراء کی اصلاح	۸۰	خاندان کلیمی کے تعمیری کارنامے
۱۳۲	سماع	۸۰	خاندان کلیمی کے علمی کارنامے
۱۳۳	فکر کلیمی کے بعض اہم پہلو	۸۸	شاہ صاحبؒ کی ولادت
۱۳۲	وصال	۸۸	تعلیم و تربیت
۱۳۵	اولاد	۸۸	شیخ ابوالرضا الہندیؒ
۱۳۸	خلفاء	۹۱	مدینہ منورہ کوروانگی
۱۵۰	خواجہ مصطفیٰ مراد آبادیؒ	۹۲	حضرت سخی مدنیؒ
	باب دوم:	۹۳	حضرت مدنیؒ کے قدموں میں
	حضرت شاہ نظام الدین	۹۵	درس و تدریس
۱۵۱-۱۸۲	اورنگ آبادیؒ	۹۶	توکل کی زندگی
۱۵۱	دکن میں کام کی اہمیت	۹۸	اخلاق
۱۵۲	ولادت و نسب	۱۰۰	تصانیف
۱۵۳	وطن	۱۰۳	مکتوبات کلیمی
۱۵۴	دہلی میں	۱۰۵	دینی تحریک اور تبلیغی جدوجہد
۱۵۴	بیعت	۱۱۱	نظام تعلیم و تربیت
۱۵۶	دکن کوروانگی	۱۱۶	اعلان موقف
۱۵۷	شکر شاہی سے متعلق	۱۲۳	اشاعت سلسلہ
۱۵۸	مختلف مقامات پر قیام	۱۲۵	نظام خلافت
۱۵۹	قیام خانقاہ		عورتوں کی بیعت کے متعلق
۱۶۱	صحبت کی کشش	۱۲۶	ہدایات

فہرست مضامین

فہرست مضامین

۳۰۰	خدمت میں	۲۷۹-۲۹۳	شاہ نیاز احمد صاحب بریلویؒ
۳۰۱	خدمت میں	۲۸۰	ولادت اور ابتدائی حالات
۳۰۲	مجاہدات	۲۸۱	دہلی میں درس و تدریس
۳۰۳	قید و بند کے مصائب	۲۸۱	مصطفیٰ اور شاہ صاحبؒ
۳۰۴	مقبولیت	۲۸۲	پہچینیت شاعر
۳۰۵	فوج اور لشکر	۲۸۵	وحدت وجود
۳۰۶	اتباع سنت	۲۸۶	وحدت ادیان
۳۰۶	توزیع اوقات	۲۸۶	عشق حقیقی
۳۰۶	لباس و خوراک	۲۸۸	تجربہ علمی اور تصانیف
۳۰۶	اخلاق	۲۹۰	خلفاء و مریدین
۳۰۸	اصلاح مریدین	۲۹۱	سجادہ نشین
۳۰۸	شایان مغلیہ کی عقیدت	۲۹۱	عزیز میاں صاحبؒ
۳۰۸	وصال	۲۹۲	مسکین شاہ صاحبؒ
۳۱۰	سجادہ نشین	۲۹۵-۳۱۵	باب ششم : خواجہ محمد عارفؒ
۳۱۰	میاں احمد علی	۲۹۶	خاندان و نسب
۳۱۰	میاں خدابخش	۲۹۸	کوٹ ٹھمن
۳۱۳	میاں تلح محمود	۲۹۹	کورجہ لقب
۳۱۳	خلیفہ اکبر	۲۹۹	تعلیم
۳۱۴	مولوی عبداللہ	۳۰۰	قیام مدارس

۲۱۷	سکھ اور شاہ صاحبؒ	باب چہارم :
۲۱۸	بادشاہ کو ہدایت	خواجہ نور محمد مہارویؒ
۲۲۰	شیعہ اور شاہ صاحبؒ	پیدائش اور خاندان
۲۲۲	امراء اور سلاطین سے تعلقاً	ابتدائی تعلیم
۲۲۵	بہادر شاہ ظفر اور شاہ صاحبؒ	لاہور میں تحصیل علم
	اسلامی سوسائٹی کی	دہلی میں آمد
۲۲۷	اصلاح کی کوششیں	شاہ فخر صاحبؒ کی
۲۳۱	نظام سلسلہ اور تبلیغی مساعی	خدمت میں حاضری
۲۳۳	مرہٹوں کی عقیدت	شاہ فخر صاحبؒ سے تحصیل علم
۲۳۴	وفات	بیعت
۲۳۶	اولاد	پاک پٹن اور مہار میں قیام
۲۳۸	میاں کالے صاحب	مہار میں قیام خانقاہ
۲۴۰	غلام نظام الدین صاحبؒ	مریدوں کی اصلاح و تربیت
۲۴۱	خلفاء	مرشد کی نظر میں
۲۴۲	سید بدیع الدینؒ	معاصرین کی نظر میں
۲۴۳	میر محمدی صاحبؒ	علاقت اور وصال
۲۴۴	مولانا ضیاء الدین صاحبؒ	اولاد
۲۴۷	مولانا جمال الدین صاحبؒ	خلفاء و مریدین
۲۴۸	مولانا حاجی لعل محمد صاحبؒ	شیخ نور محمد ناز و والدہؒ
۲۴۹	شاہ صادق علیؒ	حافظ غلام حسین
		نواب غازی الدین خاں

فہرست مضامین

فہرست مضامین

۳۸۳	ولادت اور نسب	۳۹۳	اتباع شریعت کی تلقین
۳۸۴	ایام طفلی	۳۹۳	اتباع رسول کی ہدایت
۳۸۴	تعلیم	۳۹۴	مذہبی اور روحانی تعلیم
۳۸۴	مجاہدات	۳۹۵	عبادت
۳۸۵	بیعت	۳۹۵	نیک
۳۸۶	پیر و مرشد سے عقیدت	۳۹۶	حب دنیا سے پرہیز
	برہنہ رسوں کو دور کرنے کی	۳۹۶	حکومت کے متعلق نظریات
۳۸۶	کوشش	۳۹۹	غیر مسلموں سے تعلقات
۳۸۸	اخلاق	۳۹۰	عیسائی اور شاہ صاحب
۳۸۹	اتباع سنت		سرکاری ملازمت شاہ صاحب کی
۳۹۰	مریدوں کی تربیت	۳۹۱	نظر میں
۳۹۱	متونذ و کلیات سے اجتناب	۳۹۲	امراء سے تعلق
۳۹۱	مثنوی مولانا روم	۳۹۴	نواب بھاول خاں
۳۹۲	درس و تدریس	۳۹۶	والیان ریاست
۳۹۲	معاصرین کی نظر میں	۳۹۷	شاہ شجاع
۳۹۳	امراء سے اجتناب	۳۹۸	امیر دوست محمد خاں
۳۹۴	بہادر شاہ ظفر	۳۹۹	وصال
۳۹۴	نواب بھاول خاں	۳۸۰	اولاد
۳۹۵	انگریزوں سے تنفر	۳۸۰	خلفاء
۳۹۵	وحدت وجود		باب نمبر ۱۰
۳۹۶	سماع	۳۸۳-۳۸۰	حافظ محمد علی خیر آبادی

۳۱۳	مولوی محمد اعظم	۳۱۳	پیدائش اور خاندان
۳۱۴	میاں شریف الدین	۳۱۴	تعلیم و تربیت
۳۱۴	مولوی گل حسن	۳۱۴	بیعت
۳۱۵	خواجہ گل محمد احمد پوری	۳۱۴	دہلی کا سفر
	باب نمبر ۱۱	۳۱۴	والدہ کی تشویش
۳۱۷-۳۱۶	حافظ محمد جمال ملتانی	۳۱۵	مرشد سے عشق
۳۱۸	قبلہ عالم کی خدمت میں	۳۱۸	خلافت
۳۲۰	علی تجسر	۳۱۸	تونس میں قیام خانقاہ
۳۲۰	درس و تدریس	۳۱۹	مدارس کا اجراء
۳۲۰	اخلاق	۳۲۱	درس و تدریس
۳۲۱	سکھوں سے مقابلہ	۳۲۲	علی تجسر
۳۲۳	اصلاح رسوم	۳۲۳	عسرت کی زندگی
۳۲۴	لباس	۳۲۴	لسنگر
۳۲۴	ملفوظات	۳۲۶	مقبولیت
۳۲۴	وصال	۳۲۷	نظام اوقات
۳۲۵	خلفاء	۳۲۸	تعلیم اخلاق
۳۲۵	مولوی خدابخش ملتانی	۳۲۸	ارکان اسلام کا تحفظ
	باب نمبر ۱۲	۳۲۵	صوفیہ کی اصلاح
۳۲۷-۳۲۶	شاہ محمد سلیمان تونسوی	۳۲۷	علماء کو تنبیہ
	پنجاب میں شاہ محمد سلیمان کا	۳۲۹	سماع
۳۲۷	روحانی نظام		

فہرست مضامین

۴۳۲	مولوی عبدالحق خیر آبادیؒ	۴۳۹	اصلاحی کوششیں
۴۴۵	مولوی ارشاد علی امر دہویؒ	۴۳۹	سفر حج
	مولوی فرید احمد نظامی امر دہویؒ	۴۴۰	وصال
۴۴۴		۴۴۰	اولاد
۴۵۱	فہرست مآخذ	۴۴۱	خلفاء
	اشاریہ	۴۴۲	خواجہ محمد اکبر بصیر پوری

عکسی تحریریں

- ① آخری صفحہ قرآن پاک، کتابت کردہ شیخ نور اللہ والد حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ
(کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) مقابل دیباچہ
- ② آخری صفحہ "صور صوفی"، خط لطف اللہ مہندس پیر استاد احمدؒ "ناور العصر"
(کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) مقابل صفحہ ۸۲
- ③ آخری صفحہ احسن الشامل از قلم مصنف
(کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، شیفہ کلکشن) مقابل صفحہ ۱۴۶
- ④ مکتوب خواجہ اللہ بخش تونسویؒ بنام منشی ارشاد علی امر دہویؒ
مقابل صفحہ ۴۴۵
- ⑤ تحریر پیر حیدر علی شاہؒ
مقابل صفحہ ۴۳۳
- ⑥ تاریخ وصال پیر حیدر علی شاہؒ از قلم علامہ اقبالؒ
مقابل صفحہ ۴۲۴
- ⑦ تاریخ وصال پیر حیدر علی شاہؒ از قلم اکبر الہ آبادیؒ
مقابل صفحہ ۴۲۴

۳۹۶	ہندوؤں کو عقیدت	۳۹۶	مولانا غلام سرور صاحب
۳۹۶	واجد علی شاہ	۳۹۶	باب یازدہم :
۳۹۴	بہ حیثیت شاعر	۳۹۴	خواجہ شمس الدین سیالویؒ ۳۳۲-۳۱۴
۳۹۴	وصال	۳۹۴	ولادت اور ابتدائی حالات
۳۹۸	خلفاء	۳۹۸	خواجہ تونسویؒ کی خدمت میں
۳۹۸	سجادہ نشین	۳۹۸	قیام خانقاہ
	باب و سیم :	۳۹۸	اخلاق
	حاجی نجم الدین صاحبؒ ۳۱۶-۳۰۱	۳۹۸	وصال
	ولادت	۳۹۸	اولاد
	تعلیم	۳۹۸	خلفاء
	بیعت	۳۹۸	پیر سید غلام حیدر علی شاہؒ (جلالپور)
	شیخاواٹی میں قیام	۳۹۸	پیر مہر علی شاہؒ (گولڑہ)
	اتباع سنت	۳۹۸	خواجہ حسن نظامیؒ (دہلی)
	عشق حقیقی اور	۳۹۸	خانقاہ گولڑہ
	وحدت وجود	۳۹۸	باب دوازدہم
	تصانیف	۳۹۸	خواجہ اللہ بخش تونسویؒ ۳۵۰-۳۳۵
	وصال	۳۹۸	ولادت
	اولاد	۳۹۸	ابتدائی تعلیم و تربیت
	خلفاء	۳۹۸	ہندوستان کا سفر
	حکیم سید محمد حسن امر دہویؒ ۴۱۳	۳۹۸	تعمیر کا شوق
	مولانا محمد نصیر الدین صاحبؒ ۴۱۵	۳۹۸	اخلاق

مقدمہ

ہندوستان اٹھارویں اور انیسویں صدی میں

(۱)

سیاسی پس منظر

اٹھارویں صدی عیسوی، صرف ہندوستان ہی میں نہیں، بلکہ تمام دنیا میں نہایت اہم سیاسی اور سماجی تبدیلیوں کا زمانہ تھا۔ کچھ ملک غلامی کی زنجیریں توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کی گردنوں میں غلامی کے طوق ڈالنے کی تیاری کی جا رہی تھی۔ امریکہ کی جنگ آزادی کا میاب طور پر لڑی جا چکی تھی۔ انقلاب فرانس نے سارے یورپ میں آزادی کی تحریکوں کو ابھار دیا تھا۔ پُرانا سیاسی اور سماجی نظام درہم برہم ہو رہا تھا، اور انجمنستان کے مشہور شاعر و رڈسورٹھ (WORDSWORTH) کو فرانس میں ایک نئی دنیا جنم لیتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن اسلامی ممالک کی حالت بالکل مختلف تھی۔ وہاں عام رجحان پستی اور تنزل کی جانب تھا۔ ایک طرف دولت عثمانیہ کا آفتاب اقبال تیزی کے ساتھ گہن میں رہا تھا، دوسری نظر ایران میں انتشار و ابتری کا دور دورہ تھا۔ ادھر سلطنت مغلیہ دم توڑ رہی تھی۔ نئی نئی قوتیں ابھر کر سیاسی فضا کو مکدر کر رہی تھیں اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مسلمانوں

کی سیاست اور سماج کی ساری بنیادیں ہمیشہ کے لئے ہل جائیں گی۔

۳ مارچ ۱۵۵۶ء کو اورنگ زیب نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ تقریباً نصف صدی تک وہ ہندوستان کے سیاسی حالات کو درست کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ اور پری حد تک اس میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ آخری وقت میں اُس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ وہ صلح اور خوش دلی کے ساتھ سلطنت کو تین حصوں میں تقسیم کر لیں۔ یہ وصیت حالات کے گہرے مطالعے اور اپنے بیٹوں کی صلاحیتوں کے صحیح جائزے پر مبنی تھی۔ عالمگیر کی دور میں چاہو، نے اُن طاقتوں کو ابھرتے ہوئے دیکھ لیا تھا جن کا استیصال ایک مرکز سے قطعاً ناممکن تھا۔ لیکن اس کے تنگ نظر اور خود غرض جانشینوں نے اس وصیت کی طرف توجہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طاقت جو تین مرکزوں میں تقسیم ہو کر مخالف قوتوں کو دبانے میں صرف کچھ تھی، آپس میں لڑ کر ختم ہو گئی۔

خاندان سے عشاء تک ایک طرف جنگ تخت نشینی نے سیاسی نظام کو متزلزل رکھا۔ تو دوسری طرف بادشاہوں کی کوتاہ اندیشی، عیش پرستی اور بے عملی نے حالات کو بد سے بدتر کر دیا۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں باغیانہ قوتیں کام کرنے لگیں اور ہر طرف لوٹ مار، قتل اور غارتگری کا بازار گرم ہو گیا۔ ان حالات میں کچھ پورٹیشینوں نے بادشاہ کو اس کے گہوارہ عشرت میں بیدار کرنے کی کوشش کی۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بادشاہ، وزیر اور امراء کے نام دس کلمات کا ایک اعلان جاری کیا:

”آنکہ بادشاہ اسلام و امراء کبار
بہ عیش حرام مشغول نشوند، از گزشتہ
توبہ نصوص بجا آرند و آئندہ اعتنا
نمایند“ لے

کریں اور آئندہ گناہوں سے بچتے رہیں

شاد فخر الدین دہلویؒ نے بادشاہ کو ہدایت کی

لے شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات (دوسرا ایڈیشن) ص ۵

”پس اول مقدم این است کہ

آل جمہا بذات خود مستعد محنت کشی
و ملک گیری شوند“ لے

لیکن مے ورامش درنگ و بوی کی اس دنیا میں مدرسوں اور خانقاہوں کی یہ آوازیں صد ابھرا ثابت ہوئیں۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ زوال و انحطاط کی رفتار تیز سے تیز تر ہو گئی۔ مرکزی حکومت کا ڈھنگ بے جان ہو کر گرنے لگا۔ صوبائی گورنروں، جاگیرداروں، امراء اور حکام نے سیاسی بد نظمی سے فائدہ اٹھا کر اپنی طاقت بڑھانی شروع کر دی اور وہ سلطنت مغلیہ جس کا اقتدار کبھی کشمیر سے دکن اور بنگال سے کابل و قندھار تک تسلیم کیا جاتا تھا، سمٹ کر قلعہ معلیٰ کی چا دیواری میں آگئی۔

فرماں رواؤں کی غفلت اور عیش پسندی سے سب سے پہلے امراء نے فائدہ اٹھایا اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے بیرونی طاقتوں سے ساز باز شروع کر دیا۔ اس طرح سماج اور سیاست کا ہر ہر گوشہ ان کی شاطرانہ چالوں سے متاثر ہونے لگا۔ نفاق اور گروہ بندی کے مسموم اشارات مہلات سے نکل کر جھونپڑوں تک پہنچتے تھے، اور سماجی زندگی کی تانچوں میں افساد کرتے تھے۔ دربار میں دو قتل پارٹیاں (ایرانی اور تورانی) اٹھیں۔ ہندوستان کی سیاست ان ہی دو پارٹیوں کے گرد گھومتی تھی۔ تاریخ احمد شاہی کے مصنف نے ان حالات میں لکھا تھا:

”یہ تمام فتنہ و فساد، ایرانی اور تورانی امراء کے آپس کے جھگڑوں کا نتیجہ ہے“ لے

سیاسی حالات کا انارچل تھا، ان ہی امراء کی ابروئے چشم کے تابع تھا۔ سر جادونا تھ سرکار کا خیال ہے کہ سلطنت مغلیہ کے آخری دور کی تاریخ صرف ان ہی دو پارٹیوں کی سبزد آرمائی کا نام ہے لے

لے مناقب فرید (مکملی) ص ۳۶-۳۵؛ مطبوعہ ص ۱۸

Fall of the Mughal Empire, Vol. I p. 439

Glid, Vol. I p. 13

روایت کو نیست و نابود کر دیا۔

سیاسی انتشار، اخلاقی زبوں حالی اور معاشی بحران کے اس دور میں ایک بیرونی قوت نے اپنے پیچھے جانے شروع کئے اور رفتہ رفتہ پورے ملک پر قبضہ کر لیا۔ اس غیر ملکی تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لئے کچھ کوششیں بھی کی گئیں لیکن اس بیرونی طاقت کے پیچھے یوٹو کا صنعتی انقلاب تھا، اور شہنشاہیت کا بے پناہ خمار۔ یہ کوششیں فوری طور پر بار آور نہ ہو سکیں اور کچھ عرصہ کے لئے ملک غلامی کی زنجیروں میں جکڑا گیا۔

جن مشائخ کے حالات یہاں پیش کئے جا رہے ہیں وہ اسی ماحول میں پیدا ہوئے تھے اور ان ہی حالات گرد و پیش میں ان کو کام کرنا پڑا تھا۔ اس لئے مناسب ہو گا کہ اس دور کی بعض اہم سیاسی تحریکوں کا جائزہ لے کر ہم آگے بڑھیں۔

سکھ پنہرہویں صدی کے مذہبی رہنماؤں میں گرو نانک (۱۵۳۸-۱۶۰۶ء) کی شخصیت خاص اہمیت رکھتی ہے۔ وہ بڑے وسیع مشرب انسان تھے۔ وحدانیت، اخلاقی زندگی اور سماجی مساوات پر ان کا ایمان تھا۔ مسلمان بزرگوں اور صوفیہ سے کافی متاثر ہوئے تھے۔ پاک پٹن میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے سجادہ نشینوں کی صحبت سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔ ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگو نے لکھا ہے:

”بابا نانک انسانی ذل کو سیاسی آزادی نہیں بلکہ روحانی آزادی دلانا چاہتے

تھے۔ ان کا مقصد تھا کہ ان کے پیرو، خود غرضی، مذہبی تعصب اور روحانی جموں سے

آزاد ہوں۔“

جب تک سکھوں کی تحریک خالصتاً مذہبی رہی، مسلمان بادشاہوں نے اس کے رہنماؤں کے کٹھ بڑی عزت اور احترام کا برتاؤ کیا، لیکن جب اُس نے سیاسی رنگ اختیار کر لیا تو مغل بادشاہوں کے تعلقات کی نوعیت بھی بدل گئی مشہور ہے کہ جب بابر ہندوستان آیا تو گرو نانک کی

مرکز کو کمزور یا کمزور بائی حکومتوں کا خود مختاری کی طرف مائل ہو جانا ناگزیر تھا۔

چنانچہ سعادت علی خاں نے اودھ میں، علی وردی خاں نے بنگال میں اور نظام الملک نے دکن میں اپنا اقتدار قائم کر لیا اور اس طرح سلطنت مغلیہ کا سیاسی اقتدار اور اقتصادی فراخ ختم ہو گئے۔

جو علاقہ براہ راست شاہان مغلیہ کے قبضہ میں تھا وہاں جاگیر داری اور جاہداری کی رسمیں جاری تھیں اور ان کے مذہب و اشارات کاشت کار سے لے کر حکومت وقت تک کے لئے پریشانی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ بڑے جاگیر دار ایک طرف حکومت کے ٹیکس ادا کرنے سے گریز کرتے تھے، دوسری طرف غریب کاشت کاروں کا خونچسپ تھے۔ ان کا وجود حکومت کے لئے پریشان کن اور کاشت کاروں کے لئے ایک بلائے آسمانی کی مانند تھا۔ چھوٹے چھوٹے منصب داروں کی حالت مختلف تھی۔ انھیں کوئی لگان دینے پر پوری آمادہ نہ ہونا تھا۔ مرکزی حکومت نے اپنا کام آسان کرنے کے لئے سارا ملک جاگیر داروں میں بانٹ رکھا تھا۔ جو علاقہ باقی رہ گیا تھا وہاں اجارہ داری کی رسم جاری کر دی تھی۔ ان حالات میں ہر طبقہ پریشان اور اقتصادی بد حالی میں مبتلا تھا۔ بادشاہ کے ایک لاکھ ملازمین تھے۔ جن میں سے کچھ اہل نقدی تھے اور کچھ اہل جاگیر۔ دونوں کی حالت بقول شاہ ولی اللہ ”کاسر گدائی در دست گرفتہ“ کی تھی۔

ان حالات میں ناگزیر تھا کہ ملک کے وہ تمام عناصر جو تھوڑی سی بھی قوت جمع کر سکتے ہوں، قسمت آزمائی کے لئے تیار ہو جائیں۔ سکھ، مرہٹے، روہیلے، جاٹ سب نے اٹل جل سے فائدہ اٹھایا اور حالات اس درجہ بگڑ گئے کہ امن و سکون ملک سے مستقل طور پر رخصت ہو گیا۔ فتنہ و فساد، منافرت و عداوت، لوٹ مار اور غارت گری نے سماجی زندگی کی ہر جہی لے اٹھا۔ پندرہویں صدی کے سیاسی حالات، بالخصوص عہد محمد شاہ کے لئے پروفیسر ایڈورڈ ٹیلر کی کتاب The Reign of Muhammad Shah

کا مطالعہ کرنا چاہیئے

شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات، ص ۱۱

خدمت میں بڑی عقیدت سے حاضر ہوا۔ گرو نانک نے اسے ہندوستان کی فتنہ اور سات پشتوں تک اس کی نسل کی عمرانی کی دعا دی۔ اکبر نے گرو جی امر داس اور دوسرے سکھ اکابر کی بڑی عزت کی۔ گرو وارجن کے متعلق تو یہاں تک مشہور ہو گیا تھا کہ اُن کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ شہنشاہ تک اُن کے آگے جھکتا ہے۔ جب اکبر خیر پور پر حملہ آور ہوا تو بھگوان داس کو گرو امر داس کے پاس دعا کے لئے بھیجا۔ کہتے ہیں کہ اکبر نے خود حاضر ہو کر اُن سے بارہ دیہات قبول کرنے کی درخواست کی تھی۔ گرو تھپراہ، اشرفیاں چڑھائی تھیں۔ گرو وارجن کی سفارش پر پنجاب کا ایک سال کا لگان معاف کر دیا تھا۔ امرتسر جس کا قدیم نام گرو چاک ہے، اکبری نے سکھوں کو دیا تھا۔ سر جیمس ڈوئی Sir James Douie نے لکھا ہے کہ سکھوں کے ساتھ اکبر کے اس اچھے برتاؤ کا ایک سبب یہ تھا کہ اکبر کے آزادانہ مذہبی افکار بہت حد تک ان گروؤں کے اصولوں سے ہم آہنگ تھے۔ ۷۰

مغل بادشاہوں کے یہ تعلقات اس وقت تک رہے جب تک سکھوں کے رہنماؤں نے سیاست میں مداخلت نہیں کی۔ جو ہی اس تحریک نے رنگ بدلا، شاہانِ مغلیہ کے رویہ میں بھی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ مسلمان بادشاہوں کی مخالفت کا سبب کوئی مذہبی عناد نہ تھا۔ بلکہ اس کی وجہ کلیتاً سیاسی تھی۔ گروارجن نے ایک سیاسی نظام تیار کیا، اور امرتسر کو عسکری مرکز

۱۰ شمشیر خالصه، گیانی سنگه گیانی و بابورا جدر سنگه

Macauliffe, III p. 28 27

۳۹ تاریخ ہند، مولوی ذکار اللہ، جلد ۹، ص ۹۴

۴۹ ص = ۹۲

۵۵ " " جلد ۵ ص ۵۲

۱۵ چاک ٹیڑے کو کہتے ہیں۔ گرد چاک کے معنی ہونے وہ ٹیڑھا جو گرد کو پیش کیا جائے۔

The Punjab, p. 175.

Barkar, History of Aurangzeb, Vol. III
p. 305

بنا کر کابل سے ڈھاکہ تک جہاں جہاں سکھ بستے تھے ان سے محصول لینا شروع کر دیا۔ اس طرح بقول ڈاکٹر تارا چند ایک مذہبی برادری، ایک عمران طبقہ میں تبدیل ہو گئی۔ ظاہری مال و اسباب کی فراوانی کا یہ حال ہو گیا کہ کہا جانے لگا کہ دنیا کی دولت گردنا نک سے بارہ کوس کے فاصلہ پر تھی۔ گرد و انگہ سے ۶ کوس پر اگر و امر داس کے دروازہ پر اگر و امر داس کے قدموں میں اور گرد و ارجن کے گھر میں۔

مغل بادشاہوں میں سکھوں کی سب سے پہلا جھگڑا جہانگیر سے ہوا۔ اگر وارجن نے شہزادہ خسرو کو جس نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی تھی، اپنا ہدیہ جہانگیر نے اس بات پر گرو کو دربار میں بلایا اور جرمانہ کیا۔ جب انھوں نے جرمانہ کی ادائیگی سے انکار کیا تو ان کو سزا دی گئی۔ ڈاکٹر بینی پرشاد کا خیال ہے کہ سزا صرف سیاسی اسباب کی بنا پر دی گئی تھی۔ اگر گرو وارجن ایک باغی شہزادے کی مدد نہ کرتے تو وہ بالکسی ضرر اور پورے اہلینان کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے تھے۔ سرحدوں کا تھم سرکار کی بھی یہی رائے ہے کہ اس قتل میں کوئی مذہبی جذبہ شامل نہ تھا۔ یہ سزا وہی تھی جو معمولاً سیاسی مجرموں کو دی جاتی تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ گرو وارجن کی نیت کسی باغی کو مدد دینے کی نہ تھی بلکہ انسانی ہمدردی کے جذبے سے مجبور ہو کر انھوں نے شہزادہ کو پناہ دی تھی۔ جہانگیر کے غیر دانشمندانہ عمل نے شاہان مغلیہ اور سکھوں کے درمیان منافرت کا بیج بویا۔ اس کے بعد جب گروہر گوبند سنگھ (۱۶۳۵-۶۱۶) نے سکھوں کی تنظیم بالکل سیاسی بیج پر شروع کر دی تو حکومت سے ان کا تصادم بھی یقینی ہو

History of the Indian People, p. 269. al

نیز ملاحظہ ہوا رون: ج ۱ ص ۶،

۵۲ تاریخ ہند۔ مولوی ذکاء اللہ۔ جلد ۹ ص ۵۰؛

History of Jahangir, p. 130

۴۷ تاریخ اور رنگ زیب (جلد سوم ص ۳۰۸) (انگریزی)

اورنگ زیب کے کمزور جانشینوں نے ان کے حوصلے اور بڑھادیے اور ان کی چیرہ دستیائیں اس حد تک پہنچ گئیں کہ

”زمنہائے حاملہ را شکم دریدہ و جنین را کشیدہ می کشند“ لے

باندہ کے مظالم سے تمام شمالی ہندوستان گھبرا اٹھا۔ ۱۷۰۵ء میں جب سرہند پر سکھوں کا حملہ ہوا تو بہت سے مسلمانوں نے ہندوؤں کے گھروں میں پناہ لی۔ ان کے مظالم زندوں تک محدود نہ رہے۔ شاہ قیس قادری کا مزار خود ان کی اولاد سے جسبراً کھدوایا گیا۔ عورتیں سکھوں کے ڈر سے ننوں میں ڈوب کر مر گئیں۔ بعض لوگوں نے قتل و غارت گری کے اس ہنگامہ میں اپنے نام تک بدل دیئے۔ ۵

۱۷۰۳ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا۔ اس کے بعد سکھوں کی طاقت اور محنت میں عموماً ہو گیا۔ ۱۷۳۹ء سے ۱۷۶۵ء تک متعدد بیرونی حملوں کی وجہ سے حالات اور بد سے بدتر ہو گئے اور سکھوں کو ہنگامہ آرائی کا موقع مل گیا۔ انھوں نے ۱۷۶۳ء میں لاہور پر قبضہ کیا اور پھر جہلم سے جہانگیر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ ۱۷۶۵ء اور ۱۷۷۰ء کے درمیان ان کا اقتدار بڑھا۔ ایک سے کرناں تک اور ملتان سے جہلم تک سارا علاقہ ان کے قبضہ میں آ گیا۔ اور انھوں نے دو آب اور روہیل کھنڈ پر بھی حملے کرنے شروع کر دیئے۔ انیسویں صدی کے شروع میں جب بہار راجہ رنجیت سنگھ نے پنجاب میں اپنا اقتدار قائم کیا تو سکھوں کی طاقت اپنے پورے عروج پہنچ گئی۔

ایک روسی مصنف ای، ایم، رینر (E. M. REISNER) نے اس خیال کا

- ۱۔ سیرالتاخرین - ص ۳۰۲
- ۲۔ Irvine, Later Mughals, Vol. I p. 96
- ۳۔ مآثر واردات - محمد شفیع دار و جوال اردن جلد اول - ص ۹۰
- ۴۔ اردن جلد اول، ص ۱۰۱؛ تاریخ ہند (مولوی ذکاء اللہ) جلد ۹ ص ۶
- ۵۔ دستور الانشار، یار محمد - ص ۸

گیا۔ ڈاکٹر سنہا نے گرو گو بند کو سکھ عسکریت کا بانی بتایا ہے۔

گرو دھراسے (۱۶۹۱ - ۱۶۳۵) نے جنگ سخت نشینی کے زمانہ میں داراشکوہ کو مدد دی اور اورنگ زیب سے ان کے تعلقات خراب ہو گئے۔ پھر تیغ بہادر (۱۶۵۵ - ۱۶۹۹) نے کشمیر کے ہندوؤں کو بغاوت پر آمادہ کیا تو اورنگ زیب نے ان کو قتل کر دیا۔ گرو گو بند سنگھ (۱۶۰۸ - ۱۶۷۵) سے بھی اس کے تعلقات خراب رہے۔ ۱۷۰۵ء میں جب بادشاہ جامع مسجد سے نکل رہا تھا تو ایک سکھ نے بادشاہ پر اینٹیں پھینکیں۔ اس سکھوں کی دشمنی صرف بادشاہوں تک ہی محدود نہ رہی عام مسلمانوں سے بھی مخالفت شروع ہو گئی، سکھ رہنماؤں نے حکم دیا کہ کوئی سکھ مسلمان بزرگوں کی قبروں پر نہ جائے، اگر جائے گا تو اسے ۱۲۵ روپے جرمانہ کیا جائے گا۔ ۵

اورنگ زیب نے جب ان کے سیاسی اقتدار کو بڑھتے ہوئے دیکھا اور سلطنت مثلاً سے ان کی دشمنی کا پورا یقین ہو گیا تو ان کے استیصال کی کوششیں شروع کر دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اجتماعی وحدت کا خاتمہ ہو گیا، ان کا ایک مرکز رہا۔ نہ ایک رہنما، ان کی طاقت منتشر ہو گئی۔ سر جادونا تھ سرکار کا خیال ہے کہ اگر اورنگ زیب کے جانشین لائق ہوتے تو سکھوں کا بھی وہی حشر ہوتا جو دہنوک و انک اور تانیتہ ٹوپے کا برطانوی عہد میں ہوا تھا۔

Davie, The Punjab p. 175.

ایک پیرائے سال سکھ بھائی بھائی نے جب ان کی سیاسی سرگرمیوں پر ان کو تنبیہ کی تو انھوں نے جواب دیا کہ مجھے روحانی اور مادی دونوں تلواریں دی گئی ہیں۔

Macauliffe, Vol. IV p. 4, 5, 53.

N. K. Sinha, Ranjit Singh, p. 175

اردن جلد اول ص ۱۰۱ (انگریزی) ۵ تاریخ اورنگ زیب - سر جادونا تھ سرکار جلد سوم ص ۳۱۶

۵ مآثر عالمگیری - ص ۱۵۴ ۵ تاریخ اورنگ زیب - جلد سوم ص ۳۱۶

۵ تاریخ اورنگ زیب - جلد سوم ص ۳۲۰

اظہار کیا ہے کہ اٹھارہویں صدی میں سکھوں کی تحریک بہت ترقی پسند تھی اس لئے کہ وہ (ANTI-FEUDAL) تھے بلکہ لیکن اٹھارہویں صدی کی تاریخ اس خیال کی تائید نہیں کرتی۔ اٹھارہویں صدی میں سکھوں نے جو حالات پیدا کر دیے تھے ان سے عوام کی پریشانیوں میں بڑا اضافہ ہو گیا تھا۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ ایک کل ہندو سیاسی نظام قائم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔

اٹھارہویں صدی کے لڑیچہ کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ سکھوں کے حلوں کی وجہ سے لوگ کس قدر پریشان رہتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی انتہائی پریشانی کے عالم میں اپنے چچا کو لکھتے ہیں:

ایام برداشت فالقلب منجوزع
من قوم مسکھ دان الخوف معقول
سردیوں کا موسم آگیا اور دل پریشان ہے
سکھ قوم سے، اور دل کا یہ اندیشہ معقول ہے

مرہٹے اور رنگ زیب نے اپنی زندگی کے آخری ۲۶ سال دکن میں مرہٹوں سے جنگ کرنے میں صرف کئے تھے۔ ۲۵ نومبر ۱۷۶۷ء کو وہ برہان پور پہنچا تھا۔ اس کے بعد "ختم سفر" ۳۰ مئی ۱۷۶۷ء تک وہ مرہٹوں سے نبرد آزما رہا۔ جنرالی حالات کی بنا پر مرہٹوں کی سیاسی طاقت کا خاتمہ ناممکن ہو گیا تھا۔ لیکن تمام مشکلات کے باوجود اس نے مرہٹوں کے متحدہ مرکز اور اجتماعی قوت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی اجتماعی طاقت کے منتشر ہونے کے بعد اورنگ زیب کو ایک جگہ کے بجائے مختلف مقامات پر ان کا مقابلہ کرنا پڑا اور اس طرح اس کا کام اور زیادہ مشکل ہو گیا، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اگر چند سال اورنگ زیب کے جانشین پوری طرح جدوجہد کرنے تو مرہٹوں کی سیاسی طاقت کا خاتمہ ہو جاتا۔

اورنگ زیب کے مرنے کے بعد مرہٹوں کی طاقت میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا لیکن اورنگ زیب کی صوبہ داری پر امر آپس میں جھگڑتے تھے اور مرہٹوں کی طاقت بڑھتی تھی۔

۱ Fall of the Mughal Empire, Vol. I p. 67.

۲ H. N. Sinha, Rise of the Peshwas.

۱ Medieval India Quarterly, October 1950, p. 71.

۲ Fall of the Mughal Empire, Vol. I p. 67.

چھین مارتی تھیں..... انھوں نے گھروں کو آگ لگا دی اور ہر طرف
لوٹ مار کرتے ہوئے گھومے۔

وینشور و دیا لنکر کا بیان ہے کہ شاہپور اصر کی فوجیں، حاملہ عورتوں، بچوں، برہمنوں اور
غریبوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کرتی تھیں۔ وہ ہر طرح کے گناہ کا ارتکاب کرتے
تھے اور جہدھر سے گزر جاتے ایک قیامت برپا ہو جاتی تھی۔

ان حالات میں لوگوں کو اپنی زندگی و بال معلوم ہونے لگی۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ
نے مجبور ہو کر احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی کہ وہ ہندوستان آکر مرہٹوں کے تسلط سے نجات
دلائے۔ احمد شاہ ابدالی ہندوستان آیا اور پانی پت کے مقام پر مرہٹوں کی طاقت سے ٹکرایا۔
اس جنگ نے مرہٹوں کی طاقت کو پارہ پارہ کر دیا اور بقول سرکار، مہاراشٹر میں کوئی گھر
ایسا نہ رہا جہاں صغیر ماتم نہ بچھ گئی ہو۔ دس سال تک مرہٹوں نے شمال کی طرف نظریہ
اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ اس کے بعد دو تین بار انھوں نے اپنی طاقت کو جمع کر کے شمالی
ہندوستان پر تسلط حاصل کرنے کی کوشش کی اور اس میں کچھ کامیابی بھی ہوئی۔ لیکن انگریزوں
کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے مقابلہ میں ان کو کوئی مستقل کامیابی حاصل ہونا ممکن نہ تھا۔

اس دور کے بیش تر مصنفین نے خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، دہلی میں رہتے ہوں یا ہندوستان
کے کسی اور علاقے میں، ان ہنگاموں پر اپنی تکلیف اور بے چینی کا اظہار کیا ہے۔
آندرام تلخ نے شاعرانہ انداز میں بات کہی ہے۔

بروہی ما ترہ روزاں زان صغیر ترکان گذشت
انچاز فوج دکن بر ملک ہندوستان گذشت
در چمن بر برگ گلہا نگذر د صبح از نسیم
بر گرہاں انچاز دستم شب ہجران گذشت

د تصانیف آندرام تلخ، قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات، (دوسرا ایڈیشن) ص ۱۴-۶

اور خود غرض امراء کا یہ حال تھا کہ جب گجرات یا مالوہ پر مرہٹوں کے حملہ کی خبر بادشاہ کو
پہنچتی تو اس کی پریشانی دور کرنے کے لئے شکار پر لے جاتے تھے یہ سلسلہ ۱۷۳۰ء میں مرہٹے دہلی
پر حملہ آور ہوئے تو مغل بادشاہ نے دریا میں کشتیاں ڈلوادیں تاکہ محل شاہی کی دہریگی سے
نکل کر بھاگنے میں سہولت ہو۔ طارق کی روح نے پکار پکار کر کہا کہ اس کارزار ہستی میں عمل
سے زندگی بنتی ہے لیکن ہنگامہ ہائے عیش و نشاط میں غفل انداز ہونے والی یہ صدائیں کین
سنتا تھا!

بادشاہوں کی کمزوری اور امراء کی خود غرضی کے باعث مرہٹوں کو قتل و غارت گری
اور لوٹ مار کا موقع مل گیا۔ ان کے مظالم نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ، مرزا مظہر جان جاناؒ
شاہ عبدالغیرؒ، سلیم اللہ، گنگارام، وینشور و دیا لنکر اور بہت سے پرتگالیوں کے دل
ہلا دیئے، بنگال کے مشہور شاعر گنگارام نے لکھا ہے

”برگیوں (مرہٹوں) نے دیہاتوں کو لوٹنا شروع کر دیا..... کچھ لوگوں کے
انھوں نے ہاتھ، ناک اور کان کاٹ لئے۔ خوب صورت عورتوں کو وہ رتیبوں
میں باندھ کر لے گئے۔ جب ایک بارگی زنا کر چکتا تھا تو دوسرا کرتا تھا۔ عورتیں

۱۔ ارون۔ جلد دوم۔ ص ۲۷۸

۲۔ ارون۔ جلد دوم۔ ص ۲۹۱

۳۔ اورنگ زیب ننگ کو ان امراء نے آخری عمر میں پریشان کیا تھا، میر المتاخرین میں لکھا ہے :

”اما از تہا دل بعض امراء رکاب کہ برائے اغراض خود انفصال ہنگامہ مرہٹہ

نمی خواستند، استیصال مرہٹہ صورت نہ گرفت“۔ ص ۹۲۳

۴۔ ”شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی مکتوبات“۔ ص ۸-۷

۵۔ کلمات طیبات۔ ۵۸۰

۶۔ دیکھئے شاہ صاحب کے عربی منظوم خط بنام شاہ اہل الشرع وغیرہ۔

۷۔ Sarkar, Fall of the Mughal Empire, Vol I

۸۔ ۲۸۶-۲۸

دلی الشہر دہلوی اور مرزا مظہر جان جاناں کے مکتوبات سے دہلی کے باشندوں کی پریشانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاہ صاحب ایک خط میں حافظ جارا اللہ رحمہ اللہ کو لکھتے ہیں:

دقت وقعت بالدهلی داهیتا دہلی میں ایک حادثہ عظیم واقع ہوا۔
عظیمۃ فہمیب الکفار من قوم قوم جاٹ نے دہلی کے شہر کہنہ کو لوٹا
جنت البلد کا القدیستہ اور حکومت اس فساد و شرارت کو
الدہلی وعجزت الدولۃ دفع کرنے سے عاجز رہی۔ انہوں
دفعہ فہمیب الہموالۃ انتہکت نے مال لوٹے، عزت و ناموس کو
وحقت البیوت وکانت الوافۃ برباد کیا اور مکانات کو آگ لگائی
فی اوائل رجب سلسلۃ واستمیت اور یہ لوٹ مار کا حادثہ اوائل رجب
الی اواخر شعبان ۱۰۱۱ھ میں ہوا اور آخر شعبان تک باقی رہا۔

روسیلے سترہویں صدی میں افغانوں کے کچھ حصے ہندوستان آکر مختلف مقامات پر بس گئے۔ بریلی، شاہ جہاں پور، فرخ آباد میں خاص طور سے ان کی نوآبادیات قائم ہوئیں۔ فرخ آباد کے افغانوں نے محمد خان بگٹش کی قیادت میں بڑا عروج حاصل کیا۔ بریلی کے افغان قبائل روہیلوں کے نام سے مشہور ہوئے اور انہوں نے اتنی تیزی کے ساتھ تنظیم کی کہ اٹھارہویں صدی کے ہندوستان میں اپنے لئے ایک جگہ پیدا کر لی۔

اٹھارہویں صدی کے ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی طبقہ اگر عیش و عشرت کی زندگی سے محفوظ تھا تو وہ صرف روہیلے تھے۔ ان میں عسکری صلاحیت اور سیاسی بصیرت کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ وہ مہلک امراض جنہوں نے سلطنتِ مغلیہ کے جسم کو کھوکھلا کر دیا تھا ان کو چھو کر بھی نہ گزرے تھے۔ حکمران کی حیثیت سے بھی ان کی شان امتیازی تھی۔ سر جادو ناتھ سرکار نے لکھا ہے کہ اس معاملہ میں وہ مرہٹوں کے بالکل برعکس تھے۔ مرہٹے

جاٹ اورنگ زیب کے آخری عہد میں جاٹوں کو عروج حاصل ہوا۔ انہوں نے دہلی اور آگرہ کے گرد و نواح میں اپنی گڑھیاں بنائیں اور تمام علاقہ میں لوٹ مار شروع کر دی۔ حد یہ ہے کہ اکبر کے مقبرے میں سے اس کی ہڈیوں کو نکال کر جلا یا بیہ برتاؤ اس اکبر کے ساتھ تھا جس نے بندرہ بن اور مقبرہ میں جگل کشور، گوپی ناتھ، کو بند دیو وغیرہ نہاد اپنے صدف سے جاٹوں کے لئے بنوائے تھے۔

جاٹوں کی گڑھیاں، دارالسلطنت سے اتنی قریب تھیں کہ حکومت کو ان سے مثل خطرہ رہتا تھا۔ بغل فوجوں کی آمد و رفت اکثر اسی علاقے سے ہوتی تھی اور ان کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ بقول سرکار ”دہلی اور آگرہ کی شرک پر ایسا کاسا بڑا داشت نہیں کیا جاسکتا تھا۔“

جاٹوں کے مظالم سے دہلی اور آگرہ کے باشندے سخت پریشان ہو گئے تھے۔ ہر چنانچہ داس، مصنف چہارگلش شجاعی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ”جب جاٹوں نے لوٹ مار شروع کی تو دہلی کے باشندے گہرا ہٹ اور پریشانی میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ وہ در بدر، گلی بہ گلی مارے پھرتے تھے، بالکل اسی طرح جیسے کوئی لوٹا ہوا جہاز ظالم و جبر کے رحم و کرم پر ہو۔ پانگلوں کی طرح ہر شخص پریشان حال اور گھبراہٹا ہوا نظر آتا تھا۔“ شاہ

۱۔ وقائع عالمگیری۔ چودھری نبی احمد سندیلوی۔ ص ۹۵-۹۹

Smith: Akbar, the Great Moghul p. 328 f. n.

Mannucci, Vol. II, p. 320

Sarkar, Aurangzeb, Vol. II p. 299

۲۔ Smith pp. 445-446

۳۔ Sarkar, Fall of the Mughal Empire, Vol. I p. 369

لیکن آخری دور میں غلام قادر روہیلہ نے مغل بادشاہ کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے سلطنتِ مغلیہ کی رہی سہی عزت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس نے شاہِ عالم کی آنکھیں لوکِ نجر سے نکالیں اور مغل شہزادیوں کو برسرِ عام رُسوا کیا۔ شاہِ عالم نے ایک پُروردِ شریہ میں لکھا تھا کہ

داد افغان بچہ شوکت شاہی برباد
کیست جز ذاتِ مرہ کہ کمندیاری ما

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حالات نے مرہٹوں کی مدد طلب کرنے پر کس طرح مجبور کر دیا تھا!

بیرونی حملے | اٹھارہویں صدی میں ہندوستان پر متعدد بیرونی حملے ہوئے۔ ان حملوں نے ملک کے سیاسی اور اقتصادی حالات کو بدستور کر دیا اور باغیانہ قوتیں ہر طرف ابھر آئیں۔

۱۷۶۱ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا۔ شمالی ہند کے باشندوں کو عموماً اور دہلی کے باشندوں کو خصوصاً جن مولناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا، اس کا اندازہ اس زمانے کے لٹریچر سے کیا جاسکتا ہے۔ لوگوں میں خوف و ہراس، قنوطیت اور پست ہمتی کا یہ حال ہو گیا کہ وہ خود کشی پر آمادہ ہو گئے۔ مغلوں کے خلاف ملک میں جتنی طاقتیں تھیں ان کو اپنی قوت اور ذرائع بڑھانے کا موقع مل گیا، سیکھوں، مرہٹوں اور جاٹوں نے پورنچی، اعلیٰ کے ساتھ شاہِ جہاں اور اورنگ زیب کی دلی پر حملے شروع کر دیے۔ شاہانِ مغلیہ کا اقتدار ختم ہو گیا، بے حساب دولتِ ہندوستان سے باہر چلی گئی جس کا نتیجہ ہوا کہ سیاسی اقتدار کے ساتھ اقتصادی طمانیت ختم ہو گئی۔ اور بقول شاہِ خاں اس حملے کے بعد، ”پچ رونقِ سلطنت نما نہ“۔^۱

پھر ۱۷۶۱ء سے ۱۷۶۹ء تک احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر نو حملے کئے۔ ان حملوں

۱۔ تاریخ شاہِ خاں، ص ۳۰،

چوتھ وصول کرنے کے بعد کبھی یہ نہ سوچتے تھے کہ ان علاقوں کی نگہداشت کی اخلاقی ذمہ داری ان پر عاید ہوتی ہے یا نہیں۔ روہیلوں نے جن علاقوں پر حکومت کی، ان کے باشندوں کو اپنی انصاف پسندی سے فتح کر لیا۔ جارج فارسٹر ۱۸۳۳ء میں روہیلوں کے علاقے سے گذر اُن کے نظامِ حکومت سے بڑا متاثر ہوا۔ وہ لکھتا ہے کہ روہیلوں کے نام کی بھی اس علاقہ میں عزت کی جاتی ہے۔ انھوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں فارغانِ بالی اور خوشحالی پھیلا دی ہے۔ گاؤں سرسبز و شاداب ہیں اور ہر طرف خوشحالی ہی خوشحالی ہے۔ روہیلوں میں مذہبی جذبہ بدرجہ اتم تھا۔ لیکن مذہبی تعصب نام کو نہ تھا۔ اکثر روہیلے مرزا مظہر جان جاناں کے مرید تھے اور ان سے بڑی عقیدت رکھتے تھے شاہ ولی اللہ کے نجیب الدولہ سے بہت گہرے تعلقات تھے۔ شاہ صاحب اس کو رئیس العزائم اور اس الجاہدین کے لقب سے پکارتے تھے۔ روہیلوں نے ہندوؤں ان کثرتِ ملازم رکھے تھے۔ نجیب الدولہ ہندوؤں کے تہواروں کے موقعوں پر ان کا خاص طور پر خیال رکھتا تھا۔

۱۔ Fall of the Mughal Empire, Vol. I p. 56.

۲۔ George Forster: A Journey from Bengal to England, Vol. I pp 98-99.

۳۔ ملاحظہ ہوں، شاہ ولی اللہ دہلوی کے مکتوبات بنام نجیب الدولہ ص ۲۸-۱۹،

۴۔ شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے: ”نزد نجیب الدولہ صد عالم بود، ادنیٰ تیغِ روہیلہ والی پان صد“ ملفوظات (۱۸۳۳ء ایڈیشن) ص ۸۱،

۵۔ ملاحظہ ہو کلماتِ طیبات۔ ص ۶۶، ۶۸ وغیرہ۔

۶۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات۔ ص ۱۱۹، ۲۱۲، ۲۰ وغیرہ

۷۔ Sarkar, Fall of the Mughal Empire, Vol. II pp. 304-305

کی تفصیل "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" میں بیان کی گئی ہے۔ اس کا چھٹا حصہ ۱۷۶۰ء ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس نے ہندوستان کی سیاست کا رخ بدل دیا اور مرہٹوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو ختم کر دیا۔ لیکن ان حملوں نے بھی عام لوگوں کے مصائب میں اضافہ کر دیا۔ ابدالیوں کی لوٹ مار کا ذکر تیرنے خاصی تفصیل سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کی ظالمانہ غارتگری اور تباہ کاری نے محلے کے محلے ویران کر دیئے۔ بقول قائم چاند پوریؒ:۔
 نہ فیروں کی چھوڑتے تھے کلاہ
 نہ امیروں کا جامہ زر بفت

مجموعی طور پر اگر اٹھارویں صدی کے ان حملوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ انھوں نے ملک کی سیاسی اور سماجی فضا کو اس درجہ خراب اور ہندوستانیوں کو اس قدر پست ہمت کر دیا کہ جب یہاں برطانوی سامراج کا سیلاب امنڈنا شروع ہوا تو ملک کے کسی گوشے میں بھی اس کے خلاف مضبوط بند نہ باندھے جاسکے!

انگریزوں کا تسلط ہندوستان میں انگریزوں کا تسلط کس طرح قائم ہوا؟ اس کی تفصیل دلچسپ اور عبرت انگیز ضرور ہے، لیکن یہاں اس کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ ہندوستان کی غلامی کے اسباب مختلف نوعیت کے تھے، اقتصادی، سیاسی اور سماجی۔ ایک طرف اگر ہندوستان کا اقتصادی نظام اتر ہو چکا تھا دوسری طرف انگریزوں نے سب سے پہلے ہندوستان کے اس حصے پر قدم جمائے تھے اس ملک کا سب سے زیادہ خوش حال علاقہ تھا۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں ہندوستان اقتصادی مرکز ثقل *Centre of gravity* بنگال کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ رنگ زیب تک کے اخراجات آخری زمانہ میں بنگال کے محاصل سے چلتے تھے انگریزوں نے بنگال پر تسلط ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی اقتصادی شہ رگ ان کے قبضہ میں چلی۔ شاہوں اور امراء کی تنگ نظری اور کوتاہ اندیشی کے باعث انگریزوں کا پناہ اختیار جانے کے مواقع ملے۔ سلاطین میں فرخ سیر نے کمپنی کو بغیر حاصل اور چٹائی کے ملک میں

تجارت کرنے کی اجازت دے دی۔ پھر پھر اور صادق جیسے ننگ وطن لوگوں نے ان کو اپنی طاقت بڑھانے میں مدد دی اور برطانوی سامراج کے بچے اس ملک میں مضبوطی سے جم گئے۔

پانی پت کی تیسری جنگ دست بردار کے بعد، کچھ بیدار مغز لوگوں نے انگریزوں کے بڑھتے ہوئے خطرہ کو محسوس کر لیا تھا۔ اس زمانے میں احمد شاہ ابدالی اور اس کے پیروں امراء کی جو خط و کتابت وینسی ٹارٹ (VANSITTART) سے ہوئی ہے، وہ سیاسی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ احمد شاہ ابدالی نے انگریزوں کی نیت اور ارادوں کا پتہ لگا لیا تھا۔ اس بنا پر وہ چاہتا تھا کہ اپنی واپسی سے قبل شاہ عالم کی طاقت کا استحکام کر جائے لیکن شاہ عالم اس وقت دہلی نہ آیا اور حالات انگریزوں کے موافق ہو گئے۔ فروری ۱۷۵۷ء میں قباب شجاع الدولہ نے جہول بارگر کو اطلاع دی تھی کہ مرہٹے، روہیلے اور افغان ایک محاذ پر مل کر واپس آئے ہیں۔ گمان غالب یہ ہے کہ جب ہندوستان کے لوگوں نے غیر ملکی اقتدار کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے اختلاف کو دور کر کے اس پر آمادہ ہو گئے کہ سب متحد ہو کر انگریزوں کا مقابلہ کریں۔ حدیث ہے کہ مولانا سید احمد شہیدؒ جن کی تحریک عموماً لیکن غلط طور پر صرف سکھوں کی مخالفت کے پس منظر میں دیکھی جاتی ہے، غیر ملکی اقتدار ختم کرنے کے لئے ہندوؤں سے تعاون اور اشتراک عمل کے کوشاں ہوئے۔ راجہ ہندو رائے کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

برائے عالی روشن و میر ہست
 بناب کو خوب معلوم ہے کہ پرہی سمندر
 کہ بجا بنگال بعبدا الوطن ملوک
 پار کے رہنے والے دنیا جہاں کے تاجدار

Calendar of Persian Correspondence, Vol. III
 155-156; No. 581

مولانا غلام رسول تہرنے اپنی جہم باطن تصنیف "سید احمد شہید" میں تاریخی شواہد سے ثابت کیا ہے کہ ان کی تحریک حقیقت میں انگریزوں کے خلاف تھی۔

لوگوں کو ملیں گے جن کو ان کی طلب ہوگی۔

انگریزوں نے اپنی شاطران چالوں سے ہندوستان کی ہر ایسی تحریک کا جو ان کے مفاد کے خلاف کام کر سکتی تھی، رُخ بدل دیا۔ ۱۸۵۷ء میں پھر ایک بار غیر ملکی حکومت کو ختم کرنے کے لئے ہندو اور مسلمان دونوں نے مل کر کوشش کی، لیکن تنظیم کی کمی، غداروں کی کثرت اور نقصان مشکلات کے باعث وہ تحریک بھی ناکام رہی۔

اس سیاسی ماحول میں مسلمانوں کی حالت اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے ہندوستان کی تاریخ مسلمانوں کے

درد و الم کی ایک طویل داستان ہے۔ ۱۸۵۷ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا، اور مسلمانوں کی پریشانیوں کا ایک ایسا باب کھل گیا جو ۱۸۵۷ء کے بعد تک جاری رہا۔ ہر صبح ان کے لئے ایک نئے غم کا پیغام لاتی تھی اور ہر رات کی خاموشی میں انھیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ

کان نجو ما ادمضت فی الغیاب

عیون الافاعی اوسرڈس العقارب

”تاریکیوں میں جو ستارے چمک رہے ہیں، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ناگوں کی آنکھیں ہیں یا بچھوڑوں کے سر ہیں“

ان حالات میں صبر و استقلال کا قائم رکھنا آسان کام نہ تھا، جب نادر شاہ نے آگ اور خون کا ہنگامہ برپا کیا تو دہلی کے وہ باشندے جنہوں نے شاہ جہاں اور رنگت کے نہیں من اور چین کے ساتھ زندگی بسر کی تھی، بے جا اس ہو گئے۔ مایوسی، وحشت، کم ہمتی اور

۱۔ ”اما اختلال حال شہر کہ ہر روز فتنہ تازہ گل می کند“

شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات۔ ص ۳۰۔

”ارتشونات ہر روزہ دہلی تنگ آمد“

جان جاناں رح۔ مکتوبات۔ ص ۶۶۔

زمین و زمین گرد دیدہ و ناجسبان
متاع فروش بپایہ سلطنت رسیدہ
امرائے کبار و ریاست رومائے
عالی مقدار برباد نمودہ اندوخت
اعتبار ایشاں بالکل ربودہ چوں
اہل ریاست و سیاست در زاویہ
خول نشستہ اند تا چار چندے از
اہل فقر و مسکنت کمر بستہ این
جماعت ضعیفہ محض بر بنا خدمت
دین رب العالمین برجستہ ہرگز
ہرگز از دنیا داران جاہ نیستند
محض بنا بر خدمت دین رب
ذوالجلال برخاستہ اند نہ بنا بر
طمع مال و منال رفتے کہ میدان
ہندوستان از بیگانگان دشمنان
خالی گردیدہ و نیز سعی ایشاں بر
ہدف مراد رسیدہ آئندہ مناصب
ریاست و سیاست بطالبین آن
مسلم باد“ ۱۔

اور یہ سودا بچے داے سلطنت کے
مالک بن گئے ہیں۔ بڑے بڑے
امیروں کی امارت اور بڑے بڑے
اہل حکومت کی حکومت اور ان
کی عزت و حرمت کو انھوں نے خاک
میں ملا دیا ہے، جو حکومت ریاست
کے مرد میدان تھے وہ ہاتھ پر ہاتھ
دھرے بیٹھے ہیں، اس لئے مجبوراً
چند غریب و بے سرو سامان کمر
ہمت باندھ کر کھڑے ہو گئے اور
محض اللہ کے دین کی خدمت کے
لئے اپنے گھروں سے نکل آئے یہ
اللہ کے بندے ہرگز دنیا دار اور جاہ
طلب نہیں ہیں محض اللہ کے دین
کی خدمت کے لئے اُٹھے ہیں مال و
دولت کی ذرہ برابر ان کو طمع نہیں
جس وقت ہندوستان ان غریب
ملکیوں سے خالی ہو جائے گا اور
ہماری کوششیں بار آور ہوں گی
حکومت کے عہدے اور منصب ان

۱۔ ملاحظہ ہو ”مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا“ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

ص ۲۴۳ - ۲۴۴

ان حالات میں شاہ جہاں آباد ایسا اُجڑا کہ دُور دُور خاک اُڑنے لگی۔ گھر کے گھر بے نور و بے چراغ ہو گئے۔ میر تقی میر نے اسی زمانے میں لکھا تھا ۷

جس جاکہ خس و خوار کے اب ڈھیر لگے ہیں
واں ہم نے ان ہی آنکھوں سے دیکھی ہیں بہاریں
یا قافلہ در قافلہ ان رستوں میں تھے لوگ
یا ایسے گئے یاں سے کہ پھر کھوج نہ پایا

سر سری تم جہاں سے گزے ورنہ ہر جا جہاں دیگر تھا
اب خرابہ ہوا جہاں آباد ورنہ ہر اک قدم پیمیاں گھر تھا
بے زری کا نہ کر گلہ غافل رہ تلی کر یوں مقدر تھا

سکھوں، مرہٹوں اور جاٹوں کے حملوں سے جب نجات ملی تو غیر ملکی حکومت کا تسلط سر پر پایا۔ مسلمان پانچ سو سال سے زیادہ تک حکمرانی کر چکے تھے اور ان ہی سے سیاسی اقتدار چھینا بھی گیا تھا۔ اس بنا پر انگریزی حکومت نے ان پر سختی کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ شہر کے ہنگامہ میں مسلمانوں کی جان، مال اور آبرو سب پر مصیبت آئی اور پوری قوم پر نکتہ اور اندر دنگ کا عالم طاری ہو گیا۔

خود فراموشی نے اُن کے قوائے عمل کو ایسا شل کر دیا کہ خود کشی کے علاوہ انھیں کوئی راہ ہی نظر نہ آئی، اور انھوں نے آگ میں جلی مرنے کا فیصلہ کیا۔ شاہ ولی اللہ نے جب قوم کی پستی کا یہ عالم دیکھا تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اور مصائب کے واقعات بیان کر کے اُن کی ڈھارس بندھائی اور ان کی فتوہیت کو دور کیا۔ لیکن نادر شاہ کا قتل عام مسلمانوں کے مصائب کی انتہا نہ تھی، ابتدا تھی۔ ابھی موج خون سر سے نہ گزری تھی۔ نادر شاہ کے ملے کے بعد تو ملک میں وہ ابتری اور انتشار پیدا ہو گیا کہ بقول ہرچن داس لوگوں پر دیوانگی کی کیفیت طاری ہو گئی۔

مرہٹے، جاٹ، سکھ — تینوں کی ہنگامہ آرائی نے زندگی کو ایک مصیبت بنا دیا۔ پھر خانوں کے حملوں نے تو جان ہی نکال لی۔ شاہ ولی اللہ نے کرب و بے چینی کے عالم میں نجیب الدولہ کو خط لکھا:

مقدمہ ہم تر آں است کہ مسلمانان
ہندوستان پر دہلی و چہ غیر ان میں
صدمات دیدہ اند و چند بار نجیب
وغارت آزمودہ، کار بد استخوان
رسیدہ است، جائے تر ہم است
برائے خدا و برائے، رسول خدا کا یہ
بلغ باید کرد کہ متعرض مال مسلمانی
نشود ۸

ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلمانانِ چاندنی
نے خواہ وہ دہلی کے ہوں خواہ اس کے
علاوہ کسی اور جگہ کے بہت سے صدمات
دیکھے ہیں اور چند بار لوٹ مار کا شکار
ہوئے ہیں۔ چاقو ہڈی نکت پہنچ گیا
ہے۔ رحم کا مقام ہے، خدا کا اور اس
کے رسول کا واسطہ ہے کہ تکیا کیجئے کہ کسی
مسلمان کے مال کے درپے نہ ہوں۔

۱۷ ملفوظات شاہ عبدالعزیز (مطبوعہ مدینہ)

۱۸ شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات، ص ۲۳

ایک اور خط میں (ص ۲۱) شاہ صاحب مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کے مال و ناموس کی حفاظت کی تاکید کرتے ہیں ”قد غن بلغ بایں ہندو کہ سے با مسلمانان و میان دہلی کار نداشت باشند“۔

تھیں۔ اُن میں اس کثرت سے چراغاں کیا جاتا تھا کہ دہلی میں تیل کی قلت ہو گئی تھی اور تیل کا نرخ بڑھ گیا تھا۔ گہیوں سات سیر فی روپیہ بکے لگا تھا۔ فرخ سیر سخت پر ہٹا تھا اور خراب ہو گئے۔ اس کو گھوڑوں کا شوق تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں گھوڑے اس کے اہمیل میں بے کار بندھے رہتے تھے، اور ہزاروں روپیہ روزانہ اُن پر خرچ ہوتا تھا۔^۱ اس گرتے ہوئے مالی نظام پر نادر شاہ کے حملے نے ضرب آخر کا کام کیا۔ وہ سرکڑ سے زیادہ روپیہ ہندوستان سے باہر لے گیا۔ اس کے بعد شاہی خزانے اور امرار کے محلات بالکل خالی نظر آنے لگے۔^۲

احمد شاہ کے زمانے میں شاہی خزانے کی یہ حالت تھی کہ دو دو ڈھائی ڈھائی سال تک محلات کے ملازمین کو تنخواہیں نہیں ملتی تھیں۔ بادشاہ کی ساکھ اس قدر گر گئی تھی کہ ہاجن اور ساہوکار بھی قرض دینے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے۔ اس زمانے میں شہزادیوں کو تین تین دن کے فائے کرنے پڑے ہیں۔^۳ سر سید احمد خاں لکھتے ہیں:

اکبر شاہ اگر چہ تخت نشین ہوئے، مگر اخراجات کی تنگی کا وہی عالم تھا جو شاہ عالم کے وقت میں تھا، شاہ عالم کے وقت میں اخراجات کی نہایت تنگی تھی۔ تمام کارخانے اتر ہو گئے تھے۔ شاہزادوں کو جو قلعے کے نوحے میں رہتے تھے — ماہواری روپیہ نہیں ملتا تھا اور بھتوں پر چڑھ کر چلاتے تھے کہ بھوکے مرتے ہیں۔^۴

پروفیسر اسپیر (P. SPEAR) نے TWILIGHT OF THE MUGHALS میں

^۱ Later Mughals, Vol. I pp. 194; 397.

^۲ Later Mughals, Vol. II pp. 370-71.

^۳ تاریخ عالمگیری (دہلی) ص ۱۹۰ نیز

Fall of the Mughal Empire, Vol. II pp. 36-37.

^۴ سیرت فریدیہ ص ۲۳-۲۳

اقتصادی حالات

اورنگ زیب نے تقریباً ۳۴ سال تک اپنی سلطنت کے سب ذرائع کا رخ دکن کی جانب کر دیا تھا۔ ان لڑائیوں میں کروڑوں روپیہ صرف ہوا تھا، لیکن عالمگیر کے تدبیر و تدبیر و انتظامی قابلیت اور سیاسی بصیرت نے ملک کی اقتصادی حالت کو بچانے سے بچا لیا تھا۔ اس نے ان تمام اخراجات کے باوجود چوبیس کروڑ روپیہ آگرہ کے قلعہ میں چھوڑا تھا۔ اس کے نااہل جانشینوں نے یہ روپیہ آنکھ بند کر کے لٹایا۔ ادھر ملک کے ذرائع محروم ہوتے چلے گئے، اور رفتہ رفتہ سارا اقتصادی نظام متزلزل ہو گیا۔ اور یہ سیاسی اور سماجی زندگی کے گرجانے کا پیش خیر تھا۔

اورنگ زیب کا جانشین بہادر شاہ حد سے زیادہ فیاض تھا۔ اس کی فیاضی سلطنت کی مالی حالت کو تباہ کر دیا۔ پھر جہاں دارشاہ نے اپنی عیاشی میں بے دریغ دولت کو لٹایا، اس کی محبوبہ لعل کنور پردہ کو روڑ روپیہ سالانہ خرچ ہوتا تھا۔ دربار میں عیش و طرب کی بگھیلیں سمیٹی

^۱ Irvine, Later Mughals, Vol. I p. 21.

^۲ Later Mughals, Vol. I p. 139.

^۳ Later Mughals, Vol. I p. 194.

مغل شہزادوں کے دردناک مصائب کا نقشہ کھینچا ہے اور بتایا ہے کہ ان شہزادوں کو بھوک سے مرے دیا جاتا تھا، لیکن کوئی مزدوری یا ملازمت کرنے کی اجازت محض اس وجہ سے نہ دی جاتی تھی کہ یہ ان کے دون مرتبت تھا۔ اُن کی حالت جانوروں سے بڑھتی۔

فضول خرچی کے مرض میں امرا بھی مبتلا تھے۔ راجہ جگن کشور کا واقعہ اس سلسلہ میں بڑا عبرت آموز ہے۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے کنورا نند کشور کی شادی دہلی میں اس طرح کی کہ سارے شہر کو کھانے پر بلایا۔ جس کے متعلق یہ خیال ہوا کہ شاید ”صلائے عام“ کو اپنے لئے باعث ننگ سمجھ کر نہ آئے گا، اس کے گھر پر خود گیا اور ان الفاظ میں مدعو کیا۔ ”آپ کے بھتیجے کی شادی ہے، اگر آپ شریک نہ ہوئے تو محفل بے رونق رہے گی!“ اُسے کچھ ہی عرصہ بعد کا ذکر ہے کہ میر تقی میر اپنی عشرت اور پریشان حالی سے مجبور ہو کر اس کے پاس گئے اور اظہارِ مدعا کیا تو اس نے نہایت عجز اور شرمساری کے ساتھ جواب دیا: ”میرے پاس ایک پرانی شال ہے، کچھ اور قدرت ہوتی تو اس سے دریغ نہ کرتا“۔ اسے یہ حال صرف جگن کشور ہی کا نہ تھا۔ ملک کے اکثر و بیشتر امرا اپنی فضول خرچیوں کی وجہ سے غمگین اور تنگدستی کا شکار ہو گئے تھے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے اسباب میں اقتصادی تباہی کو سب سے اہم قرار دیا تھا۔ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:-

”اس زمانے میں ملک کی تباہی اور ویرانی کے زیادہ تر دو سبب ہیں۔ ایک بیت المال یعنی ملک کے خزانے پر تنگی۔ وہ اس طرح کہ لوگوں کو یہ عداوت پڑ گئی ہے کہ کسی محنت کے بغیر خزانے سے روپیہ اس دعوے سے حاصل کریں کہ وہ سپاہی ہیں یا عالم ہیں جن کا حق اس خزانے کی آمدنی میں ہے، یا ان لوگوں میں سے ہیں جن کو بادشاہ خود انعام و اکرام دیا کرتے ہیں جیسے زہد پیشہ صوفی

اور شاعر اور دوسرے گروہوں میں سے جو ملک و سلطنت کے کسی کام کے بغیر کسی نہ کسی ایسے طریقہ سے روزی حاصل کرتے ہیں جو محنت کے بغیر ان کو ملتی ہے۔ یہ لوگ اُن کے اور دوسروں کے ذرائع آمدنی کو کم کر دیتے ہیں، اور ملک پر بوجھ ہیں۔

دوسرا سبب کاشتکاروں، بیوپاریوں اور پیشہ وروں پر بھاری محصول لگانا اور ان پر اس بارے میں سختی کرنا ہے۔ یہاں تک کہ جو بے چلے حکومت کے مطیع اور اس کا حکم مانتے ہیں وہ تباہ ہو رہے ہیں اور جو سرکش اور نادمند ہیں وہ اور سرکش ہو رہے ہیں اور حکومت کے محصول ادا نہیں کر سکتے حالانکہ ملک اور سلطنت کی آبادی سستے محصول اور فوج اور عہدہ داروں کے بقدر ضرورت تقرر پر ہے۔ چاہیے کہ اس زمانے کے لوگ ہوشیار ہو کر سیاست کے اس راز کو سمجھیں“۔

شاہ صاحب نے اپنے مکتوبات میں معاشی زندگی کے اور گوشوں پر بھی بحث کی ہے۔ ان کی نظر میں جاگیر داری اور اجارہ داری کی زمینیں ہی سب معاشی مصائب کا بنیادی سبب تھیں ان کی وجہ سے معاشی زندگی کا توازن بگڑ گیا تھا۔ مغل شہنشاہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:-

”موجب ضعف امور سلطنت کی خالصہ و قلیت خزانہ است۔“ لے
سوداگروں اور صنعت پیشہ لوگوں کی حالت سب سے زیادہ تباہ تھی۔ شاہ ولی اللہ اہل حرفت کو ملک کی اقتصادیات کا مرکزی نقطہ سمجھتے تھے، اور ان کی تباہ حالی پر سخت پریشان تھے۔
جب انگریزوں کا تسلط قائم ہو گیا تو ہندوستان کے معاشی حالات بدستور ہو گئے

اب تک ہندوستان کی دولت بجا یا بے جا طور پر ہندوستان ہی میں صرف ہوتی رہی تھی۔
انگریزوں کے تسلط کے بعد اس کا رخ انگلستان کی طرف ہو گیا۔ علاوہ ازیں انگریزوں
نے عمداً ہندوستان کی دیسی صنعتوں کو ختم کیا۔ تاکہ انگلستان کے مال کی کھپت ہندوستان
میں ہو سکے۔

(۳۱)

معاشرہ اور تمدن

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہندوستان کے معاشرہ اور تمدن کی خصوصیات
کا جائزہ لینے کے لئے دہلی کی تہذیبی حالات پر ایک نظر ڈال لینا کافی ہوگی۔
دہلی، اسلامی ہند کی ابتداء سے تہذیب و تمدن کا ایک بڑا مرکز رہی ہے۔ دجلہ
و فرات سے علم و عرفان کی جو موجیں اٹھتی ہیں وہ جتنا ہی کے کناروں سے آکر ٹکراتی ہیں،
بغداد و بخارا سے جو علمی و روحانی قافلے چلے ہیں وہ یہیں آکر ٹھہرے ہیں۔ کبھی اس کی فنی
کایہ عالم تھا کہ چپے چپے پر خانقاہیں تھیں، قدم قدم پر مدرسے تھے۔ کوچہ کوچہ میں مسجدیں
تھیں۔ تشنگان معرفت اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت
کرتے تھے اور یہاں پہنچتے تھے۔ ہندوستان کا یہ دارالسلطنت ”رشک بغداد و غیرت مصر“
بنا ہوا تھا۔

اٹھارویں صدی میں جب سلطنت مغلیہ پر نزع کا عالم طاری ہوا تو یہ شہر ”بمزلہ
لعب میان“ ہو گیا۔ دکن سے جو طوفان اٹھتا وہ لال تلخ سے آکر ٹکراتا، پنجاب سے جو

۱۔ ملاحظہ ہو مسالک الابصار (انگریزی ترجمہ) ص ۲۹۔

۲۔ تاریخ فیروز شاہی۔ برقی۔ ص ۲۳۱۔

آندھی اٹھتی، اس کے زلزلے دہلی میں محسوس ہوتے، جاٹوں کا جو ہنگامہ برپا ہوتا اس کی جولانگاہ یہی بدبخت شہر بنتا۔ لیکن ان تمام مصیبتوں کے باوجود بھی دہلی انتہائی بارونقی تھی، ابھی کچھ نقوش باقی تھے جن سے ”کاروان رفتہ“ کی عظمت و شوکت کا اندازہ ہوتا تھا۔ اس زمانے بھی اگر کسی نے یہاں کے علماء سے دہلی کی حالت کے متعلق سوال کر لیا تو بے اختیار کہہ اٹھے۔

ان البلاء اماء دھمی سستہ
وانھا درۃ وانکل کالصدقہ

(دوسرے شہر لونڈیاں ہیں اور دہلی ملکہ، یہ موقی ہے اور باقی سب پسپاں)

اور اس میں واقعی کوئی مبالغہ بھی نہ تھا۔ یہاں اب بھی علم و عرفان کے ایسے جسے اہل رہے تھے جن سے ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرون ہند بھی مستفیض ہو رہا تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ اسلامی ہند نے اپنے زوال اور انحطاط کے زمانے میں دنیا کے مسلمانوں کو شعل راہ دکھائی۔ ایک ایسے نازک دور میں جب کہ دنیا کے اسلام حدیث و سنت کو بھول چکی تھی، دہلی ہی نے اس کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا، جس کا اعتراف مصر کے مشہور فاضل علامہ رشید رضا نے اس طرح کیا تھا:-

ولو کانایت اخوانا علماء الهند
بعلم الحدیث فی ہذا الغص
لقضی علیہا بالزوال من امصار
الشرق فقد ضعف فی مصر
والشام والعلق والحبانہ من
القرن العاشر للہجرت حق
بلغت منتہی الضعف فی اوائل
ہمارے ہندوستانی بھائیوں میں جو
علماء ہیں اگر حدیث کے علوم کی طرف
اُن کی توجہ نہ ہوتی تو مشرقی ممالک
سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا، کیونکہ مصر
شام، عراق، حجاز میں دسویں ہجری
سے یہ علم ضعف کا شکار ہو چکا تھا
اور چودھویں صدی کے اوائل تک

۱۰ شاہ عبدالعزیز صاحب کا یہ شعر سرسید نے آثار الصنادید (ص ۳۷) میں نقل کیا ہے۔

ہذا القن الرابع عشر... ”ضعف کے آخری منزل تک پہنچ گیا تھا

چند نفوس قدسیہ کی موجودگی نے تو دہلی کو تمام ممالک اسلامیہ کی توجہ کا مرکز بنادیا تھا۔ شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ میں شام، مصر، چین اور حبش کے لوگوں کے چھگنے لگے رہتے تھے تو دوسری طرف شاہ عبدالعزیز صاحب کے خرمین کمال کے خوشہ چین ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے تھے اور علوم دینی کا چرچا کر رہے تھے۔ سلطنت دم توڑ رہی تھی۔ سیاسی ال وپتی کی آخری منزلیں طے ہو رہی تھیں، لیکن ذہنی شعور ابھی مردہ نہ ہوا تھا۔ کچھ بیدار مغز انسان تجدید و احیاء کے نئے راستے تلاش کر رہے تھے، وہ اس سیاسی زوال کو مذہبی اور ذہنی زوال کا پیش خیمہ بنانا نہیں چاہتے تھے۔ ان تمام کوششوں کے باوجود دہلی دھوپ اور چھاؤں کا شہر تھی۔ یہاں خانقاہیں بھی تھیں، شراب خانے بھی۔ مدرسے بھی تھے اور قاریاں کی اڈے بھی۔ دہلی کی یہ تضاد خصوصیات اس زمانے کے بہت سے لوگوں کی زندگی میں بھی پائی جاتی تھیں۔ لوگ بڑی عقیدت اور ارادت کے ساتھ خانقاہوں اور مزارات پر حاضر ہوتے تھے، پھر اسی جوش اور ولولہ کے ساتھ طوائفوں کی محفلوں میں شرکت کرتے تھے۔ ان کی زندگی اور مذہبیت ساتھ ساتھ چلتی تھی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے احمد شاہ ابدالی کو لکھا تھا اگر حالات نہ بدلے تو مسلمان

”ان کے ازمناں گجند کہ توے شونہ کہ اسلام را دانند نہ کفر را“

اس زمانے کے لوگوں کا یہ حال تھا کہ نہ زندگی سے واقف تھے، نہ مذہبیت سے۔ وہ تضاد چیزوں کو ایک ساتھ لے کر چلتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ نہ زندگی ہاتھ سے جائے نہ مذہبیت کا دامن چھوٹے۔ لیکن یہ ایک خود فریبی تھی۔

۱۰ آثار الصنادید۔ ص ۱۸ (باب چہارم)

۱۰ ”شاگردان وے دراکیم دور و دراز سیدہ باب علوم دینی بروئے خلق کشادند“

خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۳۸۸

۱۰ سیاسی مکتوبات۔ ص ۱۲

کوڑھ بخش گذار نیاید چاندی نیست چرشد کہ زر فقرہ خالص است“ لے

بازار:

تیرنے لکھا تھا کہ

دلی کے نہ تھے کوپے اور اقی مصور تھے

جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

لیکن دو بازار تھے، چوک سعد اللہ خاں اور چاندنی چوک جو سارے شہر کی جان تھے۔ چوک سعد اللہ خاں کی روٹی کا یہ عالم تھا کہ اس کو دیکھ کر

”نظر ازل ملاحظہ محسوسات رنگارنگ دست و پاگم ہی کند“ لے

کسی طرف ہر قسم امدادہ خوش روقامت آباد تھا تو دوسری طرف ”دکری ہائے چوبیس از قبیل منابر“ یہ نصب تھیں تاکہ نماز اور روزہ کی تلقین کی جائے۔ کسی گوشہ میں اہل تخیم و رمال نظر آتے تھے، تو کسی طرف آتشک و سوزاک کی دوایہ بچنے والے۔ ایک جانب ”اسلمہ فروش“ تھے، دوسری طرف ”میوہ فروش“ لے

چاندنی چوک سب جگہوں سے زیادہ دلفریب تھا۔ کپڑا، جواہرات، عطریات و غیرہ کی وہاں دوکانیں تھیں۔ ہر وقت رؤسار کے جھگڑے رہتے تھے۔ ایک یتیم رئیس زادہ چاندنی چوک کی سیر کرنا چاہتا ہے۔ بیوہ ماں تھی دستی کا عذر کرنے کے بعد اس کو ایک لاکھ روپیہ دیتی ہے اور کہتی ہے کہ چوک کے نوادر اور نفائس اس قلیل رقم سے نہیں خریدے جاسکتے ہیں، مگر اس قلیل رقم کو اپنے ضروری مصارف کے لئے لے جاؤ لے

مدرسے: مدرسہ رحیمیہ، بازار خانم کامدرسہ اور اجیری دروازہ کامدرسہ۔ اورنگ زیب کی وفات سے لے کر غدر ۱۸۵۷ء تک ان مدرسوں سے علم و عرفان کے چشے

لے مرقع دہلی۔ از نواب سالار جنگ مرتبہ حکیم سید مظفر حسین ص ۲۸-۲۹

لے تاشہ مرقع دہلی۔ ص ۱۳-۱۵

لے مرقع دہلی۔ مقدمہ۔ ص ۲۶

نیک و بد در آدمی پہاں نمی ماند چنانکہ

نافر و رجب ملوک و بادہ در جام بلور (خسرو)

یہ مذہبیت جو رندی کے پہلو بہ پہلو چلتی تھی اسق و خور سے زیادہ متعفن تھی۔ یہ خیمہ کی آواز کو کچلنے کا ایک ظالمانہ انداز تھا!

آئیے دلی کے محلات، مدرسوں، خانقاہوں، بازاروں اور ادبی محفلوں پر ایک نظر ڈال لیں تاکہ حالات کا صحیح اندازہ ہو جائے۔

محلات شاہی: ”بزم آخر“ میں منشی فیاض الدین نے دلی کے آخری دو بادشاہوں، اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ کے طریق معاشرت کی تصویر پیش کی ہے۔ اس پوری تصویر میں صرف آسائش اور عیش کا رنگ بھرا ہوا ہے۔ رات اور دن جشن میں گزرتے تھے۔ کبھی تورے بندی ہے، کبھی رجبہ، کبھی نوروز، کبھی آخری چہار شنبہ، کبھی خواہر صاحب کی چھڑیاں، کبھی سلوٹو، کبھی پھول والوں کی سیر۔ غرض بزم ہی بزم ہے، رزم کا کہیں نام نہیں۔ قلعہ معلے کے باہر جو طوفان برپا ہے اس سے بے خبر، فکر و فدا سے بے نیاز۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ”رقص پری پیکراں“ اور ”غوغائے رامشگراں“ میں دنیا سمٹ کر آگئی ہے۔

امرا کی مجالسیں: مرزا منو محمد شاہ کے زمانے میں دلی کے ایک امیر زاد ہیں۔ ان کا حال یہ ہے:-

”خانہ اش بہشت شداد است، و کاشانہ اش آشیانہ مجمع پرزاد، ہر نقطہ رنگیں کہ بایں محفل ربط ندارد و فرج باطل است، و ہر ملیحہ کہ بایں مجمع مربوط نیست در حلیہ اعتبار عاقل، مجلس دارالعیار شاہداں است و ہنریش محک امتحان فکر خاں۔ نقد قراۃ من تاہدا را ضرب برمش رجوع نکند، کامل عیار نیست چرشد شل طلای دست افشار است و سیم جال تاد

لے مطبوعہ رحمانی پریس، دہلی ۱۹۲۷ء

جہاں تزکیہ باطن اور تہذیب نفس کے درس دیئے جاتے تھے اور باطنی زندگی کو سنوارنے کے لئے رات دن کوشش کی جاتی تھی۔

میلے: دہلی کے میلے کیا تھے، عیش و نشاط کے ہنگامے تھے جہاں اوباش اور شہوت پرستوں کی محفلیں ہوتی تھیں اور کوئی اخلاقی جرم ایسا نہ تھا جو وہاں نہ ہوتا ہو۔ ہر مہینے کی ۲ کو ایک ناگل کا میلہ ہوتا تھا۔ جہاں شوقین مزاج، تماشہ میں عورتیں بن سنور کر پہنچتی تھیں اور ہر طرح کی عیاشی میں حصہ لیتی تھیں۔

ایک محمد شاہی امیر کسل سنگھ نے ایک محلہ کسل پوری آباد کیا تھا۔ جہاں فواحشاں روزگار، اور زہناے بازاری کو بلایا تھا۔ محاسب کی مجال نہ تھی کہ وہاں قدم رکھ سکے۔ ہر وقت وہاں جنگ و رہ باب کی آواز سنائی دیتی تھی۔

مشاعرے: مشاعرے غدر سے پہلے کی دہلی کی ادبی محفلوں کی جان تھے۔ قلمی معامے میں اکثر مشاعروں کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں، امراء و رؤسا کو بھی اس سے دل چسپی تھی۔ شہر کی آپس کی صحبتیں ٹہری دلچسپ اور رنگین ہوتی تھیں، مومن و غالب کی علمی مجلسیں اور مشاعرے اپنی نظیر آپ تھے۔

غدر کے اثرات دہلی پر: ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ نے یک دم دہلی کی بساط الٹ دی۔ پرانی مجلسیں درہم برہم ہو گئیں۔ علمی و مذہبی محفلیں سرد پڑ گئیں۔ گھر کے گھر بے نور و بے چراغ ہو گئے۔

یاشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط
دامان باغبان و کف گل فروش ہے
یا صبح دم جو دیکھے آکر تو بزم میں
نے وہ سرور و شور، نہ جوش و خروش ہے

۱۔ مرثعہ دہلی مقدمہ ص ۳۲

۲۔ مرثعہ دہلی مقدمہ ص ۳۲ - ۳۳

اُبلے تھے۔ یوں تو دہلی میں سینکڑوں درس گاہیں تھیں۔ لیکن ان تینوں مدرسوں کی امتیاز شان تھی۔ مدرسہ رحیمیہ میں شاہ ولی اللہ مسند درس پر متمکن نظر آتے تھے تو بازار خاتم کے مدرسے میں شاہ کلیم اللہ کے جانشین۔ اجیری دروازہ کے مدرسہ میں شاہ فخر الدین کا چشمہ فیض جاری رہتا تھا۔ مدرسہ رحیمیہ سے علوم اسلامی کو زندہ کرنے کی عظیم الشان تحریک اُٹھی۔ آج ہندوستان میں علوم دینی کی جتنی درس گاہیں ہیں وہ سب مدرسہ رحیمیہ کے چشمہ فیض کا نتیجہ ہیں۔ جب مسلمانوں کی دینی زندگی بے روح ہو رہی تھی تو اسی مدرسہ کے معتمدوں نے ان کے دینی احساس کو بیدار کرنے کی سعی کی۔ شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ محمد احمیلؒ کے وعظ اور درس اسی مدرسے میں ہوتے تھے۔

خانقاہیں: اس زمانے میں دہلی میں بہت سے سلسلوں کے عظیم المرتبت مشائخ موجود تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کا بیان ہے:

محمد شاہ بادشاہ بست و دوبرگ محمد شاہ کے زمانے میں بامیں بزرگ
صاحب ارشاد ہر خانوادہ در صاحب ارشاد ہر سلسلہ اور ہر طریقہ کے
دہلی بود ندایں چہیں اتفاق کم ثیو دہلی میں تھے۔ ایسا اتفاق کم ہوتا ہے

شاہ فخر الدین صاحب، مرزا مظہر جان جاناںؒ اور دیگر مشائخ کی خانقاہیں رشد و ہدایت کا منبع تھیں۔ غدر سے کچھ پہلے تک خانقاہوں کی یہ رونق باقی رہی۔ شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ دین دار لوگوں کا ملجی و ماویٰ تھی۔ "ان کی صحبت کا اثر یہ ہوتا تھا کہ بقول خالد کردی"۔

دہر سنگ سید خاصیت لعل بخشنا
پھر شاہ ابوسعیدؒ، شاہ عبدالغنیؒ، شاہ محمد آفاقؒ، خواجہ نصیرؒ وغیرہم کی خانقاہیں تھیں

۱۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلی ص ۱۰۶

۲۔ حیات جاوید۔ حالی (ردادشیں ۱۹۹۷ء) جلد دوم صفحہ ۹

۳۔ ان بزرگوں کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "مشاعرے سے پہلے کی دہلی" (علماء و مشائخ کا اجتماع) مطبوعہ رسالہ "برہان" جون ۱۹۹۷ء

مسجدیں مکار ہو گئیں، خانقاہیں تباہ و برباد ہو گئیں۔ مدرسوں میں کھیتی ہونے لگی۔ مسجد اکبر آبادی جس کی رفعت و شان کے آگے گنبد خضر پست معلوم ہوتا تھا ایسی تباہ و برباد ہوئی کہ نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ مدرسہ رحیمہ جہاں سے ولی الہی حکمت کا چشمہ اُبلتا تھا اور جہاں شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ محمد اسحاقؒ نے قرآن و حدیث کے درس دیئے تھے، وہاں مدرسہ رائے بہادر لال رام کشن داس کا تختہ لگ گیا۔ میاں کالے صاحب مغفور کا گھر اس طرح تباہ ہوا جیسے جھاڑو دیدی۔

اچھے اچھے گھرانے تباہ و برباد ہو گئے۔ عزت و ناموس کا بچانا محال نظر آنے لگا۔ جب مصائب ناقابل برداشت ہو گئے تو بڑے بڑے بزرگ اور عالم دینی چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ میاں کالے صاحب کے بیٹے میاں نظام الدین نے حیدر آباد کا رخ کیا اور شاہ غلام علیؒ کی خانقاہ سوئی پڑ گئی۔ شاہ احمد سعیدؒ نے حرمین شریفین کی راہ لی۔ اور شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ کا چراغ گل ہو گیا۔ ہر طرف حسرت اور مایوسی چھا گئی جو اس ہنگامہ دار و گیر سے بچاؤ کا فور و کفن کی تمنا کرنے لگا۔ زندگی و بال معلوم ہونے لگی۔ آرزوئے ناسی زمے میں ایک مرثیہ لکھا تھا۔

روز و حشت مجھے صحرایہ کی طرف لاتی ہے
سر پہ اور جو شرب جنوں سنگ اور چھاتی ہے

مکڑے ہو تار ہے جگر جان پہ بن آتی ہے
مصطفیٰ خاں کی ملاقات جو یاد آتی ہے

۱۔ آثار الصنادید۔ ص ۲۴۔

۲۔ واقعات دار الحکومت دہلی، مولوی بشیر الدین ج ۲ ص ۱۶۴۔

۳۔ غالب کا خط سید احمد حسن مودودی کے نام (۱۱ دعوے مطبوعہ آگرہ ۱۹۱۳ء) ص ۱۸۳۔ ۱۸۳۔

۴۔ اردوئے معلّے۔ ص ۲۳۱۔

۵۔ اردوئے معلّے۔ ص ۲۱۳۔

کیوں نہ آرزوئے بکل جائے، نہ سودائی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

ہزاروں علی ذخیرے اسی تباہی کی نذر ہو گئے۔ جہر نے دروہرے انداز میں کہا ہے
اس دور میں ہر اک تیر چرخ کھن لٹا
اوروں کا زر لٹا، ہر نقد سخن لٹا

بلبل کو کیسی کیسی ہوئیں آفتیں نصیب
چلچلیں کے دست ظلم سے کیا کیا چمن لٹا

۶۔ غدر ۱۸۵۷ء کے ساتھ ہماری معاشرت کا ایک دور ختم ہو گیا۔

ہندو مسلم تعلقات | ہندو مسلم تعلقات کی کشیدگی برطانوی عہد سے شروع ہوتی ہے۔ لڑاؤ اور حکومت کرو برطانوی سامراج کا تقاضا تھا اور اس مقصد کے حصول کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں میں مختلف قسم کے نفاق اور اختلافات عمداً پیدا کئے گئے تھے۔ سر ہنری ایلیٹ نے اس زہر کو تاریخ ہند کی رگوں میں پہنچا کر اس طرح تاریخی منظر کو خراب کیا کہ اس کے خلا آج جو بات کہی جاتی ہے وہ شک آمیز تعجب سے شنی جاتی ہے۔

برطانوی عہد سے قبل ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات انتہائی شگفتہ تھے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں خلوص و محبت، اتحاد و یکجہتی کے اثرات کارفرما نظر آتے تھے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) ہندوؤں اور مسلمانوں نے ایک مشترکہ علمی اور ادبی ذوق پیدا کر لیا تھا۔ ہندی اور فارسی کا مطالعہ ہندو اور مسلمان دونوں کرتے تھے اور ان دونوں زبانوں کے امتزاج سے ایک نئی زبان کی تشکیل کا سامان بہم پہنچا رہے تھے۔ غلام علی آزاد بلگرامی، ٹیک چند، آندرام مخلص وغیرہ کے علمی کارناموں کو ہندو اور مسلمان سب ہی نے پسند کیا تھا۔

اردو ہندو اور مسلمان دونوں کی محبوب زبان تھی۔ کاشن بے خار میں شیفہ

نے ۹۱ ہندو شعراؤں کا ذکر کیا ہے۔ ”غفرہ عند لیب“ میں حکیم قطب الدین باطن نے ۸۰ ہندو شعرا اور دو کا تذکرہ لکھا ہے۔ اگر اس دور کے تذکروں سے اردو کے ہندو شعرا کی فہرست تیار کی جائے تو متعدد یقیناً اس سے کہیں زیادہ ہوں گی۔

(۲) مغلیہ دور کا ایک شاعر کہ پھول تھا، جس میں ہندو اور مسلمان دونوں کیساں طور پر رنگے ہوئے تھے۔ کنور پریم کشور فراتی، اپنا ”نچی“ اور ناچہ اس طرح شروع کرتا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا فتاح

”حمد و ثنا پادشاہی راسز کہ سلطنت کو میں بوجہ دوست و شاہان روئے زمین و خداوندان چرونگین را اختیار بفضل او درود و تحیات و سلام زاکیتا بر آن سرور کہ در شان او“ و کائنات ماخلقت اکفلاک“ نازل شدہ، و صلوات بیغایات و نیازی نہایات بر ابن عم و وصی اعظم او کر مظهر العجائب و اسد اللہ الغالب و صاحب ذوالفقار و قسیم الجنۃ و النار است صلوات اللہ علیہا و علی آلم اجمعین“ ۱۷

(۳) مذاہب کے اختلافات کے متعلق درگاداس کی یہ رائے سننے کے قابل آفریدگار جمیع مذاہب و شارب تمام مذاہب اور شارب کا آفریدگار ہاں ذات یہ تھا است کہ آفرینندہ وہی ایک ذات ہے جو عالم کو پیدا کرنے عالم و پروردگار ہر طبقات است والا ہے اور ہر طبقہ کا پروردگار ہے اس میں اس کی حکمت بالغہ و مصلحت و اس ہم حکمت بالغہ و مصلحت کاملہ

۱۷ مطبوعہ نول کشور ۱۸۷۵ء

۱۸ وقائع عالم شاہی، مرتبہ مولانا امتیاز علی عرشی درامپور ۱۹۳۹ء ص ۲

اوست کہ برائے ہر مذہب ہے بر تنگاب حالات او طریقے جدا گانہ فرمودہ برائے ہر یکے ہدایتے خاص نمود۔ و چنانکہ گلشن روزگار را از اشجار نو بنو و گلہائے رنگارنگ برآمد است ہم چنان از مذاہب گوناگون و مشارب بوقلموں ہنگامہ شناسائی خود گرم کردہ شورے و شغفے در دل ہا انداخت، اگر مسجد است بیاد او بانگ می زند، و اگر بت خا است بیاد او جس می جنبانندہ در حیرت کہ دشمنی کفر و وس چرا است از یک چراغ کعبہ و بت خانہ روشن است کہ ذریعے اس نے مختلف اعماز میں دلوں میں اپنی شناسائی کا شور برپا کیا ہے۔ اگر مسجد ہے تو اس کی یاد میں اذان دی جاتی ہے اگر بت خانہ ہے تو اسی کی یاد میں جس بجایا جاتا ہے دھیری کچھ میں نہیں آتا کہ یہ کفر و دین کا جھگڑا کیا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ ایک ہی چراغ سے کعبہ و بت خانہ روشن ہیں اس حالت میں انسان کو لازم ہے کہ اپنے دل کو کدو رنگ کے رنگ سے صاف کرے اور ہر مذہب اور ملت کے لوگوں کے ساتھ بھائیوں کا سہاراؤ کرے مخالفت کے خارزار سے اپنے آپ کو علیحدہ کر کے اتفاق کے بوستانِ حیات نشان میں قیام کرے جیسا کہ کہا گیا ہے

دریں صورت انسان را لازم است کہ آئینہ خاطر خود را از رنگ کدورت مصفا ساختہ با اہل ہر ملت و کشی سلوک برادرانہ نماید و از خارزار مخالفت خود را بر کراں داشتہ در بوستانِ جنت نشان اتفاق قیام فرماید کہ گفتہ اند

کامد ہے کہ اس نے ہر مذہب کے لئے اس کے حالات کی مناسبت کے جدا گانہ طریقہ مقرر فرمایا ہے اور ہر ایک کے لئے خاص طرح کی ہدایت کی ہے جس طرح کہ دنیا کے باغوں میں طرح طرح کے پتروں اور رنگ ب رنگ کے پھولوں سے رونق پے اسی طرح مختلف قسم کے مذاہب اور مشارب کے ذریعے اس نے مختلف اعماز میں دلوں میں اپنی شناسائی کا شور برپا کیا ہے۔ اگر مسجد ہے تو اس کی یاد میں اذان دی جاتی ہے اگر بت خانہ ہے تو اسی کی یاد میں جس بجایا جاتا ہے دھیری کچھ میں نہیں آتا کہ یہ کفر و دین کا جھگڑا کیا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ ایک ہی چراغ سے کعبہ و بت خانہ روشن ہیں اس حالت میں انسان کو لازم ہے کہ اپنے دل کو کدو رنگ کے رنگ سے صاف کرے اور ہر مذہب اور ملت کے لوگوں کے ساتھ بھائیوں کا سہاراؤ کرے مخالفت کے خارزار سے اپنے آپ کو علیحدہ کر کے اتفاق کے بوستانِ حیات نشان میں قیام کرے جیسا کہ کہا گیا ہے

آسانش دو گیتی تفسیر میں دو حرف است
باد و ستان تعلق باد شمتان مدارا
و نیز در معبد گاہ ہر ملت کہ بر سر بخت
او کو شد و پیش بزرگان ہر مذہب
کہ در آید تعظیم و تکریم او مبالغہ
و در معاملات با کسے مباحثہ
نہ سازد و ازین افکار بے کار حشر
یگانگی بجا شاگ بیگانگی نہ آید
لے

دو فوں جہاں کی آسانش کا انحصار ان
دو فوں حرفوں پر ہے۔ دوستوں کے ساتھ
تعلق دشمنوں کے ساتھ مدارا۔
اور جب کسی مذہب کی عبادت گاہ
میں پہنچے تو اس کی عزت و احترام کرے
اور جب کسی مذہب کے بزرگوں
کی خدمت میں جاوے تو ان کی تعظیم
و تکریم میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت
نہ کرے۔ دینی معاملات میں کسی سے
مباحثہ نہ کرے اور ان بے کار حشروں
سے بیگانگی کے تعلقات میں بیگانگی
نہ پیدا کرے۔

(۴) اٹھارہویں صدی کے مسلمانوں کے ہندو مذہب کے متعلق خیالات
معلوم کرنے ہوں تو حضرت مرزا مظہر جان جاناں کا مکتوب چہارم خود
سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ انھوں نے ہندوؤں کو "مشرکان عرب" کے
مثابہ تسلیم کرنے سے نہ صرف انکار کیا ہے بلکہ وید کو الہامی کتاب مانتے
ہوئے، ہندوؤں کو ہل کتاب کا مرتبہ دیا ہے۔

(۵) ہندوؤں کے مسلمان دو فوں ایک دوسرے کے مذہبی تہواروں میں ٹپسی
لیتے تھے۔ مذہبی رواداری کا یہ حال تھا کہ خود شاہانِ غلیہ بولی اور دہرہ
کا تہوار مناتے تھے۔

لے مخزن الاخلاق - ص ۴۰ - ۵۹ -
لے کلمات طیبات ص ۲۰ تا ۳۰ -

(۶) ہندوؤں اور مسلمانوں کے سماجی تعلقات کا یہ عالم تھا کہ ہندو مسلمان
امیروں کے یہاں اور مسلمان، ہندو امیروں کے یہاں ملازمت کرتے
تھے۔ میر تقی میر جب عسرت و تنگی کا شکار تھے تو ہندوؤں ہی نے ان
کی مدد کی۔ خان آرزو، سرور مصحفی، غالب وغیرہ کے محسنوں کی فہرست
میں لکھتے ہی ہندوؤں کے نام ملتے ہیں۔

غلام محمد مشہور بہ میان سبجو کے متعلق مخزن الشعراء میں لکھا ہے :-
"استاذی بزدلش مسلم اگر عہدی وقت گویم سزا است،
و اگر فردوسی عہد خواہم رواست" لے

اس کے محسن کا نام راجہ چند دلال تھا!

مرزا مظہر جان جاناں لالہ برج لال کی پر زور سفارش ایک امیر
سے کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"ذکر کے بایں اہتمام باشا نکرده کسی کا ذکر میں نے اس انداز میں
ایم و عادت بمبالغہ نداریم" لے نہیں کیا میری مبالغہ کی عادت نہیں ہے۔
سر سید احمد خاں کے نانا نواب دیر الدولہ فرید الدین خاں نے اپنے انتقا
سے قبل جو جائداد تقسیم کی تو اپنے ایک قدیم ہندو دیوان لالہ تلوک چند
کو برابر کا حصہ دیا۔ لے

(۷) کچھ ہندو مسلمان کھیلوں میں شریک ہوتے تھے، ساتھ رہتے تھے، اور
ایک دوسرے سے محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ غدر سے پہلے کا ذکر ہے کہ

لے مخزن الشعراء قاضی ذوالدین فائق۔

مرتبہ مولوی عبدالحق (جامع پریس، دہلی ۱۹۳۷ء ص ۴۴)

لے کلمات طیبات ص ۶۵ - ۶۴ -
لے سیرت فریدیہ ص ۳۸ -

دہلی میں تیر اندازی کا ایک کلب تھا جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک ہوتے تھے۔ سرسید نے ایک ذی عزت ہندو کا قصہ لکھا ہے کہ وہ یر لگاتے وقت ”اللہ غنی“ کہتا تھا، اس لئے اس کا نام ”اللہ غنی“ ہی پڑ گیا تھا۔

(۴)

اخلاق اور مذہب

اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں مسلمانان ہند کی مذہبی اور اخلاقی حالت انتہائی زبوں تھی۔ فکرو عمل، اخلاق و عادات، کردار و اطوار سب پر انحطاطی رنگ چھایا ہوا تھا۔ زندگی سنگردوام میں تبدیل ہو رہی تھی اور ہر قوم کو سیاسی زوال سے پہلے اور اس کے بعد جو اخلاقی زوال کی منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں وہ نہایت سرعت کے ساتھ طے کی جا رہی تھیں۔ اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی اور سماجی نظام کا سارا ڈھانچہ بگڑ رہا تھا۔ عالم گیر نے ”قانونی عالم گیر“ کی تدوین کرنا جس گرتے ہوئے اخلاقی اور سماجی نظام کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی وہ اس کے کم زور اور نااہل جانشینوں کے عہد میں منہدم ہو رہا تھا۔ کسی بزرگ نے کہا ہے :-

دھل افسل لدین الزام اللود
دین کو محض بادشاہوں، بُرے علمدار
واجناس سوء و مرہبانہا
اور پیروں نے خراب کیا۔

اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں مسلمانوں کے زوال کا ذمہ دار علامہ اقبال نے ان ہی میں کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہم عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی زندگی کے ساتھ ساتھ خصوصیت

سے بادشاہوں، علماء سورا اور صوفیہ خام کی حالت کا جائزہ لیں گے۔

سلاطین و امراء کی اخلاقی اور مذہبی حالت حضرت مجدد الف ثانی کا قول ہے:-

”سلطان کا روح است و سلطان روح کی مانند ہے اور رعایا سائر انسان کا لجسد۔ اگر روح صالح جسم کی مانند۔ اگر روح صالح ہو تو جسم بھی صالح رہتا ہے۔ اگر روح فاسد است بدن فاسد۔ روح فاسد است بدن فاسد۔ روح فاسد ہو جاتی ہے تو بدن میں بھی فساد پڑ جاتا ہے۔“

اورنگ زیب کے جانشینوں کی اخلاقی حالت اور عوام پر اس کے اثرات دیکھ کر اس کلمہ کی حقیقت پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ مغل بادشاہوں کی ہر بے راہ روی کا اثر عوام کی زندگی پر پڑتا تھا اور عیش و طرب کی جو محفلیں دربار میں سجتی تھیں، اُن کے مہلک جراثیم جھونپڑوں تک اپنا کام کرتے تھے۔

بہادر شاہ، اورنگ زیب کا بیٹا اور جانشین تھا۔ اس کے مذہبی رجحانات کے خلاف ملک میں متعدد بلوے بھی ہوئے۔ گوارادت خاں نے یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ اس کا مذہبی عقیدہ درست تھا، اور جو کچھ اس کی مخالفت ہوئی وہ تعصب لوگوں کی غلط فہمی کا نتیجہ تھی۔ لیکن صحیح صورت یہ ہے کہ شیعہ مذہب کی طرف اس کا رجحان ہو گیا تھا۔ اور اس کی ترویج کی طرف اس کا خاص زور تھا۔ چنانچہ سیر المتاخرین میں لکھا ہے:-

”بہادر شاہ بدستور در ترویج و تقویت مذہب شیعہ ہی کوشید“
بہادر شاہ، بدستور، شیعہ مذہب کو رواج دینے اور تقویت پہنچانے کی کوشش کرتا رہا۔

۱۔ مکتوبات - جلد دوم - مکتوب ۶، ۱۳۵

۲۔ تاریخ ارادت خاں ELLIOT AND DOWSON VOL. VII P. 53/2

۳۔ سیر المتاخرین - ص ۷

اس نے خطبہ میں اپنے نام کے ساتھ سید کا لفظ شامل کر لیا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے نام کے ساتھ خطبوں میں صوفیہ اصطلاح کا اضافہ کیا تھا۔ اسی اضافہ پر لاہور، احمد آباد اور دیگر مقامات پر سخت قسم کے فسادات ہوئے۔ حاجی یار محمد نے نہایت جرأت اور ہمت سے بادشاہ کی مخالفت کی۔ اور جب وہ ناراض ہوا تو کہا: ”حق تعالیٰ کی چار نعمتیں ہیں۔ علم، حفظ قرآن، روح اور شہادت۔ بفضل الہی تین نعمتیں مجھے حاصل ہیں، کیا ہی اچھا ہو کہ آپ کے ذریعے سے چوتھی بھی حاصل ہو جائے“

بہادر شاہ کے بعد جہاندار شاہ دستار تخت پر آیا۔ اس نے حکومت کی باگ ڈور ایک ناپچے والی عورت لعل کنور کے ہاتھ میں دے دی۔ اس کی ابروئے چشم کے اشارہ پر لوگوں کی قسمتیں بنتی اور گٹھتی تھیں۔ کوئی ایسا اخلاقی، سماجی اور انسانیت کا گناہ نہ تھا جو اس عورت کے اثر میں نہ کیا گیا ہو۔ لعل کنور نے ایک دن اس سے کہا کہ میں نے ڈوبتی کشتی میں آدمیوں کی جو حالت ہوتی ہے وہ نہیں دیکھی۔ حکم شاہی ہوا کہ یہ خواہش بھی پوری کر کے دکھادی جائے! خود بادشاہ کا یہ عالم تھا کہ لعل کنور کے ساتھ بازاروں میں پھرتا تھا اور اس کے ساتھ شراب خانوں میں شراب پیتا تھا۔ کبھی راون کے قلعے بنوا کر آگ لگا دیتا تھا۔ عیش و عشرت میں ماحول نے عوام کی زندگی پر بھی اثر ڈالا، اور حالات یہاں تک پہنچ گئے کہ ”قاضی قزاق کش اور مفتی پیالہ نوش ہوں۔“

جہاندار شاہ کے جانشین فرخ سیر (۱۷۱۹-۱۷۱۷) میں سب سے بڑی بُرائی اس کی کمزوری تھی۔ جس کے باعث ملک میں متعدد فتنے کھڑے ہو گئے۔ یہ حضرت شاہ علی گرامی

KEENE: THE TURKS IN INDIA P. 199 FN

۱۔ منتخب الباب - خانی خاں - جلد دوم - ص ۶۸۱ - ۶۸۲ - ۶۸۳

۲۔ عبرت نامہ کامران بحوالہ LATER MUGHALS I P. 192

۳۔ مرآۃ وارادت دہلی اور تذکرۃ الملوک کجلی دہلی

۴۔ تاریخ ہند - مولوی ذکا اللہ - جلد ہفتم ص ۸۹

۵۔ LATER MUGHALS, I P. 396

صاحب دہلوی کا اثر تھا کہ وہ اتنے دنوں تخت پر رہ سکا۔ اُن کے وصال کے ۵۰ دن بعد وہ قید ہو گیا۔ شاہ عبدالرحیم صاحب نے صرف اس غرض سے کہ مغلوں کا سیاسی اقتدار کہیں ان جلد جلد تبدیلیوں کی نذر نہ ہو جائے، اس کو قائم رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن کم زوری ایک ایسا مرض تھا جس نے اسے کبھی حالات پر قابو نہ پانے دیا۔

فرخ سیر کے زمانے میں ایک شخص نمود و انمود نے نبوت کا دعوے کیا، اپنا بطور مسلک، قواعد اور زبان ایجاد کی۔ اُسے مقدس نامی کتاب کو الہامی کتاب بتایا۔ اور دعویٰ کیا کہ نبوت اور وصیت کے درمیان ایک لاہوتی عہدہ بیگوکت ہوتا ہے اور وہ اسی پرتقا ہے۔ فرخ سیر اس شخص سے اتنا متاثر ہوا کہ تنہائی میں اس سے ملاقات کی۔ بادشاہ کی اس دلچسپی اور احترام سے اس مفسد دینی کو اپنے کام میں بڑی مدد مل گئی۔

محمد شاہ افیون کا شو قین اور عیش و عشرت کا دلدادہ تھا۔ دن رات حرم میں گزار دیتا تھا۔ ۲۸ سالہ دور حکومت میں اگر وہ کبھی محل سے باہر نکلا ہے تو صرف کوئی پارک میں گھومنے کے لئے یا گدھ کا میلہ دیکھنے کے لئے۔ اس کے جانشین احمد شاہ کا بھی یہی عالم تھا۔ ایک میل تک اس کا زمانہ محل تھا۔ مہفتوں تک کسی مرد کی شکل اس کے سامنے نہ پڑتی تھی۔ شاہ عالم ثانی کے دربار کا حال پولیس نے لکھا ہے جو مطالعہ کے قابل ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان بادشاہوں کے مشاغل، ذہنی اور فکری صلاحیتیں کیا تھیں اور وہ کس حد تک اس زمانے کے سیاسی نظام کو سمجھانے کی قابلیت رکھتے تھے۔

سلاطین کی عداوتوں اور حسدوں کی نقل و حرکتیں اس دور میں امرات

۱۔ انفاس العارفین۔ ص ۶۲

۲۔ FALL OF THE MUGHAL EMPIRE, VOL. I, P. 6

۳۔ SHAHALAM II AND HIS COURT BY

ANOTOINE HENRI POLIER

EDITED BY P. GUPTA (CALCTTA 1947)

کے گھر عیاشی کے اڈے تھے۔ مغرب اخلاق عادتیں ان کا قبول تھیں اور ان کے ضمیر کی آواز اتنی دھیمی بڑبڑاتی تھی کہ کبھی انھیں بھول کر بھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ ان کی حرکات اخلاق و مذہب کی توہین ہیں۔

صوفیہ خام اور علمائے سحر کی حالت اگر اجاب رہو کی حالت دیکھنا چاہو تو آج کل کے علماء کو دیکھ لو اور اگر عیسائیوں کا نقشہ دیکھنا چاہتے ہو تو آج کل کے مشائخ کے سامنے بیٹھ کر دیکھ لو۔ ان الفاظ میں اٹھارہویں صدی کے سب سے بڑے عالم نے اپنے ہم عصر علماء کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے کے صوفیہ خام اور علماء و رصہ با تم کی گراہیوں کا شکار تھے اور ان کی گمراہی کا اثر ہر کہ و ہر پر پڑتا تھا۔

دنیا پرست سے زیادہ بڑی کوئی لعنت علماء سحر کے لئے نہیں ہو سکتی۔ اس دور کے علماء اسی میں گرفتار تھے اور مختلف امراء اور رؤساء سے منسلک ہو کر سیاست میں حصہ لے رہے تھے۔ ایسی سیاست جس کا مقصد دوسروں کی فلاح و بہبود نہ تھا بلکہ اپنے لئے جاہ و عزت حاصل کرنا تھا۔ اکبر کے زمانے میں علماء کی اس دنیا پرستی کے خلاف حضرت مجدد صاحب نے آواز اٹھائی تھی۔ اس دور میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور اُن کے خاندان نیز شاہ کلیم اللہ جہان آبادی، اور اُن کے منسلکین نے اس رجحان کے خلاف جنگ کی اور علماء کو اُن کے فرائض یاد دلانے۔

اس دور کے علماء مایوی نانی علوم میں پھنسے ہوئے تھے۔ اُن کا سارا وقت دوراؤ کا بخوش میں صرف ہوتا تھا۔ قرآن و حدیث سے اُن کا رابطہ تقریباً ٹوٹ چکا تھا۔ شاہ ولی اللہ نے اس ماحول میں للکارا اور اعلان کیا:

”یاد رکھو! علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے یا سنت ثابتہ قائمہ کا“

یہ خاندان ولی الہی کا وہ اعلان تھا جس سے علم کے متعلق سارے ہندوستان کے نظریے

۴۔ الفوز الکبیر، شاہ ولی اللہ دہلوی۔

بڑی باخظ نظری کے ساتھ کیا ہے اور اس کی ایک ایک دکھتی ہوئی رگ کو بچھا ہے۔ اس زمانے کے صوفیہ کرام کی کوششوں کی اصلی نوعیت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت محدث دہلوی نے جن خرابیوں کی طرف اشارہ کیا ہے، اُن ہی کے ازالہ کی کوششیں ہیں:

(۱) شرک :-

”تم غیر اللہ کے لئے قربانیاں کرتے ہو اور مدار صاحب اور سالار صاحب کی قبروں کا حج کرتے ہو، یہ تمہارے بدترین افعال ہیں“ (تہنیات)

”تم نے یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے“ (تہنیات)

(۲) ارکان دین سے غفلت :-

(۱) ”تم نمازوں سے غافل ہو، کوئی اپنے کاروبار میں اتنا مشغول ہوتا ہے کہ نماز کے لئے وقت نہیں پاتا، اور کوئی اپنی تفریحوں اور خوش گیتوں میں اتنا منہمک ہوتا ہے کہ نماز فراموش ہو جاتی ہے۔“ (تہنیات)

(ب) ”تم رکوع سے بھی غافل ہو، تم میں کوئی مال دار ایسا نہیں جس کے ساتھ بہت سے کھانے والے لگے ہوئے نہ ہوں۔ وہ اُن کو کھلاتا اور پہنتا، مگر رکوع و عبادت کی نیت نہیں کرتا۔“ (تہنیات)

(س) ”تم رمضان کے روزے بھی ضائع کرتے ہو اور اس کے لئے طرح طرح کے بہانے بناتے ہو۔“ (تہنیات)

(۳) فسق و فجور :-

”چاہئے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعے پورا کرو، خواہ تمہیں ایک سے زیادہ ہی نکاح کیوں نہ کرنا پڑے۔ تمہاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں کہ لذت کھانوں کی قسمیں پکھولتے رہو اور نرم و گداز جسم والی عورتوں سے لطف اٹھاتے رہو۔“ (تہنیات)

(۴) بُری رسوم :-

بدل گئے حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے تالیفات شیخ ابوالرضا الہندی کے شاگرد تھے۔ اس لئے علم کے متعلق اُن کا نظریہ بھی وہی تھا جو خود حضرت شاہ ولی اللہ اور اُن کے بزرگوں کا تھا۔ علوم دینی کے متعلق اس دور کے مشائخ چشت کے خیالات کی اساس بنیاد اسی پر تھی۔ اور انھوں نے زمانے کے عام رجحانات کے خلاف اس سلسلہ میں سخت جنگ بھی کی۔ صوفیہ خام کا حال اس سے بھی بدتر تھا۔ انھوں نے نہ صرف مشائخ متقدمین کی روایات کو فراموش کر دیا تھا بلکہ غیر اسلامی فکرو کردار اُن کا سرمایہ زندگی بن گیا تھا۔ تصوف کے سرچشمہ قرآن و حدیث سے ہٹ کر ویدانت اور اپنیشد کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔ عملیات اور تعویذ گنڈوں میں حصہ سے زیادہ اعتقاد بڑھ گیا تھا۔ پیر کی غیر شرعی حرکات حجت بھی جاتی تھیں شاہ ولی اللہ نے ان لوگوں کو اس طرح مخاطب کیا۔

”میں ان متعسف و اغفلوں، عابدوں اور خانقاہ نشینوں سے کہتا ہوں کہ اسے زہد کے مدعیو! تم ہرادی میں بھٹ بٹکے اور ہر طب و یابس کو لے بیٹھے تم نے لوگوں کو موصوعات اور باطل کی طرف بلایا۔ تم نے خلق خدا پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا۔ حالانکہ تم فراخی کے لئے مامور تھے، نہ کہ تنگی کے لئے۔ تم نے مغلوب الحال عشاق کی باتوں کو اپنا مدار علیہ بنا لیا ہے، حالانکہ یہ چیزیں پھیلانے کی نہیں، پیٹ کر رکھ دینے کی ہیں۔“

اس قسم کے صوفیہ نے مذہبی تعلیم کو مسخ کرنے کے ساتھ ساتھ، ملت کے قوائے عمل کو شل کر دیا تھا۔ اس دور کے مشائخ چشت نے اس قسم کے صوفیہ کے خلاف آواز بلند کی اور تصوف کی خالص اسلامی صورت بکھار کر پیش کی۔

عام مسلمانوں کی دینی زندگی جب بادشاہ، علماء اور صوفیہ ہی صدا اخلاقی عیوب اور دینی گمراہیوں میں مبتلا تھے، تو عام مسلمانوں کی زندگی کا ذکر ہی بے کار ہے۔ ”الناس عینی دین ملوکھم۔“ قرون وسطیٰ کا ایک ناقابل تروید اصول تھا۔

اس دور میں عام مسلمانوں کی زندگی کا جائزہ لینے کے لئے شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصانیف کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ اس عظیم الامت نے ملت کی بیماریوں کا تجزیہ

”اے بنی آدم! تم نے ایسی فاسد رسمیں اختیار کر لی ہیں جن سے دین متغیر ہو گیا ہے۔ مثلاً یوم عاشورہ کو تم باطل حرکات کرتے ہو۔ ایک جماعت نے اس دن کو ماتم کا دن بنا رکھا ہے، کچھ لوگوں نے اس دن کو کھیل تماشوں کا دن بنا لیا ہے، اور کچھ دوسرے لوگوں نے اسے مذہبی مناسک کا دن بنا رکھا ہے۔ پھر تم شب برات میں جاہل قوموں کی طرح کھیل تماشے کرتے ہو اور تم میں سے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اس روز مردوں کو کثرت سے کھانا بھیجنا چاہیئے۔“ (تفہیمات)

(۵) غیر شرعی حرکات

”پھر تم نے ایسی رسمیں بنا رکھی ہیں جن سے تمہاری زندگی تنگ ہو رہی ہے مثلاً شادیوں میں فضول خرچی، طلاق کا ممنوع بنا لینا، بیوہ عورت کو بٹھا رکھنا تم نے موت اور غمی کو عید بنا رکھا ہے۔“ (تفہیمات)

کابلی اور فضول خرچی

”اتنا کمانے کی کوشش کرو جس سے تمہاری ضرورتیں پوری ہوں۔ دوسروں کے سینوں کے بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو کہ ان سے مانگ مانگ کر کھایا کرو تم ان سے مانگو اور وہ نہ دیں۔ اس طرح بادشاہوں اور حکام کے اوپر بھی بوجھ نہ بن جاؤ۔ تمہارے لئے یہی پسندیدہ ہے کہ تم خود کما کر کھایا کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو خدا تمہیں معاش کی راہ بھی سمجھائے گا۔“ (تفہیمات)

”اپنے مصارف و وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو۔ اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو۔“ (تفہیمات)

شیعہ سنی تنازعات | اٹھارہویں صدی کا ایک اہم مسئلہ شیعہ سنی تعلقات کا بھی تھا۔ اورنگ زیب کے بعد شیعوں کا سیاسی اثر بڑی تیزی کے ساتھ بڑھنے لگا تھا۔ اتنا کہ اورنگ زیب کا چاشین بہادر شاہ تک شیعوں کے اثر میں آ گیا تھا۔ اس کے بعد سلوات ہارہ کے اقتدار سے شیعوں کو بہت تقویت حاصل ہو گئی اور ایرانی اور تورانی پارٹیوں کے اختلافات کی بنیاد

صرف سیاست نہ تھی، بلکہ مذہبی اختلافات کو بھی اس میں کافی دخل تھا مرزا مظہر جان جاناں کی شہادت میں مذہبی اور سیاسی دونوں عوامل کو دخل تھا۔ ان کا سنی عقیدہ اور رویوں میں ان کا اثر شیعہ حلقوں میں کافی خطرناک سمجھا جاتا تھا۔

حضرت مجدد صاحبؑ کے زمانے میں بھی شیعوں کے اقتدار کا مسئلہ نورجہاں کی وجہ سے بہت اہم ہو گیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے ایک رسالہ ”رد و افض“ کے نام سے لکھا تھا اس زمانے میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی فاضلہ کتاب ”ازالۃ الخفا عن خلافت الخلفاء“ کے ذریعے خلافت راشدہ سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا خیال ہے کہ پورے اسلامی لٹریچر میں اس موضوع پر ایسی کتاب موجود نہیں ہے۔ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے بھی ایک کتاب رد و افض کے نام سے تصنیف فرمائی تھی۔

چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں نے شیعوں کے عقائد کی اصلاح کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے اپنے خلیفہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو ہدایت کی کہ وہ ”معتقدات رفض“ کو روکنے کے لئے پوری جدوجہد کریں۔ شاہ فخر الدین فنا نے شیعوں کی مخالفت کا مقابلہ سختی سے نہیں بلکہ محبت سے کیا۔ جس شخص نے مرزا مظہر جان جاناں کو شہید کیا تھا اس نے ان کو بھی شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن ان کی مجلس میں پہنچ کر ایسا متاثر ہوا کہ اپنے ارادہ سے توبہ کر لی۔ شاہ فخر الدین صاحبؑ نے بہت سے شیعوں کو بھی مرید کیا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؑ نے ایک بار اس پر اعتراض کیا تو فرمایا: ”مرید ہو کر وہ تبر سے باز آجائے ہیں“ آخری زمانے میں شاہ سیماں تونسویؒ نے یہ راہ اختیار کی کہ کئی مسلمان کو شیعوں کی صحبت اور اثر سے بچنے کی تلقین کی۔

شیعوں سے مذہبی عقائد کے اختلاف کے باوجود ان بزرگوں نے اپنے عادلانہ اور منصفانہ رویے میں فرق نہ آنے دیا۔ وہ ہر چیز کو اس کی حقیقی صورت میں دیکھتے تھے، اور وقتی مخالفت کی رو میں بہہ کر عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ ایک شخص نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے شیعوں کو کافر قرار دینے کے متعلق فتویٰ دریافت کیا تو شاہ صاحبؑ نے اختلاف کیا۔ وہ شخص یہ کہہ کر کہ ”ایس شیعی اسٹ“ چلا گیا۔ ایک روایت

پٹھان آفتاب نامی شاہ عبدالعزیز صاحب کے درس میں شریک ہوا کرتا تھا۔ ایک دن شاہ صاحب نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فضائل و مناقب بیان فرمائے تو اس کو اس قدر غصہ آیا کہ خود شاہ عبدالعزیز صاحب کا بیان ہے

”بندہ راشیہ و فہیدہ آمدن درس بندہ کو شیعہ سمجھ کر درس میں شریک موقوف کرد“

لے ہونا بند کر دیا۔

جن بزرگوں کا کام انتشار و ابتری کے زملے میں قوم کے ذہنی توازن کی نگہبانی کرنا تھا وہ خود عوام کے جذبات کا شکار کیسے ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ایک طرف انھوں نے رخص کی تردید میں اپنی زبان اور اپنے قلم کو جنبش دی، تو دوسری طرف سنی مسلمانوں میں شیعوں کے خلاف تشدد کو روکا اور اپنے افکار اور معاملات میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھا۔

آئیے، اب حالات کے اس پس منظر میں اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے تاریخ سلسلہ چشت کے حالات کا مطالعہ کریں!

باب اول

حضرت شاہ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادیؒ

شہر ٹوکیلو کھڑی، سیری، تعلق آباد، جہاں آباد، فیروز آباد کی آبادیاں اپنے عروج و کمال کی داستانیں صفحہ روزگار پر لکھ کر ہمیشہ کے لئے پڑمردہ ہو چکی ہیں۔ دلی شاہ جہاں آباد کا لباس زیبین کرنے حسن و جمال کے ساتھ ابھر رہی ہے۔ ایک طرف جامع مسجد کی شاندار عمارت اور اس کے عظیم الشان گنبد اور مینار فلک سے سرگوشیاں کر رہے ہیں، دوسری طرف قلعہ ایک پھول کی طرح اپنی پنکھڑیاں کھولے مسکرا رہا ہے، جتنا خاموشی سے اس کی تصویر کو سینے سے لگا کے دبے پاؤں بہہ رہی ہے۔ ہر طرف نئے بازار ہیں، نئی دکانیں اور نئے مکانات۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ جگہ رنگ و بو ہمیشہ قائم رہے گا۔ قلعہ کی تفصیل کے برابر، ٹھنڈی سڑک سے ملا ہوا، خانم کا بازار ہے جو بساطیوں، جڑاؤ کام کرنے والوں، مرصع کاروں کی دکانوں سے جنت بگاہ بنا ہوا ہے۔ اسی بازار میں شاہ جہاں نے معماروں کے اس خاندان کو جس نے سنگ مرمر پر اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کے کٹھن دکھائے ہیں،

ایک عالی شان مکان انعام میں دیا ہے۔ ۱۰۵۹ھ میں شاہ جہاں آباد کی یہ عمارتیں مکمل
کو پہنچتی ہیں۔ اور دو سال بعد (یعنی ۱۰۶۵ھ) میں اس معمار خاندان میں ایک لڑکا
کلیم اللہ پیدا ہوتا ہے۔

زندگی گفت کہ در خاک پیدم ہم عمر

تا ازیں گنبد دیرینہ درے پیدا شد

اس کے بزرگ معماری کا پیشہ کرتے تھے، لیکن مشیت الہی کا تقاضا ہوا کہ خود اس نے
”دلوں کی معماری“ کا کام لیا جائے اور جب قلعہ پر نکبت و ادبار کی گھٹائیں امنڈ کر آئیں
اور یہ ہنگامہ رنگ و بو بکھرنے لگے تو وہ اپنی شعلہ لڑائی سے اجالا کر دے، اور جب
شاہ جہاں آباد کی بستی ویران ہونے لگے تو وہ دلوں کی ایک نئی بستی آباد کر کے یہ مصرعہ
ہو جائے۔ اس کی سحر کار آواز زبردہ اور تپتی کے کناروں سے ٹکرائے اور اچیلے دین
کی نئی تحریکیں اس کے زیر اثر ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائیں۔ یہ تھے شاہ کلیم اللہ
جنہوں نے نصف صدی سے زیادہ دہلی میں رشد و ہدایت کے چراغ جلائے اور جن کا
نظام اصلاح و تربیت دکن تک پھیلا ہوا تھا۔ انھوں نے چشتیہ سلسلہ میں ایک نئی
روح پھونکی اور تجدید و احیاء کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے بعد چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام درہم
برہم ہو گیا تھا، اور صوبوں میں مرکز سے غیر متعلق خانقاہیں قائم ہو گئی تھیں۔ حضرت
سید محمد گیسو درازؒ؟ حضرت نور قطب عالمؒ؟ علامہ کمال الدینؒ اور دیگر مشائیر نے

۱۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

”اسلافش بہ کسب معماری اشتغال داشتند

حق تعالیٰ اور بارہ معماری قلوب اختصاص بخشید

و عالم عالم دلہار اہر تر دستی ہمت مامور گردانید

ماثر اکرام ص ۳۲

سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت میں بڑی جدوجہد کی تھی، لیکن سلسلہ کو ایک کل ہند
ادارہ کی حیثیت سے زندہ نہ کر سکے تھے۔ مرکزیت کے فنا ہو جانے سے سلسلہ کے
نظام کی اساس و بنیاد ہی بدل گئی تھی۔ شاہ کلیم اللہ صاحب کا یہ کارنامہ تھا کہ انھوں
نے چشتیہ سلسلہ کے بے ترتیب نظام میں پھر ایک بار باقاعدگی پیدا کی اور متقدمین
صوفیہ کی نیچے تبلیغ و اشاعت اور اصلاح و تربیت کا کام شروع کر دیا۔ انھوں نے
ملک کے دور دراز علاقوں میں اپنے خلفاء بھیجے اور ان کے ذریعے ایک گرتی، ہوئی
سوسائٹی کو انتشار و ابتری سے بچایا حقیقت یہ ہے کہ چشتیہ سلسلہ کی نشاۃ ثانیہ
ان ہی کی کوششوں کی رہن منت تھی۔

شاہ صاحبؒ نے رشد و ہدایت کی شمع ایسے زمانے میں روشن کی تھی جب
ہندوستان کے مسلمان نہایت ہی نازک دور سے گزر رہے تھے۔ سلطنت مغلیہ کا
آفتاب غروب ہو چا ہوتا تھا۔ معاشرہ پر انحطاطی رنگ چھا رہا تھا، زندگی مسکرو دھام میں
تبدیل ہو رہی تھی۔ ہر شخص ایک گونہ بے خودی کے عالم میں مست و خراب تھا۔ مذہب
کی روح ختم ہو چکی تھی اور اگر کچھ باقی رہ گیا تھا تو اوہام کا تار و پود۔ شاہ صاحبؒ نے
فرائی اور انحطاط کے اس دور میں احیاء ملت اور اعلاء کلمۃ الحق کے لئے جو کوششیں
کیں وہ اسلامی ہند کی تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ وہ حالات کی
نامساعدت کو بچاتے تھے، زمانے کی رفتار کو دیکھتے تھے، لیکن ہمت نہ ہارتے تھے
اور اپنے خلفاء سے ہمارا پکار کر کہتے تھے:

”در اعلائے کلمۃ الحق باشیدو اعلاء کلمۃ الحق میں معروف رہو

جان و مال خود صرف اس کار اور اپنے جان اور مال کو اسی میں

کنید“ ۱۔ صرف کرو۔

دہلی کے مشہور بازار خانم میں اُن کی خانقاہ تھی۔ خانقاہ کیا تھی علم و معرفت

رموز و حکمت، احسان و سلوک کا سرچشمہ تھی۔ ہزاروں تشنگان معرفت اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے وہاں آتے تھے۔ شائقین علم و فضل اُن کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہونا باعث فخر و مباہات تصور کرتے تھے۔ آزاد بلگرامی کا بیان ہے :

امراء و فقہاء حلقہ اعتقاد در
امیر و فقیر (سب ہی) اُن کے
گوش داشتند، و بہ مطالبہ بینی
حلقہ گوش تھے اور دینی اور دنیوی
و دنیوی کامیابی اندوختند
مقاصد میں کامیابی حاصل کرتے تھے۔

شاہ صاحب کا علمی مرتبہ بلند اور ان کے روحانی کمالات عظیم الشان تھے۔ مآثر الکرام میں لکھا ہے :

در علوم عقلی و نقلی پایہ بلند و در
علوم عقلی اور نقلی میں اُن کا پایہ
حقائق و معارف رتبہ ارجمند
بلند اور حقائق و معارف میں ان
داشت لے
کار تبار جہند تھا۔

علم و عشق کے اس اجتماع نے شاہ کلیم اللہ کی شخصیت میں بڑی دلنوازی اور غیر معمولی کشش پیدا کر دی تھی۔ عالم ان کے علم کا اور ہمارے تھے اور راہ سلوک کے چلنے والے اُن کے آستانہ پر اپنا مطلوب دلی حاصل کرتے تھے۔ ہر طرف سے مخلوق کی طرح کراؤں کے یہاں پہنچتی تھی اور علی اور روحانی سعادتوں سے مالا مال ہو کر لوٹی تھی۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

و خاتم کا بازار بھی ایک بہت بڑا اور پُر رونق بازار تھا جو طبع کی فصیل کے برابر سراو گیوں کے مندر تک چلا گیا تھا۔ جہاں اب ٹھنڈی سڑک ہے۔ یہ سارا میدان بھی صاف ہو گیا۔ غرض یہ کہ جامع مسجد کے دروازہ شرفی کے محاذ میں جو صاف اور چشیل میدان نظر آتا ہے یہ صاف نئی اغراض اور دور اندیشی سے عمارات سے صاف کر دیا گیا۔ اس میں اب ایڈورڈ پارک بنایا ہے، اور پریدہ گراؤنڈ ہے۔

واقعات دارالحکومت دہلی جلد دوم - ص ۱۲۳

لے و۔ مآثر الکرام ص ۴۲

دلوں کا معمار | شاہ صاحب کے اسلاف معماری کا پیشہ کرتے تھے، لیکن خود ان کو بقول آزاد "اللہ تعالیٰ نے دلوں کی معماری کے لئے مخصوص کیا تھا۔" خود ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :

ما و شمارا کار فراہم آور دن نگہ
ہمارا اور تمھارا کام تنگہ، نقد اور
و نقد و جنس نیست، فسرہم
جنس حج کرنا نہیں ہے بلکہ دلوں
آور دن دلہا مطلوب است
کا اکٹھا کرنا مقصود ہے۔ تاکہ
تا دلہاے عاشقان صادقان
عاشقان صادقان کے دل اکٹھا
از اطراف عالم حج آریم لے
واطراف عالم سے کچھ کرا ایک جگہ
جمع کریں۔

یہی وہ کام ہے جو تصوف کی روح اور اخلاق کی جان ہے اور جس کی اہمیت حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے مولانا فخر الدین مزاریؒ کو ایک مکتوب میں بھائی تھی۔ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کی پوری زندگی عشق خالق اور دلنوازی خلق میں بسر ہوئی تھی۔ اُن کو اگر "معاز قلب" کہا جائے تو اس میں مبالغہ نہ ہوگا۔

خاندان | مناقب المحبوبین میں لکھا ہے :

نام پدر ایشان حاجی نور اللہ
ان کے والد کا نام حاجی نور الدین
بن شیخ احمد بن شیخ احمد صدیقی
شیخ احمد بن شیخ حامد صدیقی تھا
از اولاد حضرت ابابکر صدیق
وہ حضرت ابوبکرؓ کی اولاد سے تھے۔
رضی اللہ عنہ اندا بار و اجداد
ان کے ابا و اجداد خاندان کے رہنے

۱۔ مکتوبات کلیدی ص ۳۴، ص ۳۶۔

۲۔ ملاحظہ ہو اسیر الاولیاء ص ۳۵۵-۳۵۴۔

۳۔ شیخ حامد کے متعلق بعض مضامین میں مختلف آراء کا اظہار کیا گیا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ احمد معمار کے بھائی تھے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ اُن کا کوئی رشتہ نہ تھا، (باقی حاشیہ صفحہ ۴۲)

ایشاں ساکنان شہر خجند بودند
پدر ایشاں در زمان سلطنت
سلطان شہاب الدین شاہجہاں
بادشاہ دہلی و رشاہجہاں آباد
یعنی دہلی نو آمدہ بود و پدر ایشاں
در علم نجوم و ہیئت کمالیت تمام
داشت، بنا بر آں بادشاہ مذکور
وقت تعمیر لال قلعہ ایشاں را از

والتے تھے۔ ان کے باپ شاہ جہاں
کے زمانے میں شاہ جہاں آباد میں
آئے، وہ علم نجوم اور ہیئت میں
انتہائی کمال رکھتے تھے۔ اسی بناء
پر شاہ جہاں نے لال قلعہ کی تعمیر
کے وقت ان کو شہر خجند سے طلب
کیا تھا۔

محض دوستی اور ہم وطنی کا تعلق تھا۔ مناقب المحبوبین نے اس سلسلہ میں کسی شبہ کی گنجائش
نہیں چھوڑی۔ لیکن کوئی معاصر شجرہ ایسا نہیں ملتا جس سے اس امر کی تصدیق ہو سکے۔ میرے
خیال میں استاد حامد کے نام پر اس علاقہ میں کوچہ کا نام پڑنا ان کے بزرگ خاندان ہونے
کی دلیل ہے اور کوئی وجہ بظاہر ایسی نہیں کہ مناقب المحبوبین کے بیان کو ناقابل اعتبار سمجھا
جائے۔ مولوی انوار الحق دہلوی قادری نے شیخ نور اللہ کے متعلق لکھا ہے: ”صدیقی نژاد بود از
اولاد امجاد حضرت امیر المومنین ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کما یلوح من تعحیر الکلمی“ (ص ۳۸
احوال شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی)، قلمی سر شاہ سلیمان کلکشن

جلیب اللہ اکبر آبادی (۱۱۹۰-۱۲۴۱ھ) صاحب ذکر جمیع اولیائے دہلی ان کے حال میں

لکھتے ہیں

حاجی کلیم اللہ بن شیخ حامد محدث مرید شیخ بیچہ مدنی، ولی کامل، فاضل
اکمل، صاحب تقویٰ و ریاضت بود۔ مدت پنجاہ سال در شاہ جہاں آباد
در بازار خانہ دہرس حدیث و تفسیر و تکمیل مریداں اشتغال داشتہ (الف)
نسخہ برٹش میوزیم

ایسا خیال ہوتا ہے کہ شاید دو نام کاتب کی غلطی سے چھوٹ گئے ہیں۔

شہر خجند طلبیدہ بود

شاہ کلیم اللہ کے دادا احمد معارف عبد شاہ جہاں کے مشہور ماہرین فن میں تھے شاہان
مغلیہ کی طرف سے نادر العصر کا خطاب ملا تھا۔ اقلیدس، ہیئت، نجوم، ریاضی وغیرہ
پر کمال عبور رکھتے تھے، یونانی ریاضیات کی سب سے اونچی کتاب جسطی اور نجوم
منصیر طوسی کی تحریر اقلیدس کے عالم تھے۔ ان کے بیٹے لطف اللہ ہندس نے جو شاہ
کلیم اللہ کے تایا تھے ایک مثنوی میں ان کے کارناموں کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

شاہ جہاں داور گیتی ستان
عرش بریں قبت خرگاہ اوست
احمد معارف در فن خویش
واقف تحسیر و مقامات آں
از طرف داور گردوں جناب
بود عمارت گر آں بادشاہ
تاج محل اور لال قلعہ کو ان ہی نے تعمیر کیا تھا۔ مثنوی میں لکھتے ہیں۔
روضہ ممتاز محل را بسا
شاہ جہاں داور گیتی پناہ
قلعہ دہلی کہ ندارد نظیر
کرد بنا احمد روشن ضمیر

لے مناقب المحبوبین۔ ص ۴۵

۴۵ احمد معارف اور ان کی اولاد کے متعلق مولانا سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی
اور پروفیسر نذیر احمد نے چند مضامین میں کافی مفید معلومات جمع کر دی ہیں (رونداد
ادارہ معارف اسلامیہ، اجلاس اول ۱۳۳۱ھ، ص ۵۰، معارف فروری، مارچ
۱۹۳۳ء نیز مئی ۱۹۳۳ء اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۵۶ء، جنوری ۱۹۵۷ء وغیرہ، نیسز
ایچ آئی، ایس کنور کا مضمون ”استاد احمد لاہوری“ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

احمد معمار کا ذکر ایک مختصر رسالہ "احمد معمار" علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ذخیرہ سبحان اللہ (ص ۲۱ نمبر ۳) میں موجود ہے۔ انھوں نے ۱۹۶۹ء میں انتقال کیا۔ ان کے تین بیٹے تھے، عطاء اللہ، لطف اللہ، اور نور اللہ، تینوں اپنی جگہ استاد سمجھے جاتے تھے۔ عطاء اللہ کے متعلق مثنوی میں لکھا ہے :-

نادر عصر خود و مشہور شہر
عالم و علامہ و دانائے دہر
مرد ہنس پرور و استاد فن
فاضل و دانشور و جبر زمن
مخزن علم آمدہ تالیف او
گنج ہنر با ست تصانیف او
نشا و از آب روان پاک تر
نظم خوشش غیرت سلک گہر

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظم اور نثر دونوں میں عطاء اللہ کو کمال حاصل تھا لطف اللہ نے اپنے بڑے بھائی سے تعلیم حاصل کی تھی، کہتے ہیں :-

منکہ سخن پرورہ دانش ورم
بسنده آل جبر سخن پرورم
منکہ ربودم ز جہاں گوئے علم
از چمنش یافتہ ام بوئے علم
منکہ شدم آگہ سر نہاں
از دم او یافتہ ام قوت جان

لطف اللہ علم ہندسہ کے ماہر تھے۔ مہندس خطاب شاہی تھا۔ شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا۔ اس مثنوی میں جس کے اقتباسات اوپر پیش کئے گئے ہیں انھوں نے (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مطبوعہ اسلامک کلچر جنوری ۱۹۷۷ء) ان مضامین سے یہاں استفادہ کیا گیا ہے لیکن ان مضمون نگاروں میں سے کسی کو بھی یہ علم نہیں کہ احمد معمار کے خاندان کی سب سے بڑی شخصیت شاہ کلیم اللہ دہلوی تھے۔

۱۰۵۹
شاہ عالم پناہ جم مقدار
شد مہر دوس احمد معمار
ماہر معمار و عمارت گریم
نادر العصر رفت و گفت خود
ماہر استاد و سخن پروریم

اپنے شاعرانہ کمالات کے جوہر دکھائے ہیں۔

احمد معمار کے سب سے چھوٹے بیٹے نور اللہ تھے، جو شاہ کلیم اللہ کے والدین کا تھے۔ عمر میں لطف اللہ سے چھوٹے، لیکن کمالات میں ان سے بڑھ کر تھے۔ بقول لطف اللہ :-

لیک بود قصر کلامش عجب
ز اں شدہ معمار مراد و القاب
گرچہ کم است لے از سال من
بیش بود حال و از حال من
نثر وے از نظم گہر بار تر
نظم ز نثر آمدہ ہموار تر
دیدہ ز نور سخنش پُر ضیا
طبع ز لطف سخنش پُر صفا
گنج ہنر آمدہ در مشت او
ہفت قلم راندہ سہ انگشت او
گرچہ منم بے سخن استاد فن
آں یک و ایں یک بود استاد من

نور اللہ اپنے زمانہ کے بے مثال خطاط تھے۔ ساتوں قلموں میں ماہر تھے۔ لطف اللہ نے ان کے متعلق لکھا ہے :-

گنج ہنر آمدہ در مشت او
ہفت قلم راندہ سہ انگشت او
دل کی جامع سجد کی پیشانی پر جو کتبہ ہیں وہ نور اللہ ہی کی باکمال انگلیوں کا کرشمہ ہیں۔
آخر میں بہت شمال لکھا ہوا ہے



خاندانِ کلیمی کے تعمیری کارنامے | خاندانِ کلیمی کے تعمیری کارنامے
مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تاج محل - آگرہ

(۲) لال قلعہ - دہلی

(۳) جامع مسجد - دہلی

(۴) محلِ نواب آصف خاں - لاہور

(۵) قلعہ جات شمشیر گڑھ اور حسن ابدال

(۶) مقبرہ دلاس باؤ بیگم اور نگ آباد

خاندانِ کلیمی کے علمی کارنامے | اس خاندان نے صرف سنگ و ستون ہی پر
اپنا نقش دوام نہیں چھوڑا۔ اس کی یادگار

چند کتابیں بھی ہیں جو اپنی جگہ ہم ہیں اور جن سے اس خاندان کی علمی دلچسپیوں کا اندازہ
ہوتا ہے۔

عطار اللہ، رشیدی تخلص کرتے تھے اور نظم و نثر میں متعدد کتابیں تصنیف کی
تھیں۔ لطف اللہ نے ان کے متعلق لکھا ہے۔

مخزنِ علم آمدہ تالیفِ او۔ گنج ہنر ہاست تصانیفِ او
ریاضی پر ان کی جن تین کتابوں کا علم ہو سکا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) بیچ گنت

(۲) خلاصہ راز

(۳) خزینۃ الاعداد

بیچ گنت بھاسکر اچار کی سنسکرت تصنیف ویجا گنتیا کا فارسی ترجمہ ہے۔ ویجا گنتیا

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کا تخلص رشیدی تھا۔ لیکن بقول سی اسے اسٹوری
رشیدی سے بعض اشعار کا وزن گزرتا ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے معنی علم جبر و مقابلہ کے ہیں عطار اللہ نے یہ ترجمہ شاہ جہاں کے آٹھویں سنہ
جلوس یعنی ۱۶۳۲ء میں مکمل کر لیا تھا۔ اُسی کے نام معنون کیا گیا ہے عطار اللہ
سے فارسی ترجمہ کو انگریزی کا جامہ ۱۳۱۳ء میں Strachey نے پہنایا
اور لندن سے شائع کیا۔

خلاصہ راز میں حساب، مساحت اور جبر و مقابلہ سے متعلق مضامین ہیں۔
پورا رسالہ نظم میں ہے۔ رسالہ شاہزادہ دارا شکوہ کے نام معنون کیا گیا ہے۔ شروع
میں شاہ جہاں کی مدح میں قصائد ہیں۔

خزینۃ الاعداد علم حساب، الجبر اور اقلیدس میں ہے۔ یہ کتاب مبتدیوں
تاجروں اور سرکاری ملازموں کے لئے لکھی گئی تھی۔

لطف اللہ کی مندرجہ ذیل تصانیف ہم تک پہنچی ہیں:

(۱) صور صوفی

(۲) رسالہ خواص اعداد

(۳) شرح خلاصۃ الحساب

(۴) منتخب الحساب

(۵) تذکرہ آسمان سخن

(۶) دیوان ہندس

(۷) بحر حلال

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۱۵ قلمی نسخے برٹش میوزیم اور میونخ یونیورسٹی کے کتب خانوں میں موجود ہیں تفصیل
کے لئے دیکھئے C. A. Storey, Persian Literature
Vol. II p. 5

۱۶ قلمی نسخے برٹش میوزیم [Rieu ii, 451 a]

اور بائیں پور [جلد ۱، ۱۴۳۰] میں موجود ہیں۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صور صوفی، عبدالرحمن صوفی (المتوفی ۱۰۹۹ھ) کی مشہور کتاب صور الکواکب کا فارسی ترجمہ ہے۔ لطف اللہ نے ۱۰۵۳ھ میں اپنے باپ کے حکم سے اس کام کو انجام دیا، اور ان ہی کے نام سے اس کو معنون کیا۔ اس کا اصل نسخہ خط مصنف مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ایک نسخہ برکن کے کتب خانہ میں بھی ہے (نمبر ۳۳۲، ۱۳۱)۔

رسالہ خواص اعداد، سات صفحات پر مشتمل ہے۔ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں ایک مجموعہ کے اندر شامل ہے۔

لطف اللہ نے بہار الدین عالمی کی کتاب خلاصۃ الحساب کا خلاصہ عربی ہی میں کیا تھا۔ (قلمی نسخہ رامپور جلد ۱، ص ۳۱۶) پھر خلاصۃ الحساب کا فارسی میں بھی ترجمہ کیا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانے میں اور دوسرا رامپور کے کتب خانے میں موجود ہے۔

مفتوح الحساب: بہار الدین عالمی کی کتاب کا فارسی خلاصہ ہے۔ اس کے دو نسخے انڈیا آفس کے کتب خانے میں، ایک برٹش میوزیم، ایک کتب خانہ آصفیہ اور ایک مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ایک قدیم نسخہ خاکسار کے کتب خانہ میں بھی ہے۔

آسمان سخن: دولت شاہ سمرقندی کے فارسی تذکرے کو اکبر کے زمانے میں ایک شاعر فاضل کرمانی نے دس طباقوں میں مکمل کیا تھا۔ لطف اللہ نے دو طبقات کا اس میں اضافہ کر کے اس کا نام آسمان سخن رکھ دیا۔ اس کا ذکر ڈاکٹر اسپرنگر نے شاہان اودھ کے کتب خانے کی فہرست میں کیا ہے۔

دیوان مہندس: ۹۹ صفحات پر مشتمل ہے، ایک قصیدہ میں داراشکوہ کی تعریف (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اس کا قلمی نسخہ ممبئی یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے (نمبر ۱۰۷)

ملاحظہ ہو: فہرست کتب عربی و فارسی وارد و کتب خانہ جامعہ ممبئی مترجمہ شیخ عبدالقادر

کی ہے۔

سحر حلال: علم اخلاق میں مختصر رسالہ ہے ۱۰۵۹ھ میں تصنیف کیا گیا تھا۔ زبان فارسی ہے۔ اورنگ زیب کی تعریف کی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لطف اللہ کے داراشکوہ سے تعلقات کے باعث اورنگ زیب کو ان سے بدظنی پیدا ہوگئی تھی۔ ایک جگہ لکھا ہے۔

شہا گوش برداد خواہی نداری کمال گدایان نگاہے نداری
رقیباں بقلم نوشتند فتوے و گرنہ تو ہرگز گناہے نداری
غالباً تعلقات کو درست کرنے کے لئے لطف اللہ نے سحر حلال تصنیف کی۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ممبئی یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے (ص ۲۷، نمبر ۲۷) دوسرا مدراسہ محمدی مدراس کے کتب خانہ میں (نمبر ۲۷۸۶)۔

لطف اللہ کے دو بیٹے تھے۔ امام الدین الریاضی اور خیر اللہ۔ امام الدین کا ذکر شاہ کلیم اللہ نے اپنے مکتوبات میں کیا ہے۔ شاہ حبیب چاہتے تھے کہ امام الدین کی ایک لڑکی کا نکاح اپنے عزیز مرید شاہ نظام الدین اورنگ آبادی سے کراویں چنانچہ لکھتے ہیں:

سخن صریح ترا نکریاں امام الدین صاف بات یہ ہے کہ میاں امام الدین
کہ برادر عموزادہ فقیر اند، دخترے کی جو فقیر کے بچا زاد بھائی ہیں۔ ایک
درس چہار دہ سالہ فی الحال لڑکی ہے جو ۱۳ سال کی ہے، نماز روزہ
بصلاح نماز روزہ و تلاوت تلاوت قرآن سے آراستہ ہے۔
قرآن آراستہ دارند۔۔۔۔۔

امام الدین کے تعلق مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے: ”ریاضیات کے اس ریاضی کا یہی وہ فوہال ہے جس کے تذکرے کی خوشبو بارہویں صدی کے اہل تذکرہ کی محفل

تک پہیلی ہے، ان کے حالات خوش گو حسین قلی خان عظیم آبادی، کشن چندر فلاس اور احمد علی خاں سندیلوی وغیرہم نے لکھے ہیں۔ خوش گو کا بیان ہے:

”در جمع غنوم رسمی یگانہ و منفرد بود“ تمام علوم رسمیں میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے پھر آگے لکھا ہے:

”دریں جزو زماں از معتنات بود“

امام الدین نے ریاضی کی تعلیم اپنے والد سے، حدیث و فقہ کا درس ملاشیر محمد اور ملا جیون سے اور منطق و کلام میں شیخ بہلول سے استفادہ کیا تھا۔ تذکرہ باغستان میں اپنے اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے اور اپنی تصانیف کی فہرست بھی دی ہے۔ اس میں چھوٹی بڑی ۲۵ کتابیں شامل ہیں۔ فقہ، اخلاق، ہندسہ، اقلیدس، ہیئت، اشعار، اور موسیقی پر ایک رسالہ ”در علم موسیقی بر قانون اہل ہند“ اس فہرست سے ان کے تبحر علمی اور ادبی ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی تصانیف میں مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

۱) تصویب (شرح تہذیب)

۲) تقریب (شرح تہذیب)

یہ دونوں شرحیں تنقذانی کی مشہور کتاب تہذیب المنطق و الکلام سے متعلق ہیں تقریب مختصر ہے اور مبتدیوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ تصویب اعلیٰ طالب علموں اور علماء فن کے لئے ہے۔

۳) نہایت الحکمہ (مبذی کی شرح ہدایت الحکمت کی شرح ہے)

۴) حاشیہ شرح مطالع (مطالع الانوار کی شرح پر حاشیہ ہے۔ فلسفہ منطق، جواہر، علم الہی وغیرہ سے متعلق ہے۔)

۵) حاشیہ فارسی ہیئت (الرسالۃ الفتحیہ کی شرح ہے)

۶) رسالہ در علم موسیقی
۷) حاشیہ بر شرح خلاصہ بہار الدین عاملی کے خلاصۃ الحساب کی شرح ہے)

۸) حاشیہ اخلاق ناصری

۹) ترجمہ منظوم کیدانی

۱۰) حاشیہ بر شرح چغنی

۱۱) رسالہ بیانہ، طالب علمی کے زمانہ کا کام تھا جس کو زیب النساء بیگم بنت اورنگ زیب کی خواہش پر شہرہ میں مرتب کیا

۱۲) رسالہ تحقیق آیات و ضو

۱۳) رسالہ بدیعہ

۱۴) رسالہ منظوم نجوم

۱۵) رسالہ مرآۃ المواقف

۱۶) رسالہ نسبت ثناۃ و ثلث بالتکریر

۱۷) تصریح بہار الدین عاملی کی تشریح الافلاک کی شرح ہے)

۱۸) تشریح (اپنی کتاب تفسیر پر حاشیہ ہے)

۱۹) مفاتیح (سورہ فاتحہ کی تفسیر)

۲۰) رسالہ مجمع البحرین

۲۱) شرح مناظر اقلیدس

۲۲) شرح شرح نہ خلاصۃ الحساب

۲۳) کتاب الکرہ والمحرط والاسطوان

۲۴) دیوان اشعار

۲۵) باغستان (قلمی نسخہ لکھنؤ یونیورسٹی)

ہرچند کہ ان کتابوں کی نوعیت حاشیوں اور شرحوں کی ہے، لیکن ان سے مصنف

کے تبحر علمی اور وسعت معلومات کا اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے۔

اپنے علمی مرتبے، اقتدار اور قبولیت کے باوجود امام الدین کا مزاج بالکل درپیش تھا۔ اس کا اندازہ صوفیہ کے متعلق اُن کے بیانات سے جو باستان میں بکھرے ہوئے ہیں ہوتا ہے۔ استفنا اور اہل دول سے بے تعلق اُن کی رستہ کی خصوصیات تھیں۔ کنش چند اخلاص ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

اگر بادشاہ زمانہ قصدر صبرتن
می کرد با ایشاں تکلیف رخصد
بندی می کرد..... شب و روز
بمطالعہ کتب قدر لیس و تصنیف
مشغول اند، ہر چند والد شریف
درفن ریاضی شہرہ آفاق بود لیکن
پایہ ایشاں بمراتب بالا بر رسیدہ
کہ رخصد بستن دون مرتبہ ایشاں
شدہ.... بہر حال در علمائے
عصر کسے کہ علم را عزت دادہ یا
بصحبت ملوک و امرا ذلیل
نگردد ہمیں ایشاں خواہند بود

امام الدین الریاضی کا انتقال ۱۱۴۵ھ میں ہوا۔

ہمیشہ بہار مصنفہ کنش چند اخلاص مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی اردوسہ ماہی،
اکتوبر ۱۹۹۴ء ص ۸۹-۸۸

ابوالخیر معروف بہ خیر اللہ، محمد شاہ کے زمانے میں مشہور ہوئے۔ راجہ جے سنگھ نے بادشاہ کے حکم سے دہلی، جے پور، بنارس، اجین میں جو رخصد خانے قائم کئے تھے، اُن کی نگرانی خیر اللہ ہی نے کی تھی۔ وہ دہلی میں درس بھی دیتے تھے۔ محمد علی اُن کے بیٹے اور شاگرد تھے۔ وہ بھی اپنے فن میں بڑے مشہور تھے۔ اُن کے بعد کسی شخص کو اتنی شہرت اس خاندان میں حاصل نہیں ہوئی۔ خیر اللہ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

- (۱) تقریر التقریر لہ
- (۲) تقریب التقریر لہ
- (۳) حاشیہ پر شرح بلیست باب در معرفت اسطرلاب لہ
- (۴) شرح زنج جدید محمد ثانی لہ
- (۵) شرح زلالی لہ
- (۶) شرح حافظ لہ
- (۷) شرح سکندر نامہ لہ

۱۔ قلمی نسخہ کتب خانہ نواب سالار جنگ (حیدر آباد) اور انڈیا آفس (نمبر ۲۳۶۰)
۲۔ قلمی نسخہ بانگی پور (۱۰۵۸) اور علی گڑھ فہرست میں اس کا نام ترجمہ محبیطی لکھا ہے۔
(نمبر، علوم فارسی)
۳۔ یہ حواشی بانگی پور لائبریری کی شرح بلیست باب کے نسخہ نمبر ۴۰ کے کناروں پر درج ہیں
۴۔ اس شرح کا حوالہ علامہ حسین جون پوری نے اپنی مشہور تصنیف جامع بہار ریاضی میں دیا ہے۔

۵۔ ان شرحوں کا ذکر تقریب التقریر کے دیباچہ میں ان کے بیٹے نے کیا ہے۔
۶۔ مطبع سزوف المطابع دہلی سے ۱۳۶۶ھ میں طبع ہوئی۔
۱۸۵۱ء

ظاہر کی، لیکن قبول نہ ہوئی۔ شیخ ابوالرضاؒ کے تفصیلی حالات، شوارق المعرفت اور انفاس العارفين میں مطالعہ کرنے چاہئیں۔

مدینہ منورہ کو روانہ ہو کر تکمیل علوم کے بعد، شاہ کلیم اللہؒ کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا اور وہ ایک نخت مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔ حافظ محمد جمال ملتانی سے روایت ہے کہ اوائل عمر میں ان کو ایک کھتری لڑکے سے گرویدگی پیدا ہو گئی تھی اور عشق اس درجے تک پہنچ گیا تھا کہ ایک لمحہ بھی اس کے بغیر چین نہ پڑتا تھا۔ دنی میں ایک مجذوب تھے۔ جن کے متعلق عام عقیدہ یہ تھا کہ وہ صرف اسی شخص کی نذر قبول کرتے تھے جس کا کام ہونا ہوتا تھا۔ شاہ صاحبؒ کچھ شیرینی لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے یہ نذر قبول کر لی۔ دو سکر دن شاہ صاحبؒ اس لڑکے کے پاس گئے۔ اس نے نہایت ہی لطف اور توجہ سے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور بڑی محبت سے پیش آیا۔ لڑکے کی اس ملاحظت سے شاہ صاحبؒ کی طبیعت بھر گئی، اور ان کے مزہبی احساس نے یکبارہ کر کہا۔

ہمت عشق نہ ہو جن خط و خال میں بند
صید ہر روز و نگس ہوئے ہیں شہباز کہیں

اب شاہ صاحبؒ کی طبیعت اس مجذوب کی طرف راغب ہو گئی۔ مجذوب کی محبت سے شاہ صاحبؒ میں جذب کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ احترام شرع کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ اپنی حالت کو چھپانے کی حد سے زیادہ کوشش کرتے تھے۔ لیکن جب ضبط نہ ہو سکا اور بالکل مجبور ہو گئے تو مجذوب سے اپنی حالت بیان کی اور امداد کے طالب ہوئے۔ انھوں نے جواب دیا:

”اگر تش ازیں قسم خواہند نزد
من بسیار است و آب نزد
حضرت شیخ یحییٰ مدنی است
انجا بروید“

اگر اس قسم کی آگ چاہتے ہو تو میرے
پاس بہت ہے (لیکن اپنی محنت
شیخ یحییٰ مدنی کے پاس ہے وہاں
جاؤ۔

کامل عبور تھا۔ طبیعت کا زیادہ رجحان تصوف کی طرف تھا۔ اکثر اوقات اشغالِ اذکار میں انہماک رہتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ درس و تدریس کا بھی شوق تھا، اور جو شاہیقین علم حاضر ہوتے تھے، ان کی تشنگی کو دور کرنے کے لئے اس طرف متوجہ ہوجاتے تھے۔ آخری زمانے میں تغیر بیضاوی اور مشکوٰۃ شریف کے علاوہ کسی کتاب کا درس دینا پسند نہ کرتے تھے۔ وعظ میں بڑی تاثیر تھی۔ نماز جمعہ کے بعد ہمیشہ وعظ کہتے تھے۔ جن میں ہزاروں کی تعداد میں سامعین موجود ہوتے تھے۔ احادیث پر مدح کر ان کا فارسی، اور ہندی، میں ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ اور ایسے بزرگ درجے میں خطاب کرتے تھے کہ سننے والوں کے دل بل جاتے تھے۔

شیخ ابوالرضاؒ وحدت وجود کے قائل تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا بیان ہے:

اکثر حال در توجہ الی اللہ یا بیان
معارف با خواص اصحاب
می گذشت، بل وحدت وجود قائل
بودند و در آن باب تحقیق عظیم
داشتند، و در مجالس صحبت متعلقات
کلام صوفیہ را بسیار حل می نمودند

ان کا بیشتر وقت توجہ الی اللہ یا خواص
اصحاب کے ساتھ حقائق و معارف پر گفتگو
میں مشغول ہوتا تھا۔ وہ وحدت وجود کے
قائل تھے۔ اور اس سلسلہ میں انھوں نے
زبردست تحقیق کی تھی۔ اپنی مجالس خاص
میں غنیہ کے کلام کی یکسیر گیون اتفاقاً
کامل بیان فرمایا کرتے تھے۔

استغنا کا یہ عالم تھا کہ اورنگ زیب نے متعدد بار ان سے ملنے کی خواہش

۱۔ ”در آخر بحر دو سلفیک از تھیر بیضاوی و دیگر از مشکوٰۃ درس ایشان نبود۔“
انفاس العارفين - ص ۹۰۔

۲۔ انفاس العارفين - ص ۹۰؛ مذہبی کتب کو عوامی زبان میں منتقل کرنے کی اہمیت
کو سب سے پہلے انھوں ہی نے محسوس کیا تھا۔ ۳۔ انفاس العارفين - ص ۹۰۔

شاہ صاحب جن کا قلب و جگر اس آگ سے پہلے ہی جل چکا تھا اور جن کی تشنگی کسی ابرکرم کی منتظر تھی۔ شیخ یحییٰ مدنی کا نام سن کر بے اختیار مدینہ منورہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ اُن کی والدہ ماجدہ حیات تھیں، لیکن جذبہ شوق نے اتنی بھی مہلت نہ دی کہ اُن سے جا کر اجازت لے لیں۔ اس طویل مسافت کو نہ معلوم کن کن مشکلوں سے طے کیا اور بالآخر شیخ یحییٰ مدنی کے قدموں میں جا پہنچے۔

حضرت شیخ یحییٰ مدنی | حضرت شیخ محی الدین ابو یوسف یحییٰ الجبستی رحمہ اللہ
کمال الدین علامہ کی اولاد سے تھے۔ اپنے زمانے کے مشاہیر صوفیوں میں اُن کا شمار تھا۔ صاحب مرآۃ احمدی نے لکھا ہے:

”ذات مبارک ایشاں تحت بود
بر شاخ سلف بلکہ در تقدیر
ہم مثل ایشاں کم بودہ باشند
بلکہ تقدیر میں بھی اُن کم ہمارے کم لوگ تھے۔“

۲۰ رمضان ۱۱۱۱ھ کو احمد آباد (گجرات) میں پیدا ہوئے تھے۔ بیس سال کی عمر میں علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کر لیا۔ پھر ارشاد و تلقین کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور تزکیہ باطن میں مصروف رہنے لگے۔ شاہ و گد اسب ہی اُن سے عقیدت رکھتے تھے۔ اورنگ زیب جب گجرات کی صوبہ داری پر مامور تھا تو شیخ نظام کو ان کی خدمت میں بھیج کر ملاقات کی استدعا کی تھی۔ شیخ یحییٰ نے معذرت چاہی، لیکن پھر بھی اورنگ زیب اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے پیش گوئی کی کہ تم تحت پرکرن ہو گے اور تم سے ”دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ و آلہ و صحابہ وسلم“ کو تقویت پہنچے گی۔ لکھا ہے کہ شاہزادگی کے زمانے میں اورنگ زیب دو سو روپے سال اُن کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا جو تین

۱۔ تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۹۹۔

۲۔ خاتمہ مرآۃ احمدی۔ ص ۹۹۔

۳۔ خاتمہ مرآۃ احمدی۔ ص ۸۰۔

بیشے کے بعد ہر سال ایک ہزار روپیہ بھیجے لگا۔ سماع پر جب مرزا باقر محاسب نے شیخ کے چمکے لئے تو اورنگ زیب نے معذرت کا خط لکھا اور محاسب کو تنبیہ دی کہ پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرے۔ مکتوبات کلیسی میں ان کا ایک خط نقل کیا گیا ہے جو انھوں نے اورنگ زیب کے نام لکھا تھا:

از جانب شیخ یحییٰ سلام برسد
از آنجا کہ سماع قوت احسانت
منع کردن را، ہم وجہ ندارد۔
شیخ یحییٰ کی جانب سے سلام پہنچا
سماع نیک لوگوں کی غذا ہے۔
اس سے روکنے کی کوئی معقول وجہ
نہیں۔ والسلام۔

غالباً اس عقیدت اور تعلق خاطر ہی کی بنا پر اورنگ زیب اُن کی نقل و حرکت کے متعلق باخبر رہتا تھا۔ مجالس کلیسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک واقعہ نگار نے شیخ کی حجاز روانگی کی تاریخ ایک دن بعد یا پہلے لکھ دی تو اورنگ زیب نے اس کی گرفت کی۔ حضرت یحییٰ مدنی ”ایک روحانی اشارے پر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے۔ وہیں ۲۸ صفر ۱۱۱۱ھ کو وصال فرمایا، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقبرے سے متصل سپرد خاک کئے گئے۔ اُن کے تفصیلی حالات کے لئے معالج الاولیاء فی مدارج الہدایت کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ اُن کے ملفوظات مفتوح الکرامات کے نام سے محمد فاضل بن شیخ فیروز نے ترتیب دیئے تھے۔“

شیخ یحییٰ مدنی کے قدموں میں | مدینہ منورہ پہنچ کر شاہ کلیم اللہ صاحب اپنا زیادہ وقت شیخ مدنی کی خدمت میں گزارنے لگے۔ ایک دن شیخ مدنی اپنے کسی شاگرد کو شرح وقایہ پڑھا رہے تھے۔ شاہ کلیم اللہ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ شیخ تو

۱۔ مرآۃ احمدی۔ ص ۸۱۔

۲۔ مکتوبات کلیسی۔ ص ۸۲۔ مکتوب ۱۰۳۔

۳۔ مجالس کلیسی | مطبع برہانہ حیدر آباد ۱۳۲۵ھ ص ۶؛ مجالس کلیسی کا ایک قلمی نسخہ سالار جنگ میوزیم میں موجود ہے۔ (خبر ۱۹۳/۱۵۶)

علوم ظاہری ہی کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔ شیخ مدنیؒ نے اس خطہ کو محسوس کیا اور وہ کتاب شاہ کلیم اللہؒ کے ہاتھ میں دے دی۔ شاہ صاحبؒ کا یہ حال ہو گیا کہ کتاب کی عبارت تک سمجھ میں نہ آئی۔ اپنے خیال سے تو بد کی، پھر شیخ کے تقدس اور علم و فضل سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے دست حق پرست پر بیعت کر لی اور اپنے حسب حال یہ قطع پڑھا ہے

آئی تو کہ از نام تو می بار عشق
وز نامہ و پیغام تو می بار عشق
عاشق شود آنکس کہ بکویت گزرد
گویا ز در و بارم تو می بار عشق

کچھ عرصہ شاہ کلیم اللہؒ حجاز میں مقیم رہے۔ شیخ مدنیؒ نے اُن کو خرقہ خلافت سے نوازا اور ظاہری و باطنی نعمت سے سرفراز کیا۔ شاہ صاحبؒ جب وطن کو واپس ہونے لگے تو انھوں نے ایک کلاہ اور شجرہ دیا کہ دہلی میں شیخ اچھا کوٹے دینا۔ شاہ صاحبؒ دہلی پہنچے تو سب سے پہلے اُن ہی سے ملاقات ہوئی اور آپس کی محبت اس قدر بڑھ گئی کہ ایک جان اور دو قالب ہو گئے، لکھا ہے:

”حضرت شیخ کلیم اللہ تصدیق شیخ
اچھا شدند، فیما بین دو قہا و شو قہا
و جدانہ ہم رسانید تا حین حیات
رابطہ بیجا شکست و میان داشتند“

حضرت شیخ کلیم اللہ شیخ اچھا کے جگری
دوست بن گئے۔ ان دونوں کا باہمی
تعلق دل کی گہرائیوں تک پہنچ گیا
اور محبت و بیگانگی کا تعلق تمام غلطی با

۱۔ شجرۃ الانوار (قلی)

۲۔ آثار الکرام میں لکھا ہے ”مدتہا در آن دیار فیض آثار بسر برد“ ص ۴۴

۳۔ تذکرۃ الاولیاء ص ۵۵

۴۔ شجرۃ الانوار میں شیخ اچھا کے مزار کے متعلق لکھا ہے: (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

درس و تدریس شاہ کلیم اللہؒ نے دہلی واپس آکر بازار خانم میں اپنا مسکن بنایا اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بازار خانم اس وقت دلی کا سب سے زیادہ بارونق بازار تھا۔ ایک طرف قلعہ کی دلکش عمارت تھی، دوسری طرف جامع مسجد کے فلک بوس مینار، درمیان میں شاہ صاحبؒ کا مدرسہ تھا۔ غالباً یہ جگہ ان کے خاندان کو شاہ جہاں کی طرف سے عطا کی گئی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ قلعہ اور جامع مسجد کے معماروں کے لئے اس سے زیادہ موزوں جگہ ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ شجرۃ الانوار کے مصنف نے لکھا ہے:

غرض کہ فانی فی اللہ حضرت شیخ
کلیم اللہ جہاں آبادی در شہر
شاہ جہاں آباد آمدہ رونق افزا
شدند، در آن زمان رونق و
تیار سی قلعہ تازگی داشت و
جامع مسجد مسکن خود نمود و اکثر
اوقات بعد از صلوٰۃ عصر قلعہ
برائے سیر دریا بنا بر تفریح طبع
می رفت۔

غرض یہ ہے کہ فانی فی اللہ حضرت
شاہ کلیم اللہ، شاہ جہاں آباد تشریف
لے آئے اور یہاں رونق افزا
ہوئے۔ اس زمانہ میں قلعہ بہت
بارونق تھا اور تازہ تازہ تیار ہوا تھا۔
انھوں نے جامع مسجد کو اپنا مسکن
بنایا۔ اکثر نماز عصر کے بعد سیر کے لئے
قلعہ کے نیچے دریا پر تشریف لے جاتے
تھے۔

شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کی علمی شہرت بہت جلد اکناف ملک میں پھیل گئی اور دور دور سے طلباء تحصیل علم کے لئے اُن کی خدمت میں حاضر ہونے لگے، شاہ صاحبؒ کے (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

”مزار شیخ اچھا در آن محضر است کہ زیر روضہ امیر خسرو واقع است، و مولوی غلام حسنین
برادر دینی احقر العباد و خلیفہ خاص حضرت مرشد من در آنجا مدفون اند“

۱۰۴۸ھ میں قلعہ کی بنیاد رکھی گئی، ۱۰۵۰ھ میں تیار ہوا۔

تاریخ ہوئی ۳۰ شد شاہ جہاں آباد از شاہ جہاں آباد

مدرسہ کے متعلق شجرۃ الافکار کا یہ بیان بہت اہم ہے :

بسیار سے طلبائے علم آمد سکونت بہت سے طلباء ان کی خدمت میں
می نمودند و سبق کتب ہائی خواندند اگر رہتے اور علم حاصل کرتے تھے۔
ونان و پارچہ نیز از سرکاری یافتند ان کو کھانا اور کپڑا بھی سرکار سے
ملتا تھا۔

خود شاہ صاحب کو حدیث کے درس میں خاص دل چسپی تھی۔ تذکروں میں مرزا
مظہر جان جاناں کا ایک واقعہ درج ہے کہ وہ شاہ صاحب سے ملنے کے لئے ایک
مرتبہ ان کے مدرسہ شریف لے گئے تو دیکھا کہ شاہ صاحب صحیح بخاری کے درس
میں مشغول ہیں۔

توکل کی زندگی | شاہ کلیم اللہ صاحب کو توکل اور قناعت کی بے پناہ دولت ملی تھی۔
وہ عسرت اور تنگی میں دن گزارتے تھے لیکن کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنا تو
کیا معنی، امر اور سلاطین کی نذریں اور جاگیر نامے تک قبول نہ کرتے تھے۔ تکملہ سیر الاولیاء
کا بیان ہے :

شیخ کی ملکیت میں ۷۷ دے کے کل ایک حویلی تھی جس کا ماہوار کرایہ ۸
آتا تھا۔ شیخ اس سے گذر اوقات کرتے تھے۔ ۸ ماہوار پر ایک مکان کرایہ
پر لے رکھا تھا اور باقی دو روپے میں پورے گھر کا خرچ چلاتے تھے۔

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ خط یا دیگر غیر معمولی حالات کے باعث اس مختصر سی آمدنی نہیں
گذر اوقات نہ ہو سکی اور وہ قرض دار ہو گئے۔ ایک مکتوب میں شاہ نظام الدین
اورنگ آبادی کو لکھتے ہیں :

دریں سالہا کہ از تنگی باران صورت اس زمانے میں جب کہ بارش کی

۱۷ انوار العارفين - ص ۲۳۰ -

۱۸ تکملہ سیر الاولیاء ص ۸۵ -

قحط دریں ملک شدہ بود۔ کمی کے باعث ملک میں قحط کی صورت
وہاں وہ نفر سوار مہاں گزراں پیدا ہو گئی تھی اور نو دس آدمی علاوہ
می شدہ گا ہے بیگا ہے قرض دار ہانوں کے کھانے والے تھے، اکثر
می شدم۔ لے اوقات میں قرض دار ہو گیا۔

لیکن اس کے باوجود شاہ صاحب نے کسی بادشاہ سے کچھ قبول نہیں کیا۔ فرخ سیر
نے بہت کوشش کی کہ ان کو خزانہ سے کچھ دے دیا جائے لیکن انھوں نے ہر بار انکار
ہی کر دیا، تکملہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے :

بادشاہ فرخ سیر بارہا الحاج نمود کہ حضرت از میت المال چیزے قبول
فرماید، ایشاں جواب داند کہ حاجت نیست۔ باز عرض کرد کہ حویلی
از بہر نزول در معرض افتد۔ فرمودند بہر ایں نیز حاجت نیست۔ لے
باز عرض نمود اگر اجازت باشد بندہ در خدمت آمدہ سعادت دارین
بہ قدم بوسی حاصل نمودہ باشد۔ فرمودند کہ تو ظل الہی ہستی در سایہ آں
ذات ہمیشہ بہ دعا گوئی مشغول ام۔ بہ آں نیز حاجت نیست بلکہ

۱۷ مکتوب ۱۲ ص ۲۱

۱۸ بعد کو شاہ صاحب نے ایک حویلی قبول فرمایا تھی۔ ایک مکتوب میں شاہ
نظام الدین صاحب کو لکھتے ہیں۔

شاہ ضیاء الدین برائے فقیر از بادشاہ حویلی یک ہزار و دو درعہ بازار خاتم کہ
مشمول است بریک ایوان و دو حجرہ و یک چاہ و یک چاہہ گرفتہ ص ۸۱

فخرالطالین میں لکھا ہے کہ آخر زمانے میں شاہ صاحب کی مالی حالت اچھی ہو گئی تھی اور فوج
کا سلسلہ ایسا شروع ہوا تھا کہ انھوں نے قریب ایک لاکھ روپیہ املاک وغیرہ ترکہ میں
چھوڑا تھا (ص ۱۱۴) لیکن ان کے مکتوبات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ آخر زمانہ
کے مکتوبات سے بھی عسرت اور تنگی کی حالت ظاہر ہوتی ہے۔

دکن میں ایک بار کچھ لوگوں نے اُن کو بُرا بھلا کہا۔ شاہ نظام الدین نے اس کی اطلاع ان کو دی تو جواب میں ارشاد فرمایا:

”ہر کہ مارا بد یا دمی کند ماستحق
کوئی شخص ہمیں بُرائی سے یاد کرتا
زیادہ از انیم کہ اولطف کردہ کم
ہے (تو ہمیں اس سے کوئی شکایت
دشنام می دهد، ماعفو کردیم
نہیں اس لئے کہ ہم اس سے زیادہ
شما ہم عفو کنید“ ۱۷

بُرائی کے سچی ہیں۔ اس نے لطف
کیا اور ہمیں کم گالیاں دیں ہم نے
اُسے معاف کر دیا، تم بھی اُسے معاف
کردو۔

ایک موقع پر نہایت موثر انداز میں اپنا نقطہ نظر اس طرح سمجھاتے ہیں —
”درویشی ہمیں جفا و خفا کشیدن
درویشی حقیقت میں لوگوں کی آبی
از خلق ہست و برداشت و صبر
جفا و خفا کے برداشت کرنے کا نام
نمودن بر آلاں والاژندہ پوشی
ہے اور اس پر صبر کرنا درویشی ہے
ہر ناشستہ او ہم میتواند کرد اگر
در نہ خرقہ تو ہر کس و ناکس پہن سکتا
کے غیبت شما کرد، در نفس الامر
ہے۔ اگر حقیقت میں تم ٹھیک ہو
اگر شما خوب ہستید بدی آنکس
تو اس شخص کی بُرائی تم پر اثر انداز نہ
سرایت بشما نخواہد کرد بلکہ بہ
ہوگی بلکہ وہی خود اس بُرائی میں
ہمیں بدی او گرفتار خواہد بود۔
گرفتار رہے گا۔ اگر حقیقت میں تم
واگر در نفس الامر شما خوب نیستند
ہی خراب ہو تو اس کا تم کو بُرا کہنا
پس غیبت او موافق ارشاد شما
تہماری فلاح کا باعث ہونا چاہئے۔
شد“

بندہ را تصدیق خواہد رسید“ ۱۸

مجالس کلیبی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرخ سیر کے طرز زندگی اور سیاسی ذمہ داریوں کے عدم احساس کے شاکي تھے۔ جمعہ کی نماز آپ جامع مسجد میں پڑھتے تھے وہاں بادشاہ بھی ہوتا تھا۔ لیکن آپ کا اتنا رعب تھا کہ اُسے بغیر اجازت بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ۱۹

شاہ صاحب کا اخلاق | شاہ صاحب نہایت حلیم الطبع اور خوش مزاج انسان تھے۔ جب کوئی شخص جس کو ان کی ناراضگی کا خیال ہوتا، معذرت کا خط لکھتا تو اس انداز میں جواب دیتے کہ مومن کے اس شعر کی جیتی جاگتی تصویر بن جاتے ۲۰

نارسانی سے دم ر کے توڑ کے
میں کسی سے خفا نہیں ہوتا

وہ دشمنوں اور مخالفوں سے بھی کبھی ناراض نہ ہوتے تھے۔ جب کسی سے تکلیف پہنچتی تو یہ شعر زبان پر آ جاتے ۲۱

ہر کہ مارا رنجہ دارد را خشن بسیار باد
ہر کہ مارا یار نبود اینزد او را یار باد
ہر کہ خائے بر نہد در راہ ما زد نمی
ہر گئے کز باغ عمرش بشگفتہ خراباد ۲۲

اپنے مہیروں کو بھی یہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کی جفا و خفا برداشت کریں گے اور لب نہ ہلائیں۔ کہتے تھے کہ ہمارا کام دلوں کو ایک جگہ کرنا ہے۔ اس میں جتنی بھی مشکلات پیش آئیں، ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہئے۔ ۲۳

۱۸ تکلم سیر الاولیاء ص ۸۵ - ۱۹ مجالس کلیبی ص ۶۶

۲۰ مکتوبات کلیبی - م ۲۳ ص ۲۸ م ۹۸ ص ۷۸ -

۲۱ مکتوبات م ۵ ص ۹ - ۲۲ مکتوبات م ۲۳ ص ۲۶ -

تصانیف | شاہ کلیم اللہ صاحب نے تصانیف کا ایک بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے جس سے اُن کے تجربہ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مناقب فریدی میں اُن کی تعداد ۳۲ بتائی گئی ہے۔ اُن کی مندرجہ ذیل تصانیف ہم تک پہنچی ہیں :

① — قرآن القرآن بالبيان

② — عشرہ کاملہ

③ — سوار السبیل

④ — کشکول

⑤ — مرقع

⑥ — تسنیم

⑦ — الہامات کلیمی

⑧ — رسالہ تشریح الافلاک عالمی محشی بالفارسیہ

⑨ — شرح القانون

شاہ صاحب کی ایک تصنیف رسالہ رد و افض کا بھی بعض کتابوں میں ذکر ہے، لیکن وہ دستیاب نہیں ہو سکی۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ علم منطق پر بھی ان کا ایک رسالہ تھا وہ بھی اب نایاب ہے۔ غالب کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب شعر بھی کہتے تھے اور ان کا کلام غدر کی تباہیوں کی نذر ہو گیا تھا۔ شعر و سخن سے دل چسپی اُن کے خاندان کی خصوصیت تھی۔

قرآن القرآن بالبيان عربی زبان میں قرآن پاک کی نہایت فخرتھیں تھیں۔ مناقب المحبوبین کے فاضل مصنف نے اس کو جلالین کے ہم پایہ بتایا ہے۔ فرق صرف

اتنا ہے کہ وہ شافعی مذہب کی ہے اور یہ حنفی کی۔ دیباچہ میں اپنا تعارف اس طرح کرتے ہیں الفقیر حکیم اللہ بن خوسر اللہ الحنفی من ہذا الصوفی مشوباً اس تفسیر سے ان کا سب سے اہم مقصد تفہیم قرآن کی سہولت بہم پہنچانا تھا۔ اگلی فارسی میں قرآن کے ترجمہ اور تفسیر کا کام عام نہیں ہوا تھا۔ اس لئے انھوں نے عربی ہی میں تفسیر لکھی جو مختصر ہے اور علماء احناف کی تفاسیر کے بیچ پر ہے۔ فقہی موشگافیوں سے گریز کیا گیا ہے لیکن حنفی مسلک کی برتری ثابت کرنے کی کوشش نمایاں ہے تفسیر ۱۲۵۱ھ میں لکھی گئی تھی جب شاہ صاحب کی عمر تقریباً ۶۵ سال تھی مناقب ۱۱۱۳ھ میں لکھا ہے کہ شاہ فخر الدین صاحب کو اس نسخے کی تلاش تھی۔ ایک مرتبہ بازار تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک شخص کے پاس اس کا نسخہ دیکھا اور بڑی قیمت دیکر خرید لیا۔ ۱۲۵۱ھ

۱۲۵۱ھ میں میرٹھ کے مطبع احباب سے منشی عرفان الحق نے اس تفسیر کو اس طرح شائع کیا تھا کہ کلام پاک کے متن کے نیچے شاہ رفیع الدین کا ترجمہ تھا اور حاشیہ پر تفسیر مولانا محمد قاسم نالوتوی نے اس کی تاریخ لکھی تھی۔

کار فرما سے مطبع احباب	شیخ عرفان حق جوان دیر
اور مختار ہاشمی مطبع	کون ہاشم علی باتدیر
چھاپا ہو کر جمع دونوں نے	ایسا مصحف نہیں ہے جسکی نظیر
بیچ میں ترجمہ ہے اور اوپر	ایک تفسیر کی نئی تحریر
وہ تو فیض شہر رفیع الدین	بحر مواج فیض خمیر کثیر
اور یہ فیض شہر کلیم اللہ	تھے طریقت میں جو کہ بدرنیر

۱۷ — مناقب المحبوبین - ص ۴۶

۱۸ — مناقب فخریہ - ص ۶۹ (تلی) قرآن کا حرف ایک قلمی نسخہ اب موجود ہے (کتب خانہ

اصفیہ ج ۱ ص ۵۲) بروکلمان کو بھی اس کے علاوہ کسی دوسرے نسخہ کا یہ نہیں جلا۔ (۵۸۳-۵۸۴)

۱۹ — مناقب فریدی - ص ۳۴

۲۰ — مناقب المحبوبین ص ۴۶ نیز مناقب فریدی ص ۳۴

۲۱ — اردو سے معنی حصہ اول ص ۱۸۲ - ۱۸۳

نے اس کی مخصوص افادیت کے متعلق لکھا ہے:

کشکولے کہ لقا تش لطیفہ
ربانیہ رطاقت بخشنہ و درپیکر
اسلام مجازی روح ایمان
حقیقی درودہد - و مردگان طبیعتا
حیات جاودانی ارزانی دارد
ہیں اور مردہ طبیعت کو جاودانی
زندگی عطا کرتے ہیں۔

بعد کے مشائخ کا یہ دستور تھا کہ وہ خرقہ خلافت کے ساتھ مرقع اور کشکول بھی دیتے تھے۔ خود شاہ صاحب کے مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاص مریدین کو اصلاح نفس اور روحانی تربیت کے لئے کشکول کے مطالعہ کی ہدایت فرمایا کرتے تھے، ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

شما صحبت ہادریا فتنہ اند دو
کشکولے و مرقع آنجا موجود اند
ہر طالب را موافق حوصلہاں
یہ نیابت ذکرے و شغلے بفرمائند
اپنے بزرگوں کی صحبت کسب فیض کریا
وہاں دو جلدیں کشکول کی اور ایک جلد مرقع
کی موجود ہے۔ ہر طالب کو اس کی بہت اور
حوصلہ کے مطابق ذکر اور شغل کی ہدایت کریں۔

حافظ محمد علی صاحب خیر آبادی، کشکول کو ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ میاں اسلم صاحب نے کسی کو پڑھنے کے لئے دے دی، تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا: "یہ کتابیں ایسی نہیں ہیں کہ نقل مجلس بنائی جائیں۔"

- ۱ کشکول طیبی - ص ۲
- ۲ تکریمہ میرالاولیاء - ص ۸۱
- ۳ مکتوبات کلیمی - ص ۱۱۶ م ۹۳
- ۴ مناقب حافظیہ - ص ۱۵۷

چھپ چکا جبکہ سب یہ جرجان ہاتھ غیب نے پے تشہیر
کر کے آواز کو بلند کہا چھپا قرآن بمعنی و تفسیر

۹۰ ۱۲ ۵۱

عشرہ کاملہ، سوار اسبیل، کشکول، مرقع، تسنیم اور الہامات کلیمی تصوف سے متعلق ہیں۔ ان میں تصوف کے مختلف علمی اور عملی پہلوؤں پر نہایت عالمانہ گفتگو کی گئی ہے۔ عشرہ کاملہ، کشکول اور مرقع شائع ہو چکے ہیں۔ سوار اسبیل کا ایک عمدہ نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

ان کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی رہبر کی حیثیت سے شاہ صاحب بڑی ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اس کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ مشائخ متقدمین کی کتابوں اور اپنے ذاتی تجربات سے انھوں نے جو کچھ حاصل کیا تھا وہ ان اوراق میں موجود ہے۔ ان کی تصانیف میں کشکول کلیمی کو سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ کتاب سال ۱۱۸۹ھ میں بعض احباب کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔ اس وقت ان کی عمر ۴۹ سال تھی۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں بڑی بڑی شخصیات اور تجربہ میں بڑی وسعت پیدا ہو چکی تھی۔ صوفیہ متاخرین نے بجا طور پر اس کو اپنا "دستور العمل" بنایا۔ شاہ صاحب

مولانا محمد قاسم نانوتوی ہی نے یہ تاریخ بھی نکالی تھی۔

کیا خوب واہ کیا خوب

ختم المصاحف

کیا خوب چھپا کیا خوب

۹۰ ۱۲

۳۲۵

تکریمہ میرالاولیاء - ص ۸۱

مرق کی حیثیت کشکول کے ضمیمہ کی سی ہے۔ کشکول میں روحانی ترقی کے اعلیٰ مدارج اور دشوار گزار راہوں کا ذکر ہے تو مرق میں اس سفر کی تیاری کے لئے جس ساز و سامان کی ضرورت ہے، اس کی تفصیل بتائی گئی ہے۔ چنانچہ ان دونوں کتابوں نے مل کر ایک مکمل ضابطہ روحانی کی شکل اختیار کر لی۔ اور صوفیہ مناظرین نے اس کو وہی مرتبہ دیا جو صوفیہ متقدمین نے فوائد القواد اور کشف المحجوب کو دیا تھا۔ خواجہ گل محمد احمد پوری لکھتے ہیں :-

ہر آن کو لقمہ زین کشکول ماخوذ
قلندر گشت، گوازد دو جہاں برد
ہر آن کو این مرقع کرد بردوش
بجاناں بیگیاں گردد ہم آغوش

تسلیم کو بھی صوفیہ نے بہت پسند کیا۔ خواجہ محمد عاقلؒ نہایت ہی والہانہ انداز میں اس کا درس دیا کرتے تھے۔ ان کے ایک مرید مولانا عبداللہ نے جوڑے عالم و فاضل تھے۔ اس کی شرح تنسیم کے نام سے لکھی تھی۔

”رسالہ شرح لتشرق الافلاک عالمی محشی بالفارسیۃ“ علم ہیئت سے متعلق ہے۔ اس کا ایک نادر نسخہ نذیریہ پبلک لائبریری دہلی میں موجود ہے، ”شرح قانون کا واحد نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں ہے۔“

مکتوبات | شاہ صاحبؒ کے مکتوبات کا مجموعہ مکتوبات کلیبی کے نام سے مشہور ہے۔ ان مکتوبات سے ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا پورا نقشہ ہماری آنکھوں کے

سامنے آ جاتا ہے۔ اعلا رکلتہ الحق کے لئے ان کی پُر خلوص جدوجہد چشتیہ سلسلہ کی ترقی کے لئے مسلسل کوشش، اور شکریوں اور عوام میں روحانی تعلیم و تربیت کے لئے ان کی سعی تبلیغ کا علم ان ہی مکتوبات سے ہوتا ہے۔ ان کی دیگر تصانیف اگر ان کی ”علیت“ کی شاہد ہیں تو یہ مکتوبات ان کی ”علی“ سرگرمیوں کے آئینہ دار ہیں۔ ان دونوں کے مطالعہ سے شاہ صاحبؒ کی زندگی کے علمی اور علمی دونوں پہلو روشن ہو جاتے ہیں، اور ان کی شخصیت پوری طرح ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔ قطع نظر تمام اور خصوصیات کے، ان مکتوبات کی زبان، طرز نگارش اور فصاحت و بلاغت بے مثال ہے۔ اٹھارہویں صدی کے فارسی ادب میں یہ مکتوبات اس اعتبار سے یقیناً امتیازی مقام کے مستحق ہیں۔

تعداد میں یہ مکتوبات کل ۱۳۲ ہیں۔ جن میں سے سو سے زیادہ شاہ نظام الدین اور رنگ آبادیؒ کو دکن بھیجے گئے ہیں۔ باقی خطوط مولانا محمد، دیارام، اور عبدالرشید وغیرہ کے نام ہیں۔ شاہ نظام الدین صاحبؒ کے نام جو مکتوبات ہیں وہ نسبتاً مفصل ہیں اور حقیقت میں سارے مجموعے کی جان ہیں۔

شاہ کلیم اللہؒ نے اسلامی ہند کی تاریخ کے ایک نہایت ہی نازک اور اہم دور میں احیاء ملت کے لئے جدوجہد کی تھی۔ یہ اورنگ زیب کے عہد حکومت کا آخری زمانہ تھا۔ ہندوستان کی سیاست کا مرکز ثقل شمال سے جنوب کی طرف منتقل ہو چکا تھا، بادشاہ، شاہی خاندان، فوج کا بیشتر حصہ دکن میں تھا۔ شمالی ہندوستان کی اہمیت نسبتاً کم ہو گئی تھی۔ دہلی، آگرہ، لاہور سب اسپنی عظمت ویرینہ کو خیر یاد کہہ چکے تھے۔ محلات پر حسرت ناک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سارا ساز و سامان تالوں میں بند پڑا تھا۔

شاہ صاحبؒ نے وقت کی آواز کو پہچانا اور اپنے عزیز ترین مرید شاہ نظام الدینؒ کو تبلیغ و اصلاح کے کام کے لئے دکن روانہ فرما دیا۔ ایک مکتوب میں ان کو لکھتے ہیں:

۱۔ تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۸۱

۲۔ تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۵۹

۳۔ فہرست کتب قلی نذیریہ پبلک لائبریری، دہلی۔ مرتبہ محمد ہدی جعفر، ۳۳/۵

۴۔ فہرست کتب خانہ رامپور۔ ۱۸۹۶ء (طب)

”شمار اللہ تعالیٰ صاحب ولایت
دکن ساختہ است۔ این کار را
تمام نمائید۔ قبل ازین می شوم
کہ بشکر بروید، اکنون اس امر
است ہر جا کہ باشند در اعلا
کلمۃ الحق باشند و جان و مال
خود صرف این کار کنید۔“
تم کو اللہ تعالیٰ نے دکن کی ولایت
عطا فرمائی ہے۔ تم یہ کام پورے
طور پر انجام دو۔ میں نے اس سے
پہلے تم کو لکھا تھا کہ شکر میں جاؤ۔
لیکن اب یہ حکم ہے کہ جہاں کہیں بھی
ہو اعلائے کلمۃ الحق میں مصروف رہو
اور اپنے جان و مال کو اسی میں مشغول
کردو۔

شاہ صاحب کے مکتوبات میں ایک بے قرار اور بے چین قلب کی دھڑکنیں
سنائی دیتی ہیں۔ ہر خط میں وہ اپنے مرید کو اعلائے کلمۃ الحق کی ہدایت کرتے ہیں اور پکار
پکار کر کہتے ہیں:

”جان و مال خود صرف این کار
کنید۔“
”فیض دینی و دنیوی بہ عالم رساند
و ہمہ حلاوت و عیش خود را فدائے
آں بندگان باید کرد۔“
اپنا جان اور مال اسی کام میں
صرف کردو۔
دینی اور دنیوی فیض دنیا پہنچاؤ
اپنا عیش و آرام اور راحت
انساؤں پر فدا کردو۔

ان کا احساس ملی اسلام کا پیغام ہر کان تک پہنچانے کے لئے مضطرب تھا۔ چنانچہ بار بار
مریدوں سے کہتے ہیں:

”در آں کوشید کہ صورت اسلام
کوشش یہ کرو کہ اسلام ترقی کرے

وسیع گردد و ذاکرین کثیر“ لہ
اور ذکر کرنے والوں کی تعداد میں
اضافہ ہو۔

وہ خطوط میں اور باتیں بھی لکھتے ہیں لیکن جس کو بار بار دہراتے ہیں وہ یہی ہے:
بہر حال در اعلائے کلمۃ الحق کوشید
ہر حال میں کلمۃ الحق کی بلندی کے لئے
وازمشروع! مغرب ہمسایہ حقیقی
کوشش کرتے رہیں اور مقصد پیش نظر
یہ ہو کہ مشرق سے مغرب تک حقیقی اسلام
پھیل جائے۔

متوجہ اعلائے کلمۃ الحق باشند
واللہ ممیتیم و ذکر و ذکر و ذکر
اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت کی روشنی کو کمال
تک پہنچانے والا ہے، کفار اس کو پسند کریں۔

اُن کے قلب مضطرب کی آواز صرف ایک جملہ میں پوشیدہ تھی ”از مشرق تا مغرب ہمہ اسلام
حقیقی برکنید“ اسی دھن میں ان کے شب و روز گزرتے تھے۔ وہ ہلکی سی دھڑکنیں دکن کا نظام
تبلیغ و اصلاح اُن کی ہدایتوں کے ماتحت کام کر رہا تھا۔ وہ ناسازگار حالات کو دیکھتے
تھے، لیکن اللہ پر اُن کا بھروسہ تھا اور کائنات پر اُن کا ایمان۔
لوگوں کو مادیت پسند دیکھ کر ان کا قلب پریشان ہونے لگتا تھا۔ اور وہ گھبرا گھبرا کر
کہتے تھے:

بر دل بندگان خدا محبت دنیا
سرد گردانند۔
بندگان خدا کے دل سے دنیا کی
محبت ختم کر دینا چاہئے۔

جب عیش پرستی اور نفس پروری میں لوگوں کو گرفتار دیکھتے ہیں تو سمجھاتے ہیں:
اے دوست دنیا جائے نفس
اے دوست! دنیا نفس پروری

۱۔ مکتوبات کلیہ م ۲۱ ص ۲۶۔

۲۔ مکتوبات م ۲۱ ص ۲۶۔

۳۔ مکتوبات م ۵ ص ۴۰۔

۱۔ مکتوبات م ۴ ص ۴۰۔

۲۔ مکتوبات م ۸۰ ص ۴۲۔

۳۔ مکتوبات م ۱۳ ص ۱۹۔

”ہمیشہ دراعلاء کلمۃ اللہ کہ بیان من وعن رسیدہ کوشش نمایند“۔
اجیائے دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کی فضیلت کو وہ یہ کہہ کر ذہن نشین کراتے ہیں کہ یہ موجب رضائے الہی ہے اور انبیاء کا خصوصی کام ہے:

دربس باب جہاد نمایند و اس کار سہل نہ انگارند، منتشر اور مہمورہ عالم سازند کہ رضائے الہی درین است و مفاہد فرزندان آدم نمایند کہ انبیاء مبعوث برائے ہمیں کار بودہ اند“

ایک مکتوب میں اس کو ”کار بزرگ“ کہتے ہیں۔

شمار کار بزرگ ایصال فیض و اعلاء کلمۃ اللہ فرمودہ ام ہمیں درین کار گرم آمدید“۔

شاہ صاحبؒ کے اس اصرار و پیہم اور کوشش مسلسل نے مریدوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ شاہ نظام الدین اور نگ آبادیؒ نے اپنے پیروم و مشد کی ہدایات پر عمل کیا اور بہت جلد کامیابی حاصل کی۔ جب شاہ نظام الدین صاحبؒ کا ایک مرید نور محمدؒ ان کا خط لے کر دہلی آیا تو شاہ کلیم اللہؒ نے سب کیفیت دریافت فرمائی۔ شاہ نظام الدینؒ کی تبلیغی مساعی کو بخیر نظر استحضار دیکھا اور اس مضمون کا ایک خط بھیجا:

مطالعہ فرمایند امر و ذکرہ، محرم الحرام ۱۱۳۳ھ مرقوم می گرد کہ میاں نور محمد خادم شہاکہ از اولاد حضرت مخدوم بہار الدین زکریا..... کتابت شما آوردہ اند..... الحمد للہ و المنتہ در اعلاء کلمۃ اللہ سعی موفور مبذول است۔ مرقوم بود کہ در حین وضع اعلاء بیشتر است۔ بہ نسبت آل وضع اے برادر۔ بہر حال مقصود ایصال فیض فقر محمدی است بعالمیاں، بہر وضع کہ بیشتر این کار سرانجام یابد یا بدید کرد“۔

پروری و تن آسانی نیست۔ اور تن آسانی کی جگہ نہیں۔

تبلیغ دین و دعوت حق کے ثواب اور فضیلت کو ان پر زور الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:
واقوب عند اللہ و رسولہ آل کسے روز ستیغراست کہ در افشائے

نور باطن ایمان ساعی است“۔

جذبہ اعلاء کلمۃ الحق کا اتنا غلبہ ہے کہ شاہ نظام الدین اور نگ آبادیؒ کو اپنے ایک مرید کے منصب شاہی سلنے کی اطلاع دیتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ اپنے اہل نصب العین کی طرف اس طرح متوجہ کرتے ہیں:

”اے برادر منصب ما و شما فخر اے بھائی، تمہارا (حقیقی) منصب است، کوشش کنید در اعلاء کلمۃ اللہ“۔

ان کی تمنا تھی کہ ان کے تمام مرید اشاعت اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کمر بستہ ہو جائیں۔ اور وہ خلافت اسی مقصد کے پیش نظر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ نظام الدین صاحبؒ نے ایک شخص کے لئے خلافت کی سفارش کی تو جواب میں ارشاد ہوا:

”جب تک اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کمر بست نہ باندھی جائے خلافت سے کیا فائدہ“۔

بار بار ان کی زبان سے یہی نکلتا ہے کہ تبلیغ اسلام اور اچیلے دین کی کوشش کرو۔ یہی مسلک ہمارے بزرگوں کا رہا ہے۔ اس میں کوتاہی اچھی نہیں۔ اپنے مرید محمد علی کو کہتے ہیں:

۱۔ مکتوبات م ۴، ص ۵۹

۲۔ مکتوبات کلیدی م ۴، ص ۵۹

۳۔ مکتوبات م ۵۴، ص ۴۹

۴۔ مکتوبات م ۳۹، ص ۳۹

۱۔ م ۱۱۵، ص ۸۸

۲۔ مطابق سلسلہ مکتوبات کلیدی م ۴۸، ص ۴۶

تھے۔ ایک دوسرے خط سے پتہ چلتا ہے کہ دیارام کا اسلامی نام شاہ صاحب فیض اللہ رکھا تھا۔

”بر دیارام یعنی شیخ فیض اللہ اگر کتابت می نویسہ جواب می نویسیم“ لے
معلوم ہوتا ہے کہ دیارام نے اس خوف سے کہ کہیں اس کے مسلمان ہونے کا اظہار نہ ہو
جائے۔ خطوط بہت کم لکھے۔ شاہ کلیم اللہ ایک خط کے جواب میں انھیں لکھتے ہیں :
”محبت اطوار خواجہ دیارام از یاد حق بہ آرام تمام باشند، قبل ازین نمیتہ
ارسال ایں طرف نمودہ بودند۔ یکے از دوستان شاہ نظام الحق والین
رسانید و ازین طرف مکر جواب رفتہ۔ قاصدان نامہ برراچہ تو ال کرد“ لے
دیارام کو درود کی مواظبت اور چند کتب سلوک کے مطالعہ کی تاکید شاہ نظام الدین
صاحب کے ذریعے اس طرح فرماتے ہیں :

در جواب دیارام نوشتہ آمد کہ مواظبت بہ درود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم بسیار نمایند کہ برمایہ ہر سعادت این است۔ دیگر مطالعہ کتب ،
سلوک و تواریح چون شفات و تذکرۃ الاولیاء و رسائل حقانی چون لمعائ
و شرح لمعات و لواح و شرح آل در مطالعہ داشتہ باشند، اما احد سے از
یہ کجا محکم مطلع نہ شود“ لے

شاہ صاحب کے کا نظام تعلیم و تربیت | شاہ کلیم اللہ صاحب نے اپنے مریدوں کی اصلاح
و تربیت کے لئے نہایت مکمل نظام قائم کیا تھا۔ انھوں نے اپنے اُن تمام مریدوں کی جو
تبلیغی اور اصلاحی کام پر مامور کیا تھا، نہایت سختی سے نگرانی کی، وہ اُن سے بار بار معلوم
کرتے رہتے تھے۔

شاہ نظام الدین صاحب کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ہندو گرو دیارام
ہو گئے۔ بعض اپنے رشتہ داروں کے ڈر سے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار نہیں کرتے تھے۔
لیکن دل سے مسلمان ہو چکے تھے۔ شاہ کلیم اللہ صاحب ایک مکتوب میں تحریر
فرماتے ہیں :

”دو دیگر قوم بورہیمہ دیارام اور (آپ کے خط میں) یہ بھی لکھا
و ہندو ہائے دیگر بسیار در
ربقہ اسلام درآمدہ اند، اما
بامردم قبیلہ پوشیدہ ماند۔“ لے
لوگوں سے اس بات کو پوشیدہ
رکھتے ہیں۔

ساتھ ہی ساتھ اس چیز کو بھی پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد
اپنے مسلمان ہونے کو مخفی رکھے۔ مبادا بعد موت اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے
جو غیر مسلموں کے ساتھ کیا جاتا ہے :

”برادر من اہتمام نمایند کہ آہستہ آہستہ ایں امر جلیل از بطون بظہور آجاء
کہ موت در عقب است، مبادا احکام اسلام بعد از رحلت بجا نیارند
و مسلمانان حقیقت را بسوزانند، دیارام اگر خط می نویسہ خط نوشتہ
خواہد شد“ لے

اس مکتوب سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب کی تبلیغی مساعی کس حد تک
دکن میں کامیاب ہوئی تھیں۔ اس خط میں دیارام کا ذکر ہے۔ یہ شخص بھی اُن لوگوں میں
سے تھا جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن قبیلہ کے ڈر سے اس کا اظہار نہیں کرتے

لے مکتوبات م ۲۲ ص ۲۱

۵ مکتوبات م ۱۰۸ ص ۸۴

۳ مکتوبات م ۶ ص ۱۱-۱۲

لے مکتوبات م ۲۱ ص ۲۵

۵ مکتوبات م ۲۱ ص ۳۱

”کجائتا بہ کجبا ترقی کردہ اند“ ۱۷

وہ خود پہلی میں رہتے تھے لیکن دکن کا نظام تعلیم و تربیت ان کی زیر ہدایت کام کر رہا تھا۔ معمولی معمولی معاملات پر وہ مرکز سے ہدایات روانہ کرتے تھے۔ مریدوں کا یہ حال تھا کہ بغیر ان کی اجازت کوئی قدم نہ اٹھاتے تھے۔ ایک خط میں خود نظام الدین صاحب نے کو لکھتے ہیں:

”رحمت خدائے تعالیٰ بر شما باد کہ
بے اجازت قدم برندارند کہ سیکہ
بدولتے رسیدہ ہیں ادب رسیدہ“
اللہ کی تم پر رحمت ہو کہ بے اجازت
قدم نہ کریں اٹھاتے جس نے بھی
دعوت و عظمت اور روحانی سعادت
حاصل کی، اسی ادب حاصل کی۔ ۱۸

خطوط کے معاملہ میں وہ نہایت باقاعدگی برتتے تھے۔ خط میں دیر ہو جاتی تو شاق گذرتا۔ انتظار میں رہتے اور لکھتے:

(۱) در ایصال ناجات تسلیح نورزند
المکتوب نصف المقات است ۱۹
خطوں کے بھیجنے میں دیر نہ کریں۔
خط نصف ملاقات ہے۔

(۲) عذر نوشتن کتابت از طرف ما
اگر باشد مقبول است و مسموع و
از طرف شما مقبول و مسموع ۲۰
خط (میں تاخیر) کا عذر اگر ہماری طرف
سے ہو تو قبول کیا جاسکتا ہے اور سنا
جاسکتا ہے لیکن اگر تمہاری طرف سے ہو
تو نامقبول و نامسموع ہے۔ ۲۱

(۳) مکتوب محبت اسلوب مدتہا
مکتوب محبت اسلوب مدت سے ۲۲

۱۷ مکتوبات م ۳۳ ص ۳۵

۱۸ مکتوبات م ۵۱ ص ۹

۱۹ مکتوبات م ۳۳ ص ۳۵

۲۰ مکتوبات م ۲۳ ص ۲۸

است کہ فرسیدہ چشم نگران است نہیں آیا، آنکھیں منتظر ہیں۔

وہ چاہتے تھے کہ مرید جو خط بھیجیں وہ محض رسمی نہ ہوں۔ بلکہ اس میں اپنے پورے حالات و اوقات اور تقسیم اوقات کی بابت لکھیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کن کن مشاغل میں ان کا وقت صرف ہوتا ہے اور اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں وہ کس حد تک سرگرم ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک ان کے اصلاحی نظام کی کامیابی کا انحصار اس پر تھا کہ مریدوں کی پوری نگرانی کی جائے۔ اور ان کی خلوت و جلوت کا پورا پروگرام مرتب کیا جائے۔ وہ ضبط اوقات اور پابندی اصول کا درس دیتے رہتے تھے۔ اکثر مکتوبات میں اپنے مریدوں سے نظام اوقات دریافت فرماتے ہیں، اور معلوم ہونے پر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں:

”تقسیم اوقات و توزیع مراتب خلوت و جلوت ہمہ معلوم شد“ ۲۱

اگر کوئی خلیفہ اپنے پروگرام سے مطلع نہ کرتا تو شاہ صاحب خود دریافت فرماتے:

”اما خوب معلوم نشد کہ اوقات گرامی بکدام توزیع مصروف است آیا
برنگ طالب علمان یا درویشان یا نہ ایشان و نہ ایشان“

۲۰ ص ۱۵ م

پابندی اوقات نہ کرنے والے کے متعلق صاف صاف لکھ دیتے ہیں:

”ضبط اوقات کہ نہ دارد خسر الدنیا والآخرہ است“ ۲۲

۲۱ ص ۲۲ م

سرگرمی اور مشغولیت کی برابری تاکید رہتی ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

”شمار کار خود سرگرم تر باشید تم اپنے کام میں اور زیادہ سرگرم
کہ بیچ کس بر شما شائق نتواند بود ہو جاؤ یہاں تک کہ جو تمہارے

۱۷ مکتوبات م ۶۳ ص ۵۳ -

۱۸ مکتوبات م ۹۳ ص ۶۱ نیز م ۱۱ -

مگر آنکھ کا رشتا بکند۔
پاس پہنچے تمہارا کام کرنے لگے۔

۶۴۲ ص ۵۴۲

بعض اوقات خود بھی شاہ صاحب اپنے مریدوں کے لئے نظام اوقات متعین فرماتے تھے۔ ایک خط میں فجر کی نماز کے بعد سے لے کر رات تک کا نفلی اور انفرادی پروگرام بتانے کے بعد اجتماعی پروگرام کی طرف اس طرح متوجہ کرتے ہیں:

..... بشریعت الاحکام باید نمود..... یاران اہل علم را درس تفسیر وحدیث وعبادت وفقہ درمیان ظہر وعصر وبعد از صبح بحکمید و اہل شوق کہ اندکے معلم آشنا باشد درس لمعات دلوایح و امثالین بہر حال مراتب تمکین بہ از مراتب تلویں است۔

۹۹ ص ۴۸-۴۹

ذاتی مطالعہ کے لئے حدیث وفقہ، اخلاق و تصوف، سیر و تاریخ کی کتابوں کی ہدایت فرماتے ہیں:

”بمطالعہ کتب.... حدیث وفقہ کی کتابیں اور سلوک و سلوک چوں احیا و کیمیاء کی کتابیں مثلاً حیار العلوم اور امثال ذلک چوں تواریخ کیمیائے سعادت اور شایع متقدّمین مشایخ پیشین بہتر است“ کے تذکرے مطالعہ کرنے بہتر ہیں۔

ایک اور خط میں تذکرۃ الاولیاء شیخ فرید الدین عطار، نفحات الانس مولانا جامی منازل السائرين اور رتحات کے مطالعہ کی خاص طور سے تلقین کی ہے۔ شاہ صاحب اپنے مریدوں کے تعلقات کی نگرانی بھی فرماتے تھے۔ اگر بر بنائے بشریت کوئی جھگڑا یا بد مزگی آپس میں پیدا ہو جاتی تو اس کو جلد رفع کرنے کی کوشش کرتے اور غصہ و درگد

کی ہدایت فرماتے تھے تاکہ نظام میں خلل واقع نہ ہونے پائے، ایک خط میں لکھتے ہیں:

”حقائق میاں اسد اللہ ومیاں ضیاء اللہ تفصیل معلوم شد، تم کو ہرگز ان دونوں سے مخالفت نہ کرنی چاہئے، بلکہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔“

۲۰ ص ۲۳۲-۲۳۳

پھر ایک خط میں نصیحت کرتے ہیں:

میاں اسد اللہ ومیاں ضیاء الدین برادران شما اند باید کہ با یک دیگر فانی باشند و اگر از یکے خفا مرضی امرے شد دیگرے از کرم عفو نماید و محبت زندگانی کنند۔
میاں اسد اللہ ومیاں ضیاء الدین تمہارے بھائی ہیں۔ چاہئے کہ شہر و شکر ہو کر ہو۔ اگر کسی سے دوسرے کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہو جائے تو دوسرا معاف کر دے اور محبت سے زندگی بسر کی جائے۔

وہ توقع کرتے تھے کہ ان کے خلفاء مریدین کے ساتھ ”مہربان تر از مادر و پدر“ بنے ہوں۔ اور خدمت خلق کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیں۔ فرماتے ہیں:

غرض خدمت خلافت بر خود متحمّدانستہ
موافق شریعت و طریقت و حقیقت کار بندید

۱ مکتوبات ۲۱ ص ۲۶-۲۵

۲ مکتوبات ۱ ص ۴

۳ مکتوبات ۵ ص ۱۰

۱ مکتوبات کلیبی - ص ۱۴

۲ مکتوبات کلیبی - ص ۴۹

اعلان موقف | شاہ کلیم اللہؒ نے اپنے ایک مکتوب میں جس کو وہ خود ”دستور العمل“ قرار دیتے ہیں اور جس کو چشتیہ سلسلہ میں بقول صاحب تکملہ سیر الاولیاء ”مستور العمل طالبان“ کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی، اپنے موقف، بنیادی مقاصد، اور طریقہ کار کا نہایت واضح اور صاف اعلان کر دیا ہے۔ یہ مکتوب حقیقتاً سلسلہ کی نشاۃ ثانیہ کا منشور سمجھنا چاہئے۔ اخلاقی اور مذہبی ابتری کے شدید احساس، سلسلہ کی تنظیمی اور فکری صلاحیتوں کے گہرے تجزیہ کے بعد ان کی پختہ مذہبی بصیرت نے جو راہ دکھائی ہے وہ اس خط میں بیان کر دی گئی ہے۔ ضروری ہے کہ ان کی اساس سنکر سمجھنے کے لئے یہ خط یہاں نقل کیا جائے:

احوال خیر آماں مولیٰ مولیٰ مولانا نظام
اسلام والمسلمین والاحسان سلمہ اللہ تعالیٰ
از تغیراتے کہ موجب التزام شریعت و
طریقت و حقیقت باشند مفتون و محفوظ باد
اے برادر! ایں نامہ مرادستور العمل
خود شناسید۔ و در حکم آل احتیاط نمائید کہ
فرو گذاشت رادراں مدخل نباشد کہ
موجب افراط و تفریط نگردد، و حدا و سط
از دل بروں نرود، آل احکام را بدست
نقل می کنم، و بحمد اللہ من اتقی السبع
دھو شہید

مولانا نظام الدین کو اللہ تعالیٰ
سلامتی سے توازن اور راہ
شریعت و طریقت و حقیقت
میں تقیم رکھے۔
اے برادر! میرے اس خط
کو اپنے لئے ”دستور العمل“
سمجھیں۔ اور اس پر اس
احتیاط سے عمل پیرا ہوں کہ
کسی فرو گذاشت کا امکان
نہ رہے اور راہ اعتدال سے
انحراف نہ ہو۔ ان احکام کو
ایک ایک کر کے لکھتا ہوں۔
اللہ تعالیٰ ان کو کوئی پررہم

اولاً آنکہ مقصود ایصال خیر است و
خیر عبارت از فائزما سویت از جمیع
المسائلک الی بقارب حق تعالیٰ و قیام
المسائلک فی جمع محبتہ اللہ میں معنی باید
کہ ہمیشہ در نظر باشد و شرح ایں را
دریں رقعه نتوانم داد۔

فرمائے جو محض اس کی حاضر
و ناظر ذات کی خاطر تقویٰ
اختیار کرتے ہیں۔
اول یہ کہ (زندگی کا مقصد)
دوسروں تک خیر کو پہنچانا ہے۔
خیر سے مراد یہ ہے کہ جملہ راہوں
سے منہ موڑ کر ابدی اور ہمیشہ
باقی رہنے والی ذات کی جانب
رجوع کیا جائے۔ اور اس سے
تعلق قائم کیا جائے۔ حب
الہی کی راہ میں سرگردا
درویش کی مدد کرنا اور اس
کی ترقی کے سامان ہم پہنچانا
بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔
ان کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا جا
اس خط میں اس کی تفصیل
ممکن نہیں۔

ثانیاً آنکہ در ایصال خیر امرے مرغی نگردد
کہ اللہ نباشد بلکہ لنفسہ باشد کہ غول خوار
ایں شراب و مار از روزگار درویش
خواہد بر آورد دیگر آنکہ تغیر لباس چنداں
اعتبار ندارد۔ سیما در آخر ہر چہ کہ
پوشد و خورد در و آنرا حظ و نصیب

دوم یہ کہ خیر کو دوسروں
تک پہنچانے میں رضائے الہی
کے سوا کوئی مقصد نہیں ہونا
چاہئے۔ تاکہ اس تباہ کن
شراب (نفس) کے نشہ کے
شیطان کو درویش کی زندگی

نہا شد اتنا ایس کہ صوفی راز لباس
فقر ننگ و عاری آید عجب است کہ
شمار انگ نمی آید۔ آنکس کہ شاپیش
او میر وید اگر شمار انگ می آید عجب
فقر آید و اگر اور انگ می آید چسرا
پیش او میر وید و ترک صحبت این قسم
مردم چرا نمی کنند۔

لیکن یہ کہ صوفی کو ضرر سے
شرم محسوس ہو آپ کو اس
سے پاک ہونا چاہئے۔ اگر
آپ کسی کے سامنے جائیں
اور اپنے لباس پر عار لاحق
ہو تو آپ کی درویشی تعجب خیز
ہے اور اگر اس شخص کو شرم
محسوس ہوتی ہے تو اس کے
سامنے کیوں جلتے ہو اور
ایسے لوگوں کی صحبت ترک
کیوں نہیں کرتے

ثالثاً از دھام خلایق مستوجب
شکرا الہی است، ہر چند از دھام
زیادہ شود شکرا الہی بسیار بجا آید،
کہ ہر کس قدر قیمت خود نیک نمیداند کہ

بچہ می ارزد و رجوع خلایق محض فضل
کرم اوست از پر انگ نشوید، ایس
دولت ہمہ را میسر نیست۔

مخلوق کا کسی کی جانب رجوع
کرنا اللہ تعالیٰ کی اس پر محض
عنایت کے باعث ہوتا ہے۔
اس سے کبیدہ خاطر نہ ہونا چاہئے
یہ نعمت ہر ایک کو میسر نہیں
آتی۔

رابعاً آنکہ چوں کہ بیعت نماید
بمجرد بیعت اذن ارشاد دہند و بر خود
قیاس نمکند کہ آل لفظ از عالم دیگر بود۔

ندیں۔ اور اپنے او پر قیاس
نہ کریں کہ اس کے الفاظ بھی
عالم دیگر سے ظہور پذیر ہوتے ہیں

خاصہً آنکہ چوں قابلیت بکثرت
ذکر و مراقبات و مشغولیات برائے خدا
رساند اگر علم ظاہر داشتہ باشد مبارک
است، آنرا مثال بنویسند والا بگویند
کہ بکار خود مشغول باشند۔

اپنے اندر حصول خلافت کی
صلاحیت پیدا کرے تو ایسے
شخص میں اگر علم ظاہر ہے تو
یہ اچھا ہے اس کو خلافت نامہ

لکھ دیں ورنہ اس کو مشاغل
واذکار میں مشغولی کی ہدایت
کریں۔

سادہ سائیں قدر دستگاہ باشند کہ
جدا یا با فقیرے چند گذران توانید کرد
وہمچنان با مردم بیگانہ نیکانہ بگذارند و
آنچہ مفتوح برسد بآل فقیر ہا ہمراہ صرف
نمائند و روزیکہ نرسد آں روز را غنیمت
شمارید کہ در فقر و فاقہ تاثیر عظیم است
فہم من فہم۔

پچھلی بات یہ ہے کہ درویش کی
ایسی حالت ہونی چاہئے کہ خود
تنہا یا چند فقرا کے ساتھ گذر
اوقات کر سکے۔ اور اسی طرح
اپنے پرانے کے ساتھ گذر اوقات
کر سکے۔ جو فتوح اس تک پہنچے
ان فقرا کے ساتھ مل کر استعمال
کر لے۔ جب فتوح پہنچے تو غنیمت
جانے۔ اس لئے فقر اور فاقہ میں
بڑی تاثیر ہے۔ اس کو سمجھنے والا
ہی سمجھ سکتا ہے۔

سابعاً آنکہ مسئلہ وحدت وجود را
شاخ پیش ہر آشنا و بیگانہ نخواہید بر
زبان آورد بلکہ بعضے مریدان کہ اعتقاد
فہم داشتہ باشند بر مز وایمانہ باید گفت
اگر فہم ایشان باہستہ قبول کرد زیادہ
واضح باید گفت والا ہما نقد زیادہ است
سابعاً آنکہ مسئلہ وحدت وجود را
ہر جاننے نہ جاننے والے کے سامنے
بیان نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ جو
مرید اس کو سمجھنے کی صلاحیت
بھی رکھتے ہوں ان کے سامنے
اشاروں سے بیان کرنا چاہئے
اگر ان کی سمجھ میں آنے لگے تو
زیادہ وضاحت بیان کیا جاسکتا
ہے ورنہ اسی پر اکتفا کر لینا چاہئے

ثامناً آنکہ با وضع ملاقات باہم
دو متمندان اختیار کنند یا قطع ملاقات
بہمہ اما با بعضے ملاقات و با بعضے
ملاقات چیز نیست۔

ہشتم یہ طریقہ اختیار کیا
جائے کہ یا تو سب مل جل کر شریعت
ملاقات کا تعلق رکھا جائے یا
کسی سے بھی نہیں۔ اس میں
فرق کرنا پسندیدہ عمل نہیں۔

ثامناً آنکہ صلح باہند و مسلمان سازند
وہر کہ ازین دو فرقہ کہ اعتقاد بشما داشتہ
باشند ذکر و فکر و مراقبہ و تعلیم ادب گویند کہ
ذکر و نماصیت خود اور ابراہیقہ اسلام
خواہد کشید و با غیر معتقد اگرچہ سید زادہ
باشند تعلیم نباید کرد کہ رابطہ مبنی بر اعتقاد
است۔ اسے برادر خفت مقبولیت را
میخواہد تا بمعیت را ممکن تاج باشد و اہل
دول را نباید گفت اگرچہ اخلاص ہم داشتہ
باشند کہ در تابعیت بر وضع خود و روش
نمی مانند و اگر کسی مجلس سرود بطور ما
میکند ازین معنی بسیار محظوظ شدیم۔
خوب میکنند کہ در مجلس علانیہ شہرت
است اما اگر گرمی ہست و مقصد گرمی
است و اگر تقاضائے وقت علانیہ باشد
آنرا ہم اذن است دیگر آنکہ با خلصان
صحبت تعلیم و ادب و ہیبت نگاہدارید
کہ صحبت انبیاء با اصحاب چنان بود۔

ہم یہ کہ ہندو مسلمان دونوں
سے صلح رکھی جائے اور دونوں
میں سے جو بھی تمہارا اعتقاد
رکھتا ہو اس کو ذکر و فکر، مراقبہ
وغیرہ کی تعلیم دے دینی چاہئے۔
ذکر کی یہ خاصیت ہے کہ خود
رقبہ اسلام میں پہنچنے کا جو
اعتقاد نہ رکھتا ہو وہ چاہے
سید زادہ ہی کیوں نہ ہو اس کو
تعلیم نہیں دینی چاہئے۔ یہ سارا
معاملہ اعتقاد کا ہے۔ اہل دول
کو بھی ذکر و فکر کی تعلیم ہنس کر نا
چاہئے، گو وہ مخلص بھی ہو وہ ہتھکڑیا
کا اتباع نہیں کرتے، دوسرے
یہ کہ محفل سماع ہماری طرح سے
کریں۔ یہ معلوم ہو کر بڑی خوشی
ہوئی۔ اگر ان محفلوں سے حرات
و عشق الہی پیدا ہو تو ہونی ہی

بھی اس کی تلا فی چونکہ ممکن ہے اس لئے غلطی پر نادام کی تو قبول کر لینی چاہئے۔ گناہوں کو توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے، گویا اس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوا۔

جس کو بھی اپنے مریدوں میں سے ارشاد و تلقین کا کام سپرد کریں اسے تاکید کریں کہ سنت کو زندہ کرے اور بدعت کو مٹانے کی کوشش کرے۔

اشاعت سلسلہ کے لئے ہدایات | شاہ کلیم اللہ صاحب اپنے سلسلہ کی اشاعت کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ جبکہ مریدوں کو حکم ہوتا ہے:

(۱) ”سعی در شیوع سلسلہ نمایند“

(م ۱۳ ص ۱۱۹)
(۲) ”جہد بلیغ نمایند کہ مردم در سلک شما داخل شوند و بر مرتبہ فقر رسند“

ایک مکتوب میں ارشاد ہوتا ہے:

”شمار در اصلاح دل مجویاں بکوشید کہ بمعز وصال و قرب رسند و بر ریاضت و مجاہدہ و عشق و بے خودی مریدان و طالبان را تربیت کنید کہ تا قیام قیامت برائے ما دشمنان و پیغم و متصل بر سر“

(م ۱۱ ص ۱۱۴)

نیز (م ۳ ص ۱۹)

اے برادر شغولی با خدا سے تعالیٰ مقصود است و ان کے مقصود غیر اس دولت عظمیٰ و سعادت کبریٰ است آں مدعی است فقیر حقیقت نیست کہ اطلاق فقیر بر کو مجازی است من وجوہ شیخ علیہ الرحمتہ معتقد علیہ اس امر لودہ اند اگر عزیزے از یاران بریں نمظنہ است کہ گویا یا من نیست اما چوں تعبیر مقبول است اگر بعد سفاہتے و لغزشے پائے توبہ دریاں آید التائب من الذنب کما ان ذنبت لہ عذر خواہ دوست ہر کار از یاراں خود اذن دہند مبالغہ در احیائی سنت و امانت بدعت خواہد بود۔

اے بھائی، مقصود اللہ تعالیٰ میں مشغولی ہے۔ جو اس دولت عظمیٰ اور سعادت کبریٰ کے علاوہ کسی چیز کا خواستگار ہے وہ درویشی کا محض عوی کرتا ہے۔ حقیقی درویش نہیں اگر میرے کسی قریبی مرید کی عزت اس بچ پر نہیں ہوئی ہے تو وہ میرا مرید کہلانے کا حق نہیں ہے لیکن سزا سرزد ہونے کے

۱۴ مکتوبات کلی ۹۶ م ص ۴۰، ۳۰

یہ ترجمہ بالکل لفظی نہیں ہے۔ اس میں مفہوم کو واضح کرنے کا خیال رکھا گیا ہے۔

ایک مرتبہ شاہ نظام الدینؒ نے اپنے پیرومرد سے فتوحات قبول کرنے کے متعلق دریافت کیا۔ شیخ نے اشاعتِ سلسلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دیا کہ اگر فتوحات سے کام میں رکاوٹ واقع ہوتی ہو تو قبول نہ کرنا بہتر ہے، ورنہ قبول کر لینی چاہئے ”اے درویشِ خدائے تعالیٰ! شمارِ عقلِ معاش و عقلِ معاد ہر دو دادہ است۔ آلِ کیند کہ درالِ اجرائے سلسلہ باشد ماگر فتن و ناگفتن نمی دایم۔ اگر رونقِ سلسلہ از عدم قبول است عدم قبول بہتر قبول“ (م ۳ ص ۱۹)

ساتھ ہی ساتھ صوفیہ متقدمین کے فتوحات قبول کرنے کو نیک نیتی پر محمول کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”درویشانِ ماضی کہ قبولِ بعضے فتوحات کردہ اند اغلب کہ برائے استمالِ خاطر معتقدان کردہ اند والا بضرورت خود کم کسے قبول کردہ باشد“ (م ۱۳ ص ۱۹)

لیکن وظیفہ قبول کرنے کی اجازت کسی صورت میں نہ تھی۔ فرماتے ہیں:

وظیفہ دارشدن طریقہ مردم دیگر وظیفہ دار ہونا معنی ایک متعین تم است، طریقہ مامردم آنست متعین وقت پر پانا، دوسرے لوگوں کا کہ ناگاہ ہر چہ رسد بہتر است۔ ہم لوگوں کا طریقہ ہے مقرر روزمرہ خوب نیست۔ کہ جو چیز ناگاہ دبیر متعین وقت اور بغیر انتظار پر ہو چھے وہ ٹھیک ہے مقرر روزمرہ ٹھیک نہیں۔

مرید کی اشاعتِ سلسلہ کی کوششوں کا جب علم ہوتا ہے تو اظہارِ مسرت کرتے ہیں۔ دعائیں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ارواحِ مشائخ اس کام سے خوش ہوتی ہیں۔ اگر شیخ کی اولاد کو خزانہ بھی دے دیا جائے تو شیخ کی روح اس قدر خوش نہیں ہوتی جتنی احیاءِ سلسلہ کی کوششوں سے ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:

”پس رحمتِ خدائے تعالیٰ بر شما باد کہ اس سلسلہ را جاری کر دید۔ شکر اللہ سعیم۔ و اس ہمہ افتادگان حسیض غفلت را با وج حضور سائیدید و ارواحِ مشائخ با خود خوشنود کر دید۔ بالفرض اگر کسے گنجے با و داد شیخ بخشداں قدر رضا مندی جناب ایشاں درالِ نباشد کہ احیاءِ سلسلہ ایشاں باشد“ (۴۴ ص ۱۵۴)

نظامِ خلافت | مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ نے خلافت کا نہایت ممکن اور مضبوط نظام قائم کیا تھا۔ کس و ناکس کو خلافت نہیں دی جاتی تھی۔ نااہل لوگوں کے ہاتھ میں یہ کام پہنچنے کی صورت میں گمراہی اور ضلالت پھیل جانے کا اندیشہ تھا۔ جس کو وہ جابجا ظاہر بھی کرتے ہیں۔ خلافت سے متعلق ان کے اصول یہ تھے:

(۱) خلافت دینے کا مقصد اشاعتِ اسلام کے لئے جدوجہد ہے۔

م ۳۹ ص ۳۹

(۲) خلافت جس کو دی جائے اس کے تفصیلی حالات مرکز کو

لکھے جائیں تاکہ اس کی صلاحیت اور اہلیت کا اندازہ

م ۱۸ ص ۲۲

ہو سکے۔

۱۰ شاہ نظام الدینؒ اورنگ آبادی نے ایک شخص محمد زیا ربیگ کو خلافت دی۔ نہ وہ صاحبِ حق نہ خط لکھا:

”محمد زیا ربیگ را خلافت دادید۔ خوب کر دید۔ بیت

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس

م ۶ ص ۱۲

کہ گو ہر سپردہ بگو ہر شناس

ان کی اہلیت کے متعلق اس طرح رائے قائم کی تھی۔

”ازرقدا ایشاں کہ لفقیر نوشتہ بودند، معنی عشق می ریخت“

م ۶ ص ۱۲

(۳) صرف اہل علم کو خلافت دی جائے۔ اس لئے کہ

”در صحبت او ضلالت رواج بخا بد گرفت“ ۴۴ ص ۴۵

(۴) خلافت کی دو قسمیں کی جائیں۔ خلافت ربانی اور خلافت سلوک۔

”اول ہر کہ حیثیت فقر داشتہ باشد باید فرمودن غیر

امتیاز میں ان یکون عالماً او جاللاً اما قسم ثانی کہ مثال

بنو سید و برو بکنند این قسم مخصوصاً بہ اہل علم دارند“

۴۴ ص ۴۴

(۵) بیعت کرنے کے بعد فوراً اجازت بیعت نہ دی جائے۔

۴۴ ص ۴۴

عورتوں کی بیعت کے متعلق شاہ صاحب کی ہدایات

شاہ نظام الدین صاحب

کو دکن میں جو صورت حال پیش آتی تھی اس کے متعلق وہ اپنے پیرومرشد سے ہدایت و

مشورہ طلب کرتے تھے، چنانچہ جب عورتوں کو سلسلہ میں داخل کرنے کا مسئلہ

درپیش ہوا تو شاہ نظام الدین نے اپنے شیخ کو لکھا۔ جواب میں حکم ہوا کہ بیعت کیا جا

سکتا ہے لیکن ان کی خلوت سے بچا جائے اور براہ راست ہاتھ میں ہاتھ دے کر

بیعت نہ کیا جائے۔ چونکہ مس اجنبیہ حرام ہے۔

”برادر من زنان را بیعت کنیہ اما باز زنان جوانان خلوت ہائے طویلہ

کہ موجب فقرہ مردم بشود و بکنند اور صحبت اولی بیعت دامنہ برہمت

بہ پیچیدہ دست بردست اور اندک مس اجنبیہ حرام است“

۲۱ ص ۲۵

لے مکتوبات میں جگہ جگہ اس پر اصرار ہے۔ ۴۴ ص ۴۴، ۴۹ ص ۵۶

۵۲ ص ۵۸، ۹۴ ص ۴۴۔

اس مشروط اجازت نامہ کی رو سے شاہ صاحب نے عورتوں کو بھی اصلاح باطن سے

محروم نہ رکھا۔ لیکن شاہ نظام الدین نے اس کے بعد بھی عورتوں کو داخل سلسلہ کرنے

میں تامل کیا، اس پر آپ نے لکھا:

”شمار در بیعت کردن با عورات

چرا اہمال می درزید، اگر جوان

اندو اگر پیر، اگر حسین انداگر

قیح، ہمارا بجائے محرمات پندتا

کلمہ حق بجوش ایشاں باید نہیلا“

۳۵ ص ۳۴

اتباع شریعت کی تلقین حضرت شاہ کلیم اللہ روحانی ترقی کے لئے اتباع شریعت کو انہیں

ضروری تصور کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ راسخ یہ تھا کہ شریعت سے ہٹ کر روحانی ترقی کے

لئے جو کوشش کی جائے گی وہ فحش بر آب ثابت ہوگی۔

چنانچہ جگہ جگہ ارشاد ہوتا ہے:

(۱) ”برنج شریعت باید رفت“

۹۵ ص ۴۲

(۲) ”ہمہ داخلان طریقت را تاکید

نمائند کہ ظاہر شریعت آراستہ

دارند و باطن بعشق مولیٰ پیراستہ

سازند“ (۱۲۹ ص ۱۹۵)

ان کا عقیدہ تھا کہ جو شریعت پر نہیں چلے او گمراہ ہے اور طریقت و حقیقت کے

منازل کبھی طے نہ کر سکے گا۔ فرماتے ہیں:

”آنچه در شریعت راسخ نیست، ناقص است بلکہ طریقت و حقیقت

او معلوم کہ حقیقت ندارد۔ مردان ست کہ جامع باشد میاں شریعت و

طریقت و حقیقت۔

۹۵ ص ۲

وہ شریعت کو معیار سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس سے کسی شخص کی روحانی بلندی اور پستی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

”اے برادر در تفاوت فقر اگر مراد خواہی کہ دریابی بجانب شریعت اونگاہ کن کہ شریعت معیار است، عیار فقر بر شریعت روشن می گردد“

۹۵ ص ۲

فرماتے ہیں کہ اگر کسی شیخ کے دس صاحب کمال مرید ہوں، اور ہر ایک اپنی علیحدہ وضع رکھتا ہو اور شیخ کو ہر ایک کے متعلق حسن ظن ہو اور عوام بھی اچھا سمجھتے ہوں اور تم یہ معلوم کرنا چاہو کہ کون شخص قیامت کے دن سبب افضل ہوگا تو یہ دیکھو کہ ان دس آدمیوں میں سے کون شریعت کے ساتھ آراستہ ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو قیامت کے دن یہی شخص سبب بلند مرتبہ ہوگا۔

شریعت، طریقت اور حقیقت کا باہمی تعلق اس طرح بیان فرماتے ہیں:

”مینار حقیقت طریقت است، دینار طریقت شریعت، آنکہ در چشم اوجہال شریعت بیش بود طریقت و حقیقت اتم و اکمل بود، علا وصول بدرجہ حقیقت این است کہ روز بروز آنا فنا سا لک را در شریعت قدم را رخ گردد“

۱۱۰ ص ۸۵

اگے چل کر وہ ان صوفیہ خام کی مذمت کرتے ہیں جنہوں نے شریعت کو ترک کر دیا تھا۔ اور فرماتے ہیں:

”ایں ملحدان کہ شریعت را از دست دادہ کلام لا طائل لملحدانہ بسبب گدائی و فقر چرب نموہ بہت شرعاً طعن ہے حقیقی مینند، تغیر کردنی اند کہ ہمہ توحید ایشا یہ ملحد جنہوں نے شریعت کو ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے اور ملحدانہ باتیں فقر چرب حاصل کرنے کے لئے کہتے ہیں اور شرع لوگوں کو بے حقیقی کا طعن دیتے ہیں، سزا کے قابل ہیں

بے معنی است و بے لطفی، قالی

ان کی توحید سب بے معنی ہے۔

است بے حال ز نہار در صحبت

وہ حال سے خالی ہیں۔ ایسے حقوق

ہم چنین حمقا نخواہند نشست

کی صحبت میں نہیں بیٹھنا چاہئے۔

۱۱۰ ص ۸۵

امیروں کی اصلاح شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کی خانقاہ میں جب بلندوں کا ہجوم بڑھا تو ان کو اس سے تکلیف ہوئی اور اس ماحول سے دل برداشتگی اور کٹاوت پیدا کیا۔ شاہ کلیم اللہ صاحب کو معلوم ہوا تو لکھا کہ ان لوگوں کو بھی نظر انداز نہ کرو، احیاء مکتب اور ترویج سلسلہ کے لئے جب کو شمشیں کی جائیں تو سوسائٹی کے کسی حصہ کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ دولت مندوں کو متاثر کرنا بعض دیگر مصاحبتوں کی بنا پر بھی ضروری ہے، لکھتے ہیں:

”مقصود از دخول اہل دول نہ اہل دول کے سلسلہ میں داخل ہونے اس است کہ ایشاں طے مراتب سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ درویشی درویشی کنند مقصوداں است کے مراتب و درجات طے کر لیں بلکہ کہ بسبب دخول ایں مردم اکثر مطلب یہ ہے کہ ان کے شامل ہونے مردم دیگر داخل می شوند، و در نظر سے بہت سے اور لوگ سلسلہ میں

۱ شاہ کلیم اللہ صاحب کے بعد اس ہی قسم کے گمراہ کن صوفیوں کی تعداد بڑھ گئی تھی اور شاہ ولی اللہ دہلوی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے تھے:

”وصیت دیگر آن ست کہ دست در دست مشایخ این زمان ہرگز نباید داد و بیعت ایشاں نباید کرد“ وصیت نامہ ص ۳

۲ ایک دوسرے مکتوب میں دولت مندوں کے متعلق لکھتے ہیں:

”اینہا آل رجوع خواص و عوام اند“

۱۸۲ ص ۲۲

اگر خط لکھنا ہو تو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی طرح کہ بلبن کو ایک شخص کی سفارش لکھتے ہیں:

”میں نے اس شخص کا احوال اول خدا کی طرف پیش کیا ہے، پھر تیری طرف، اگر تو اُسے کچھ عنایت کرے گا تو حقیقت میں دینے والا خدا ہے اور تو مشکور اور اگر کچھ نہ دے گا تو حقیقت میں باز رکھنے والا خدا ہے اور تو معذور“

ایک موقع پر امراء کی صحبت اور اُن کے تحائف کے رد و قبول کے متعلق یہ بنیادی اصول واضح فرمایا:

ہرچہ باشد برائے خداے تعالیٰ جو کچھ بھی کرو اللہ تعالیٰ کے لئے کرو
باشد قبول ورد اگر برائے خدا قبول کرنا یا رد کرنا اگر خدا کے لئے
است محمود است والا مذموم ہو تو محمود ہے ورنہ مذموم۔

(م ۶ ص ۱۱)

تعلق، خوشامد اور دربار داری فطرتِ درویش کے خلاف ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

”ملاقاتِ سلاطین کہ برادر درویش آئند روا باشد، اما برادر آئند نہاید رفت“

م ۴۳ ص ۴۳

”برادرِ ملوک نہاید رفت و آئندہ ہر قسم کہ باشد اور امتحانِ آمدن نہاید کرد“

م ۵، ص ۶۰

”درویش را باید کہ اختلاطِ ببادشاہاں ننماید و بخانہ اہل دول طوآن ننماید کہ اختلاطِ ملوک رونقِ ایمان می برد“

م ۶۵ ص ۵۵

لہ انفس العارفین میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

”در بعض ملفوظات بزرگانِ چشتیہ مذکور است کہ ہر کہ نام اور دیوان بادشاہ نوشتہ شد نام او را از دیوان حق سبحانہ بری آرند“

ص ۶۹

عوام دخول ایں مردم اعتبار
داخل ہو جائیں گے چونکہ عوام
کی نظر میں ان لوگوں کا سلسلہ

میں شامل ہونا بہت اہمیت

(م ۶ ص ۱۲)

رکھتا ہے۔

پیر و مرشد کی اس ہدایت کے بعد شاہ نظام الدینؒ نے دولت مندوں سے زیادہ پرہیز نہ کیا بلکہ ان کی اصلاح کی طرف بھی متوجہ ہو گئے۔ جب نتیجہ کوششوں کے برابر نہ پایا تو آرزوہ خاطر ہوئے اور مایوس ہو کر شیخ کو لکھا کہ میں دولت مندوں کی صحبت سے تنگ آ گیا ہوں۔ میری کوششیں بار آور نہیں ہوتیں۔ شاہ صاحبؒ نے سمجھایا کہ ان دولت مندوں سے زیادہ امیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہئیں۔ ان کو فقیر یا درویش نہیں بنایا جاسکتا۔ ایک مکتوب میں ارشاد ہوتا ہے:

بریقین شناسید کہ دولت مندوں
اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ
ہرگز در پیچ عصرے مرید پیچ شیخ
دولت مند کسی زمانے میں بھی کسی
نشدہ اند، اگر شدہ دولت مند
شیخ کے مرید نہیں ہوئے ہیں اگر
نہ ماندہ، ہمہ را گذاشتہ لنگ
ہوئے ہیں تو دولت مند نہیں
رہے بلکہ سب کچھ چھوڑ کر لنگ
ہستہ اند۔

م ۲۴ ص ۳۰ باندھ لیا ہے۔

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کو ذکر و اشغال سے کیا تعلق، یہ تو صرف منصب و وجاہت کے لئے تعویذ گنڈے کی نکر میں رہتے ہیں۔

(م ۵ ص ۴۳)

شاہ صاحبؒ نے اپنے مریدوں کو بادشاہوں، امراء اور رؤسا سے ارتباط کی نوعیت سے بھی خبردار کرنا مناسب سمجھا، لکھا کہ مقصد یہ نہیں ہے کہ تم اُن سے بے حد تعلقات پیدا کر لو، ایسا کرنے سے کام میں خلل واقع ہوتا ہے اور روحانی ترقی میں رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ شناسائی کا انداز یہ ہونا چاہئے کہ

”مجلس سرود بطور ماکنند“

مجلس سماع ہماری طرح سے کریں۔

۹۲۲ ص ۴۲

یہ زمانہ تھا کہ جب مشائخ سرہند کے اثرات بہت زیادہ پھیل گئے تھے۔ بادشاہوں پر ان کا اثر تھا، اور وہ ان کی رائے کی عزت کرتے تھے۔ شاہ صاحب نے اس خیال سے کہ کہیں کوئی ناگوار صورت پیدا نہ ہو، اس امر کی کوشش کی کہ جہاں مشائخ نقش بند کا اثر ہو وہاں سماع کو بند رکھا جائے۔ ایک مرتبہ جب کہ بادشاہ دکن میں تھا، مشائخ سرہند حج سے واپسی پر اس کے پاس پہنچے۔ شاہ کلیم اللہ صاحب کو معلوم ہوا تو مرید کو خط لکھا کہ اس زمانے میں مجلس سماع کو موقوف رکھنا۔ بادشاہ کے ساتھ علماء سرہند ہیں کہیں:

”ہیجان مٹا لقا نشود“

۲۹۲ ص ۴۴

فکر کلیمی کے بعض اہم پہلو | شاہ کلیم اللہ دہلوی اپنے معاصرین میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے۔ علم، بصیرت، تقدس اور تجربے نے مل کر ان کی شخصیت کا وقفا کچھ اس طرح بڑھادیا تھا کہ وہ دہلی کے روحانی حلقوں میں ہی نہیں بلکہ دور دور عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ انھوں نے نہ صرف تصوف کے بنیادی افکار و نظریات کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کیا بلکہ ایک زبردست خدمت یہ بھی انجام دی کہ چشتیہ سلسلہ کے اعمال و اشغال کو ایک مکمل ضابطہ کی شکل دے دی۔ انھوں نے اذکار و اشغال کی نوعیت اور اثرات و نتائج کی کیفیت اس طرح بیان کی کہ تصوف کا کوئی پہلو خواہ وہ فکری ہو یا عملی، مبہم اور غیر واضح نہ رہا۔

شاہ صاحب نے ایک حساس اور بیدار تاریخی ذہن پایا تھا۔ وہ وقت کے تقاضوں کو سمجھتے تھے، ان کا ”تصور زمان“ جو تاریخی فکر کی جان، حیرت انگیز حد تک صاف اور واضح تھا۔ ۶ ربیع الثانی ۱۱۳۲ھ کی ایک مجلس کا حال

سماع | شاہ کلیم اللہ صاحب کو اپنے زمانے کی جن گمراہیوں کے خلاف آواز اٹھانی پڑی تھی ان میں ایک سماع بھی تھا۔ مشائخ سلسلہ چشت نے اس کو روحانی غذا سے تعبیر کیا تھا، لیکن ساتھ ساتھ اس کے سخت اصول بھی مقرر کر دئے تھے۔ جن کے بغیر وہ سماع کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اٹھارہویں صدی میں ان اصولوں سے بے اعتنائی عام تھی، اور شاید ہی کوئی شیخ ایسا ہو جو ان کی پوری طرح پابندی کرتا ہو، چنانچہ شاہ کلیم اللہ صاحب فرماتے ہیں:

امروز قدر راگ مشائخ نئی شناسند

وآداب را رعایت نمی کنند۔

آج کل مشائخ سماع کی اہمیت نہیں سمجھتے ہیں، اور اس کے قواعد کی پابندی نہیں کرتے ہیں۔ (۱۰۵ ص ۸۳)

چنانچہ وہ اس کو ”ہاتے ہوئے سماع“ کہتے ہیں اور جبکہ جگہ اس کو کم کرنے کی تلقین فرماتے ہیں:

اے برادر! کثرتِ سماع

اے بھائی! سماع کی کثرت کو ہم خوب ندارم بلکہ تعین ہر روز

میں اچھا نہیں سمجھتا بلکہ ہر روز بھی اس کا تعین (مشائخ متقدمین کی) ہم نیامدہ

روایت نہیں ہے۔ (۱۱۷ ص ۴۱)

وہ ہدایت کرتے تھے کہ سماع کی بجائے مراقبہ میں وقت صرف کیا جائے۔

”حلقہ مراقبہ وسیع از حلقہ مراقبہ کا حلقہ سماع کے حلقہ سے

سماع باید کرد“ ۹۹ ص ۴۸ زیادہ وسیع کرنا چاہئے۔

اکثر مکتوبات میں (م ۱۳، م ۹۴، م ۱۰۳، م ۱۱۲) مراقبہ ہی کی ہدایت ہے۔ وہ زمانے کی حالت کو دیکھ رہے تھے اس لئے ڈرتے تھے کہ کہیں سماع کی شکل منہ بکھر نہ رہ جائے۔ فی نفسہ وہ اس کے مخالف نہیں تھے۔ لیکن حالات نے ان کو اس معاملے میں سخت گیر بنادیا تھا۔ وہ خود سب اصولوں کی پابندی کرتے تھے۔ لہذا مریدوں کو بھی ہدایت تھی کہ:

کامگار خال نے لکھا ہے:

”پادشاہ رفیع الدرجات دولت پائوس حاصل کر، ذکر در انقلاب زمانہ و فنائے عالم حادث اقدارہ بود۔ فرمودند کہ نزد اہل تحقیق انا فنا و حالت فنا و بقا جاری است و منظر عوام ازیں معنی عاقل و غافل، مثلاً بروجی آب کسے نظر کند آب جو محسوس می شود، اما فی الحقیقت آن آبے کہ در اول دہلہ منظور شدہ آن آب نیست از بسکہ بہ تندی و جلدی میگزد و پانی بہ پے میرسد، منظر ناظر تشخیص نمی تواند کرد۔ باز نظیر دیگر عنایت کردند کہ شعلہ چراغ در نظر نگار گیان متجلی ست اما آن شعلہ کہ مرتبہ اول سر کشیدہ در عالم فنا سپیدہ و ملود و گر جای اوقایم مقام گردیدہ پس فنا و بقا متصل ہم دیگرست بلا تفاوت و قوام عالم بر فنا و بقا ست“ لہ

پادشاہ رفیع الدرجات کو ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی۔ زمانے کے انقلاب اور بے ثباتی عالم کے متعلق ذکر ہوا۔ فرمایا کہ اہل تحقیق کی رائے میں ہر لمحہ گزرنے والا ہے اور عالم میں فنا و بقا کی حالت مسلسل جاری ہے۔ اور عوام کی نظر اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ دریا پر جب کسی کی نظر پڑتی ہے تو وہ آب جو کو محسوس کرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ پانی جو پہلے لمحہ میں اس کو دکھائی دیا تھا وہ وہاں نہیں رہتا، جلدی سے تیزی کے ساتھ گزر جاتا ہے اور یہ سلسلہ مستقل جاری رہتا ہے (یعنی جس پانی پر نظر پڑتی ہے وہ آگے بڑھ جاتا ہے اور دوسرا پانی اس کی جگہ لے لیتا ہے) لیکن دیکھنے والے کی نگاہ اس کا احساس نہیں کر سکتی۔ دوسری ایک اور مثال ارشاد فرمائی کہ چراغ کا شعلہ دیکھنے والوں کی نظر میں روشن ہوتا ہے لیکن وہ شعلہ جو پہلی بار اس عالم وجود میں آیا تھا دھواں ہو چکا ہے اور دوسرا شعلہ اس کی جگہ اس کا قایم مقام ہو جاتا ہے۔ لہذا فنا اور بقا ایک دوسرے سے بلا کسی تفاوت کے جڑے ہوئے ہیں اور اس عالم کا خمیر ہی فنا اور بقا سے اٹھایا گیا ہے۔“

(۲) شاہ صاحب اکل حلال کو روحانی ترقی کے لئے از بس ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ مرقع میں جہاں طالب راہ طریقت کے رخت سفر کے لازم کا بیان ہے، وہاں سب سے پہلے اکل حلال کا ذکر کیا ہے۔ ان کی مذہبی فکر کو سب حلال اور محنت کو ضروری قرار دیتی تھی۔ جو اپنی روزی کمانے میں تساہل کرنے لگا یا بے عملی کا شکار ہو گیا اس نے اپنی روحانی ترقی کی راہیں خود مسدود کر لیں۔

(۳) شاہ صاحب کو اس حقیقت کا شدید احساس تھا کہ تصوف میں فکری اور عملی دونوں حیثیتوں سے بہت سے ایسے عناصر راہ پاک کے ہیں جن سے بنیادی مصلحت متاثر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اعمال اور اذکار کا ایک مکمل ضابطہ ترتیب دیدیا۔ یہ کام جتنا اہم تھا اتنا ہی مشکل بھی تھا۔ عوام میں مرد و جدہ اشغال کی صحیح نوعیت کا پرکھنا، غیر مفید یا مفطر طریقوں کا انسداد، روحانی ترتیب کے لئے صحیح شاہراہ عمل کی نشاندہی، آسان کام نہ تھا۔ اس کے لئے وسیع تجربے، بیدار مذہبی فکر اور موثر روحانی تدابیر کی ضرورت تھی۔ انھوں نے مرقع میں اعمال، اذکار، اشغال اور ادائیغہ تفصیل سے دیئے ہیں۔ ان میں مختلف قسم کی نمازیں بھی ہیں (مثلاً نماز حفظ الایمان، نماز عاشقین وغیرہ) اور ایسے اور اد بھی ہیں جو ہر دن کے حساب سے لکھے گئے ہیں، پھر رفع رنج، دفع بیماری، خلاصی محبوس، حفظ قرآن وغیرہ کے لئے دعائیں اور نقش دیئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سید محمد غوث گوالیار کا کا جو اہر خرمہ صوفی حلقوں میں کافی مقبول ہو چکا تھا اور شاہ صاحب بھی اس کے بعض اعمال کو قبول کرنے کا رجحان رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد جب شاہ ولی اللہ دہلوی نے مسند ارشاد بکھائی تو انھوں نے بھی جو اہر خرمہ کے اعمال کی اجازت شطاری بزرگوں سے حاصل کی۔ مجموعی طور پر غور کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ شاہ صاحب نے بیشتر اعمال

واشغال کی بنیاد یا تو احادیث پر رکھی ہے یا پھر مشہور بزرگوں امام قشیری رحمہ اللہ، امام نجم الدین سیسی رحمہ اللہ، امام غزالی رحمہ اللہ وغیرہ سے استفادہ کیا ہے۔ اور ادبی شیخ شہاب الدین سہروردی کا بھی ایک جگہ حوالہ ہے۔ بابا فرید، شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے بھی بعض اعمال نقل کئے گئے ہیں۔

مرقع کے مخاطب وہ صوفی منش عوام تھے جن کو اعمال و ادعیہ کی حد تک ہدایت و تربیت کی ضرورت تھی۔ غلط فہمی کی اعلیٰ روحانی تربیت کے لئے انھوں نے سنہ ۱۰۹۹ھ میں کشکول ترتیب دی۔ لکھتے ہیں:

قبل ازیں مرقع در بیان تطواعت
دعوات برائے عرات شہرتان
شہود و دختہ بودم تاکہ تن را بہ
لباس تقویٰ پیراستہ دارند۔
ام روز کہ غرہ ذی قعدی ۸۸۸ھ
ہزار و یک صد و یک است
بالتماس بعضے مجاہد مہمبی لقمہ
در یوزہ دریں کشکول فراہم
آوردہ تا اصحاب ذوق دار با
شوق نصیب کامل و حظ وافر
بردارند۔

اس سے پہلے میں نے ایک مرقع
شہود کے شہریوں کے واسطے جو
ننگے تھے تیار کیا تھا تاکہ ان کا تن
لباس تقویٰ سے آراستہ ہو جائے
آج کہ غرہ ذیقعدہ ۸۸۸ھ ہے
بعض خالص دوستوں کی درخواست
سے کچھ لقمے دروازوں سے مانگے
اس کشکول میں جمع کئے ہیں تاکہ
ذوق اور شوق والے لوگ اس
سے پورا پورا حصہ لیں۔

۵۵ کشکول ص ۳

کشکول میں "سیر الی اللہ" اور "سیر فی اللہ" کا مفہوم واضح کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ کمال انسانی اسی میں ہے کہ فنا فی اللہ کی سرحد میں پہنچ کر بقا باللہ حاصل کرے اور پھر وہیں رہے۔ اذکار کو مراقبہ پر مقدم رکھنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ سفر روحانی میں جو خطرات پیش آتے ہیں ان سے باخبر کرتے ہوئے تحفظ کی تدابیر بیان کرتے ہیں کشکول اور مرقع راہ طریقت میں روشنی کے مینار کے کی طرح تھے جن سے کتنے ہی گم گشتگان راہ منزل پر پہنچے۔

(۴) شاہ صاحب کی دینی فکر کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ وہ روحانی تربیت کے لئے مرید کی مادری زبان کے استعمال کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کی ہدایت تھی کہ اگر مرید غمی باشد بہر زبان کہ
داشته باشد تلقین فرمائند کہ
اگر مرید غریب ہو تو اس کی جو بھی
زبان ہو اس میں تلقین کریں۔
اس طریقہ کار کے لئے مشائخ متقدمین میں ان کو سند حضرت بابا فرید کی روش سے
ملی تھی۔ خود شاہ صاحب کا بیان ہے:
حضرت شیخ شکر گنج قدس سرہ
حضرت شیخ شکر گنج نے پنجابی زبان

۱ کشکول ص ۴ -
۲ کشکول ص ۲۶ -
۳ کشکول ص ۳۰-۲۹ -
۴ کشکول ص ۳۰ -

کشکول ہی میں انھوں نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی ہے کہ

آنکہ زبان عربی منظر اتم صلی اللہ علیہ وسلم
و سلم قویٰ مناسبت است پس تاثیر
آں بیشتر باشد اگرچہ ہر زبان حقیقت
نبوی سوی اسنت است ص ۸۰
عربی زبان کو کامل منظر صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ قویٰ نسبت ہے پس تاثیر زیادہ
ہوگی اگرچہ زبان کی نسبت حقیقت
نبوی کے ساتھ برابر ہوگی۔

۱ مرقع ص ۲۱، ۲۹ وغیرہ
۲ مرقع ص ۱۰
۳ مرقع ص ۲۱ وغیرہ
۴ مرقع ص ۶

انھوں نے جوگ کے ایک طریقہ انہد پر ابتدائی زمانہ میں عمل بھی کیا تھا اس عمل کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”میاں میر لاہوری و یاران
میاں میر لاہوری اور ان کے
ایشان میں شغل داشتند
مریدین کا یہی شغل تھا۔

یہ شغل صرف ذہنی مرکزیت حاصل کرنے کے لئے تھا۔ کچھ عرصہ بعد جب شاہ کلیم اللہ مریدینہ منورہ حضرت یحییٰ مدنیؒ کے دامن تربیت سے وابستہ ہوئے اور جوگیوں کے ان اشغال کا ذکر آیا تو انھوں نے فرمایا:

ایں شغل نیک مفید است و
یہ شغل بہت مفید ہے اور اصحاب
مشرک میان حصا کرامتان
کرامت (سلمانوں) اور اہل ستیج
وصاحب استدراجان و اثر
(ہندوؤں) کے درمیان مشترک
مترتب بر ایں اینست کہ خاطر
ہے اور اس کا یہ اثر ہے کہ پرانندہ
مشتت را جمعیت می آرد و از ہمہ
خاطر میں جمعیت اور یکسوئی پیدا
یکسوئی گرداند
کرتا ہے۔

(۶) شاہ کلیم اللہؒ جوانوں کی تربیت پر زیادہ زور دیتے تھے۔ اس فیصلہ کا محرک غالباً یہ احساس تھا کہ جوان میں اکتساب کی صلاحیت کے علاوہ دوسرے کو متاثر کرنے، زیادہ عرصہ تک موثر طریقہ پر دینی کام کو جاری رکھنے کی قوت نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ بوڑھوں کی ذاتی تعلیم تو ممکن تھی لیکن ان کو دینی تحریک میں موثر طریقہ پر لگانا آسان نہ تھا۔ لکھتے ہیں:

ولہذا گفتہ اند کہ جوانان تعلیم
اسی واسطے کہا گیا ہے کہ جوانوں
ذکر زد و شمر بود۔ قالوا ان اللہ
کو ذکر تعلیم کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے

بزرگان پنجابی ذکر کردہ اندر اہول
میں ذکر کیا ہے۔ (وہ یہ ہے اہول
توں (جانب علویات اشارت
توں (علویات کی طرف اشارہ)
است اہول توں (جانب
اہول توں (سفلیات کی طرف
سفلیات اشارت است)
اشارہ، توہین توں اطلاق کی طرف
توہین توں جانب اطلاق۔

شاہ صاحبؒ کا یہ انداز فکر ایک ایسے اجتہادی اصول پر مبنی تھا جس نے تحریک تصوف کے اثر و نفوذ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جانے کے امکانات روشن کر دیئے تھے۔ اسی فکر کی ایک کڑی شاہ فخر الدین دہلویؒ کی یہ تجویز تھی کہ ہندوستان میں جمعہ کا خطبہ اردو زبان میں دیا جائے تاکہ عوام اس سے استفادہ کر سکیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان نے فارسی اردو تراجم کی طرف جو توجہ کی تھی وہ بھی اسی احساس کی پیداوار تھی۔ غالباً اس ضرورت کو سب سے پہلے شاہ ابوالرضاؒ نے محسوس کیا تھا، اور غالباً انھوں ہی نے شاہ کلیم اللہؒ اور شاہ ولی اللہؒ دونوں کو اس سلسلہ میں راہ دکھائی تھی۔

(۵) شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کے نظام تعلیم و تربیت کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ وہ جوگیوں کے بعض اشغال کو بالکل اسی دلیل کے ساتھ جو مولانا اشرف علیؒ تھا نوئی دیا کرتے تھے بعض مریدوں کو بتا دیتے تھے۔ کشکول میں لکھتے ہیں:

بیٹھک جوگ ہشتاد و چہار است
جوگ کی چوراسی بیٹھک ہیں اور
وہ برائے ہر یکے نفع خاص است
ہر ایک میں ایک خاص نفع ہے۔

۱۔ کشکول ص ۴۱، المجلس المحنیہ (ظہیٰ منہ شاہ سیلان کلشن) میں بھی اس کا حوالہ ہے لیکن اس کو ”ذکر ہندوی“ سے تعبیر کیا ہے۔

۲۔ دیکھئے تذکرہ شاہ فخر الدین دہلویؒ (باب سوم)

۳۔ دیکھئے تاریخ مشائخ چشت جلد اول ص ۴۸؛ ۴۹ کشکول ص ۴۸۔

۱۔ کشکول ص ۶۴
۲۔ کشکول ص ۶۵

بَعْدَ الثَّلَاثِينَ بَارًا، امارسن
عدم تکلیف تلقین ذکر نکند کہ
حرارت ذکر می سوزد و چون لبت
شہد و با باشد و محنتی کہ در ایام
جوانی سالک تواند کرد در ایام
پیری نتواند کرد و کشف و شہو
کہ در جوانت سن پدید آید در
خرافت ہم نمی رسد شیخ نظام الدین
نار فونی قدس سرہ صوفیان بارد
را بخوردن دانہ پنوار و صیت
می کرنا حرفت و گرمی در طبیعت
ایشان بادویہ نباتی افزاید
لے

اور گرمی پیدا ہو۔

(۴) مرقع کشکول اور مکتوبات تینوں کے مطالعہ سے ایک اور حقیقت بھی واضح
ہوتی ہے اور وہ یہ کہ شاہ صاحب مختلف سلاسل کی تعلیم کو ملانے اور ان سے استفادہ
کرنے میں قطعاً تامل نہ کرتے تھے۔ ان کے یہاں شاذلیہ، قادریہ، شطاریہ، نقشبندیہ،
فردوسیہ ہر سلسلہ کے شایخ کا ذکر و تعلیمات ملتی ہیں سلسلوں کی تعلیم میں ربط اور ہم آہنگی
پیدا کرنے کی یہ کوشش ہر اول ہے اس فکر کی جس کو بعد میں شاہ ولی اللہ دہلوی نے
اپنا مخصوص طریقہ کار قرار دیا شاہ کلیم اللہ کا خیال تھا کہ وقت اور مصلحت کے اعتبار
سے جس سلسلہ کی تعلیم سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو، اٹھانا چاہئے مثلاً جب وزنگے یب

کو نقشبندی سلسلہ کی طرف راغب پایا اور دکن میں ایسی صورت پیش آئی کہ چشتی سلسلہ
کے بعض افکار و مشاغل پر تنقید ہونے لگی اور عوام بھی بادشاہ وقت کے رجحانات کے
پیش نظر چشتی خانقاہوں سے گریز کرنے لگے توشہ صاحب نے اپنے مرید شاہ نظام الدین
اور نگ آبادی کو لکھا:

(۱) مجلس را بزرگو عشق گرم داشتہ باشند قبول مردم نوع از قبولیت

حق است و ہر سلسلہ کسیکہ پیش شما آید مشغول کنندہ سلسلہ نقشبندیہ،

دسہر و دردیہ، و گار و زونیہ، و کبرویہ و شطاریہ ہمہ از شما است لے

مجلس کو ذکر اور عشق سے گرم رکھیں۔ عوام میں مقبولیت، مقبولیت حق کی

ایک قسم ہے۔ کسی بھی سلسلہ سے تعلق رکھنے والا تمہارے پاس آئے اس کو ذکر و شغل

بتادو ہمیں سلسلہ نقشبندیہ، سہر و دردیہ، گار و زونیہ، کبرویہ، شطاریہ سب میں اجازت ہے۔

لیکن اس اجازت کے یہ معنی ہرگز نہ تھے کہ مختلف سلاسل کی تعلیم کو ایسا غلط ملط

کر دیا جائے کہ روحانی زندگی میں شغور پیدا ہو جائے۔ ایک شخص عبدالرشید نے چشتیہ سلسلہ

کے شغل شاہ نظام الدین سے سیکھنے کے لئے شاہ کلیم اللہ سے درخواست کی تو انھوں

نے فرمایا بتادے جائیں لیکن شرط یہ ہے کہ

پہلے جو اشغال تھے ان کو ختم کریں اور

از سر نو اشغال ماقبل معزول شونند

وا از سر نو اشغال دفر خوانند و

الامعنی ندارد کہ سرے از سرار

ایں راہ ہشام ایشال دہند

راہ (اور سلسلہ) کے اسرار ان کے

کان تک پہنچیں۔ لے

مختلف سلسلوں کو قریب لانے اور دینی جدوجہد کو اتحاد ملی کے ساتھ تیز تر کرنے کی خواہش

ہی غالباً اس بات کی محک ہوئی کہ شاہ صاحبؒ نے اپنے بیٹوں کو قادر یہ سلسلہ میں بیعت کرایا۔ حکمہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے:

از زبان حق ترجمان حضرت غریب
پرورشِ شنیذہ و مطابق آل
خلاصۃ الفوائد زیدہ کہ حضرت
قطب جہاں آبادی شیخ کلیم اللہ
رضی اللہ عنہ فرزند ان خود راویں
سلسلہ قادریہ بیعت فرمودہ بودند
ومی فرمودند کہ سلسلہ چشتیہ بہشتیہ
پُر از اناحات شاقہ است دامن
حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ
فراخ است و باعث پوشیدگی
دہر کس در ان گنجائش میدارد

وصال آخر عمر میں شاہ صاحبؒ کو تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں لکھا گیا ہے، فرماتے ہیں:

آزار تقریب و وجع المفاصل
نقرس اور گھٹیا کا مرض نہایت
با فرط شدہ، کہ دست چپ و
شدت سے ہو گیا ہے، بایاں ہاتھ

۱۔ حکمہ سیر الاولیاء ص ۵۱؛ حضرت غریب پرور سے مراد خواجہ محمد عاقل ہیں۔
۲۔ اسی مکتوب میں لکھتے ہیں:

”امروز ہم ہادی الثانی است، سال عمر ہفتاد و ہشت است چارہ دیہ
پانزدہ روز باقی است کہ شروع سال ہم خواہد شد۔“ (۲۵۴ ص ۹۳)
شاہ صاحبؒ نے ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔

زائوے پائے راست و ہر دو
پا آما سیدہ اندو چہار ماہ است
کہ صاحب فراشم، دریں روز
لنگ لنگاں بہ استعانت چنگ
از اندروں بہ خانہ می تو انم رفت
نماز بہ تیم نشست می خوانم
اور داہنی ٹانگ اور دونوں پاؤں
پرورم ہو گیا ہے۔ چار مہینے سے
صاحب فراش ہوں۔ اس زمانے
میں لنگڑاٹا لنگڑاٹا چند آدمیوں
کی مدد سے اندر سے مکان جاتا
ہوں، نماز تیم سے اور بیٹھ کر پڑھتا
ہوں۔ (۱۲۵ ص ۹۳)

لیکن ان تکالیف کے باوجود وہ اعلائے کلمۃ الحق میں مصروف رہے۔ جامع مکتوب
گلہبی نے لکھا ہے:

”در ہدایت خلق اللہ و علما
کلمۃ اللہ تادم واپس کوشش
بانج بکار بردند“
خلقت کی ہدایت اور اعلائے
کلمۃ اللہ کے لئے آخری سانس
تک کوشش کرتے رہے۔

بیماری کی حالت میں شاہ نظام الدین اور نگ آبادی کو خطوط لکھتے تھے اور

۱۔ فخر الطالبعین اور مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ ٹانگ میں درد یا آماس کی شکایت
بزرگانِ چشت کی ایک پرانی خصوصیت ہے۔ خواجہ نور محمد فرماتے ہیں۔

”آزار تقریب یعنی آزار مفصل ابہام پائے درد زانو موروثی پیرانہ ماست
یعنی مولانا صاحب و شیخ صاحب و شیخ کلیم اللہ و شیخ بھلی مدنی ایں ہمہ بزرگان
ایں مرضی داشتند۔“ مناقب المحبوبین ص ۹۵-۹۶۔

مولوی محمد عمر نے لکھا ہے کہ شاہ نور محمد صاحبؒ کو یہ مرض تھا۔ حاجی نجم الدین صاحب کا
بیان ہے کہ حضرت شاہ سلیمانؒ کو بھی یہی شکایت تھی (مناقب المحبوبین ص ۹۶)۔

قاضی محمد عاقل صاحب کی ایک ٹانگ میں درد رہتا تھا انکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۸۔
۲۔ مکتوبات گلہبی ص ۲۔

ضروری ہدایات دیتے تھے۔

شاہ صاحبؒ نے ۲۴ ربیع الاول ۱۱۳۲ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۷۱۹ء کو وصال فرمایا۔ انتقال کے وقت یہ بیت زبان پر تھی۔

غبارِ خاطر عشاقِ مرعاطلی است
بخلوتے کہ نم یاد دوست بے دوست

اپنی مسکونہ حویلی میں جو قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان واقع تھی، سپرد خاک کئے گئے۔ ایک مرید نے تاریخ وفات کہی۔

کلیم اللہ عارفِ پاک بودہ
باقلمِ بقا ذوقش ر بودہ
بہر سیدم چو تاریخِ وفاتش
خرگفتا کہ "ذاتِ پاک بودہ"

۱۱۳۲ھ

شاہ صاحبؒ کے مزار کے گرد ان کے خاندان کے افراد آباد تھے۔ ۱۸۵۷ء تک یہ علاقہ بہت آباد اور بارونق تھا۔ غدر میں یہ آبادی تباہ و برباد ہوئی۔ مناقبِ المحبوبین میں لکھا ہے:

۱۔ آزاد بلگرامی (ماثر الکلام) نے سنہ وفات ۱۱۳۲ھ لکھا ہے۔ شجرۃ الاولاد، خزینۃ الاصفیاء، دکن

۲۔ مکتوباتِ کلیبی میں ۱۱۳۲ھ ہے، اور یہی صحیح ہے۔ حقائق الخفیہ میں ۱۱۳۲ھ لکھا ہے جو یقیناً غلط ہے۔ (ص ۳۳۹)

۳۔ مناقبِ المحبوبین ص ۲۵۔

۴۔ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے: "در حویلی سکونت خود مدفون گردید" ص ۳۳۔

۵۔ شجرۃ الاولاد (کلی)۔

۶۔ سیر المنازل (کلی) میں اس کا مختصر حال درج ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غدر سے پہلے یہ علاقہ خاصہ آباد تھا۔

"در سال غدر چوں نصاریٰ
بر اہل اسلام دہلی فتح یافتند،
مکانہائے کہ قریب لعل قلعہ
بودند ہمہ را منہدم کردند" ۱۔

غالب ایک خط میں سید احمد حسن مودودی کو لکھے ہیں:

شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کا مقبرہ اُجر گیا، ایک اچھے گاؤں کی آبادی تھی، ان کی اولاد کے لوگ تمام اس موضع میں سکونت پذیر تھے۔ اب ایک جنگل ہے اور میدان میں قبر۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ ان کے رہنے والے اگر کوئی سے بچے ہوں گے تو خدا ہی جانتا ہو گا کہ کہاں ہیں۔ ۲۔

شاہ صاحبؒ کی خانقاہ بھی اسی ہنگامہ میں منہدم کر دی گئی۔ میاں نظام الدین نبیرہ حضرت شاہ فخر الدینؒ نے غدر کے بعد مولانا نجم الدین کو بتایا تھا کہ

"من اجازت از انگریز گرفتہ ام
میں نے انگریز سے اجازت لے لی
احاطہ برگرہ مزار شریف ایشاں
ہے۔ ان کے مزار شریف کے گرد
تیار خواہم کرد" ۳۔

اولاد شاہ صاحبؒ کے چار لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ ان لوگوں کے نام خواجہ محمد

۱۔ مناقبِ المحبوبین۔ ص ۳۵۔

۲۔ اردوئے معلیٰ۔ حصہ اول ص ۱۸۲-۱۸۳۔

۳۔ مناقبِ المحبوبین ص ۳۵۔

۴۔ مناقبِ المحبوبین میں پانچ لڑکیاں بتائی ہیں، چوتھی اور پانچویں کا نام نہیں لکھا۔

ایک کے متعلق لکھا ہے کہ بی بی رابعہ کے انتقال کے بعد محمد ہاشم صاحب سے ان کا نکاح ہو گیا تھا۔

حامد سعید، محمد فضل اللہ، محمد احسان اللہ تھے۔ لڑکیوں کے نام تھے۔ بی بی رابعہ، بی بی فخر النساء، زینب بی بی۔ خواجہ محمد کا انتقال، شاہ صاحب کی زندگی ہی ہو گیا تھا، ان کی وفات پر شاہ صاحب نے ایک نہایت پُرورد خط لکھا تھا۔ باقی اولاد کے متعلق ایک خط میں خود لکھتے ہیں:

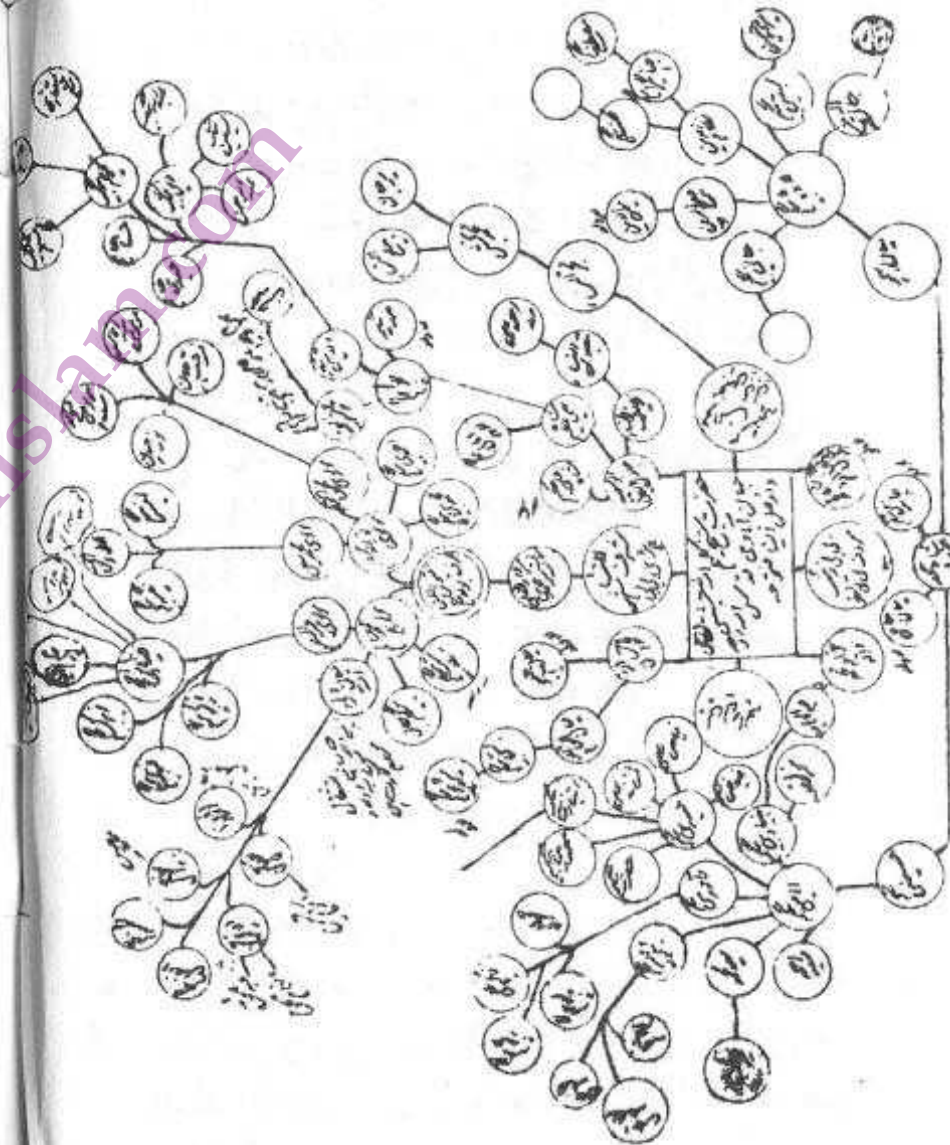
سفر زندہ و سفر موجودہ اندر
حامد کتب سلوک مشغول
است محمد فضل اللہ دہ سالہ
دوازده سپارہ قرآن حفظ کردہ
محمد احسان اللہ پنج سالہ بکتاب
شدہ بخاندان ابجد مشغول است
امامہ دست، یکے بخاندان محمد ہاشم
دادیم، بی بی رابعہ نام دارد، و
دیگر بی بی فخر النساء برادر زادہ
خود دادیم سیوم زینب بی بی
مشہور بہ بی بی مصری چارده
سالہ تا حال جائے منسوب
تین بیٹے اور تین بیٹیاں موجود ہیں،
حامد کتب سلوک کے مطالعہ میں
مشغول ہے۔ محمد فضل اللہ دس
سال کا ہے۔ ۱۲ پارے کلام پاک
کے حفظ کر لئے ہیں۔ محمد احسان اللہ
پانچ سالہ کا ہے۔ بکتاب میں ابجد
پڑھتا ہے۔ لڑکیوں کا یہ ہے کہ ایک
محمد ہاشم کے نکاح میں ہے۔ بی بی
رابعہ اس کا نام ہے دوسری بی بی
فخر النساء برادر زادہ کے نکاح میں
دیدہ ہے۔ تیسری لڑکی زینب
بی بی جو بی بی مصری کے نام سے

۱۔ مکتوب ۴۲ ص ۳۰۔

۲۔ یہ خط شاہ صاحب نے تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں لکھا ہوگا۔ ایک مکتوب میں (م ۱۲۳) میں لکھا ہے کہ احسان اللہ، سال کی عمر میں عطا ہوئے تھے۔ اس خط میں ان کی عمر سال بتائی گئی ہے۔

۳۔ ایک مکتوب میں ان کا نام بی بی شرف النساء لکھتے ہیں (م، ۵ ص ۵۰)۔

۴۔ مناقب محبوبین میں ان کا نام شیخ عبدالرحیم لکھا ہے۔ (ص ۱۳۶)۔



کثیر تھی لیکن خلفاء کی مکمل فہرست اور حالات دستیاب نہیں ہوتے۔ مختلف تذکروں میں جن خلفاء کے اسماء گرامی ملتے ہیں وہ یہ ہیں:

- ① — شاہ محمد ہاشمؒ
- ② — مولانا شاہ ضیاء الدینؒ
- ③ — مولانا شاہ جمال الدینؒ جے پوریؒ
- ④ — مولانا شاہ جلال الدینؒ
- ⑤ — مولانا شاہ محمد علیؒ
- ⑥ — مولانا شاہ عبداللطیفؒ
- ⑦ — مولانا حافظ محمد عبداللہؒ
- ⑧ — مولانا عبدالصمدؒ
- ⑨ — مخدوم شیخ تھاروؒ
- ⑩ — شیخ بدیع الدین عرف شیخ مدارى ناگوری (قبر سنگھانہ)
- ⑪ — خواجہ مصطفیٰ امراد آبادیؒ

دو بیانات ملاحظہ ہوں۔ ”تکملہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے: ”در ترحال می کوشیدند تا کہ می گویند کہ مریدان محدودہ گرفتہ اند و ہم را بہ تکمیل رسانیدہ اند و خلفائے ایشاں بسیار اشتہار یافتہ“ (ص ۸۰) جامع مکتوبات کا بیان ہے: ”حضرت ایشاں راماسوائے حضرت شیخ الاسلام حضرت نظام الدین اور رنگ آبادی حشیؒ خلفاء کثیر اند“ (ص ۱۲)۔ ”تکملہ کا مریدان محدودہ“ والا بیان قابل اعتبار نہیں۔ مکتوبات سے جو تصویر ابھرتی ہے وہ بالکل مختلف ہے۔ وہ تو یہاں تک فرماتے تھے کہ اگر بظاہر مصیبت میں پھنسے ہوئے لوگ (جنگ، شراب اور ایفون کے عادی) داخل سلسلہ ہونا چاہیں تو بیعت کے بعد ذکر کی تعلیم کر دی جائے ”کہ نام حق تعالیٰ تاخیر خواہ نہ کر دزد و دیا دیر“۔ مکتوبات م ۲۱ ص ۲۴

”شدہ“ مشہور ہے۔ ۱۴ سال کی ہے، ابھی کہیں اس کی نسبت نہیں ہوئی ہے۔

شیخ محمد ہاشم ایک مذہبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ان کا حال شاہ صاحبؒ نے خود ایک مکتوب میں لکھا ہے۔ اُن کے والد شاہ حسن دکن میں رہتے تھے۔ شیخ عبداللطیف دولت مندانی کہ بادشاہ بایشاں اخلاص داشت ”م“ تھا کہ وہ مرید تھے اور اُن ہی کے حکم کے مطابق آباد آکر آباد ہو گئے تھے۔ محمد ہاشم آباد سے دہلی تحصیل علم کے لئے آگئے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے اپنی بڑی بیٹی ان کے نکاح میں دے دی تھی۔

”چوں بسیار صالح و فقیر و فقیر چونکہ بے حد صالح، فقیر اور فقیر زادہ زادہ بود ایں عقد منعقد شد“ تھے۔ اس لئے یہ رشتہ کر لیا گیا۔

م ۵۰ ص ۵۱۔

شاہ صاحبؒ کی چھوٹی صاحبزادی بی بی مصری کے متعلق جامع مکتوبات نے لکھا ہے:

”حضرت ایشاں بایشاں بسیار نظر التفات می داشتند و تا حال فیض کہ باولاد ایں معصومہ و عقیقہ روزگار است بدیگراں دیدہ نمی شود“ لے

بی بی مصری کی شادی شاہ میر سے ہوئی تھی۔ لے

مولوی انوار الحق دہلوی نے شاہ صاحبؒ کے تذکرے میں اُن کی اولاد کی تفصیل دی ہے (مخطوط شاہ محمد سلیمان کلکشن، علی گڑھ) جس کا عکس شامل کیا جاتا ہے۔

خلفاء | حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کے خلفاء و مریدین کی تعداد تو

- ۱۔ مکتوبات کلیمی م ۵۰ ص ۵۱۔ ۵۰۔
- ۲۔ مکتوبات کلیمی۔ ص ۳۰۔
- ۳۔ مناقب المحبوبین ص ۴۶۔

- (۱۲) — سید محمد علیؒ
- (۱۳) — شیخ بدھنؒ
- (۱۴) — حافظ محمودؒ
- (۱۵) — حافظ سعید پیر شاہ صاحبؒ
- (۱۶) — شاہ اسد اللہؒ
- (۱۷) — قاضی عبدالوہابیؒ سکنہ بدھ سنگھانہ
- (۱۸) — شاہ جلیل قادریؒ

باب دوم

حضرت شاہ نظام الدین اور نگ آبادیؒ

شاہ نظام الدین اور نگ آبادیؒ، شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ تھے اور ان ہی کی ہدایت کے ماتحت دکن چلے گئے تھے جہاں انھوں نے نظامیہ سلسلہ کی شاندار خانقاہ قائم کی تھی۔ امیر اور غریب، جاہل اور عالم سب ہی پُرانوں کی طرح اُن کے گرد جمع ہوتے تھے۔ حضرت سید محمد گیسو درازؒ کے بعد چشتیہ نظامیہ سلسلہ کے کسی اتنے جلیل القدر بزرگ نے سرزمین دکن پر قدم نہیں رکھا تھا۔ آسن الشمائل کے مصنف کا بیان ہے کہ

”چنین فیض کہ از ذات بابرکات
حضرت صاحب مظلہ بمعالمے
پہونچا اور پہونچ رہا ہے، شاید بزرگانِ
سلف میں ہی سے کسی کو پہونچا ہو۔
اس وقت تو فیض چشمہ اُن ہی کی
البرکات است“

ذات ہے۔

وہ تاریخ ہند کے ایک نہایت ہی بھجرائی دور میں دکن گئے تھے۔ اور نگ زیب

خواجہ مصطفیٰ مراد آبادیؒ | خواجہ صاحبؒ، حضرت بہار الدین زکریا ملتانیؒ کی اولاد سے تھے۔ لاہور کے ایک دولت مند گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ جوانی ہی میں دنیائے دل سرد ہو گیا تھا اور شاہ کلیم اللہؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے تھے۔ ۱۱۵۰ھ میں بمقام مراد آباد وصال فرمایا اور اپنی بنائی ہوئی مسجد مغل پورہ کے صحن میں سپردِ خاک کئے گئے۔ اُن کے بعد شیخ عبدالرحیم اُن کے سجادہ پر بیٹھے۔ انھوں نے ”زہد، قناعت، رضا اور تسلیم“ میں اپنی زندگی گزار دی۔ کبھی کسی سے وظیفہ قبول نہ کیا۔ مثنوی مولانا روم سے خاص دلچسپی تھی۔ اُن کا مزار بھی خواجہ صاحبؒ کے مزار کے برابر ہے۔ لے

وطن | شاہ نظام الدینؒ کے وطن کے متعلق کسی معاصر مصنف نے صراحتاً نہیں لکھا۔ مناقب فخریہ، شجرۃ الانوار، تکملہ سیر الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء وغیرہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ ان کا وطن پورب میں تھا اور وہاں سے تکمیل علم کے لئے دہلی چلے آئے تھے۔ سرسید نے آثار الصنادید میں ان کا وطن ”مکراؤں“ کہ مضافات لکھنے سے ہے۔ بتایا ہے بعض شجروں میں ان کا مقام ولادت ”نگراؤں“ درج ہے۔

برکات الاولیاء میں ان کا وطن کا گوری لکھا ہے۔ مناقب المحبوبین، انوار العارفین اور سلسلۃ الذہب میں کا گوری اور نگراؤں دونوں درج ہیں اور کسی ایک مقام کے متعلق فیصلہ نہیں کیا گیا۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے:

”وطن اصلی ایشان در ضلع پورب در قصبہ کا گوری و نگراؤں متصل بلوہ لکھنؤ است“

خواجہ حسن نظامی اور نواب مصلح الدین کا خیال تھا کہ ان کا وطن کا گوری تھا۔ خواجہ محمد عاقلؒ کے سلسلہ حدیث میں شاہ فخر صاحبؒ کی ولادت اس طرح درج ہے:

”۲۔ بن اشخ نظام الدین الغوری ثم الاورنگ آبادی قدس اللہ سرہ“

۱۔ آثار الصنادید (باب چہارم) ص ۳۰

۲۔ شجرۃ سلیمانہ فخریہ۔ مولانا غلام فرید خاں چشتی ص ۳۰

۳۔ برکات الاولیاء ص ۱۳۴ ۴۔ مناقب المحبوبین ص ۱۴۴

۵۔ منادی مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۳۷ء میں نواب مصلح الدین کا بیان درج ہے۔

خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنے ایک مکتوب (بنام مصنف) میں اس خیال کی تائید کی ہے۔ نواب صاحب کے متعلق خواجہ صاحب نے لکھا ہے ”ان کی معلومات احوال قدیم کی نسبت ایسی ہے کہ دہلی میں کوئی شخص ان کی برابر پرانی باتوں کو نہیں جانتا“ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۸۰۔

مرہٹوں سے آخری اور فیصلہ کن معرکوں میں مصروف تھا۔ مغلیہ سلطنت اپنی شان و شوکت، اقبال و اقتدار کا دور ختم کر رہی تھی۔ باغیانہ قوتیں ابھر رہی تھیں اور ایوان شاہی میں زلزلے محسوس ہو رہے تھے۔ ہر طرف ہراس اور پریشانی کا عالم تھا۔ ایسے ہوش رُبا دور میں سرمایہ ملت کی نگہبانی کرنا آسان کام نہ تھا، چنانچہ قدرت نے جس شخص پر اس کام کی ذمہ داری ڈالی وہ غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک تھا۔

شاہ نظام الدینؒ نے دکن پہنچ کر ارشادِ تلقین کا ایسا ہنگامہ برپا کیا کہ سارا ملک ان کی شعلہ نفسی سے گرم ہو گیا۔ ہزاروں انسانوں نے ان سے ہدایت پائی۔ معاصر تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ ان کے ایک لاکھ مرید تھے اور یہ سب ایسے تھے کہ ان کی اصلاح و تربیت میں کافی دماغ سوزی کی گئی تھی۔

ولادت و نسب | شاہ نظام الدینؒ کا سنہ ولادت کسی معاصر تذکرے یا ملفوظی میں درج نہیں ہے۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ انھوں نے ۸۲ سال کی عمر میں وصال فرمایا تھا۔ اس بنیاد پر اگر ان کی تاریخ پیدائش کا حساب لگایا جائے تو وہ ۱۱۶۵ھ ہوتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے کہ وہ شاہ حکیم اللہ صاحبؒ کے ہم عمر تھے، اور ان ہی کے ساتھ وصال فرمایا۔ لیکن شاہ صاحبؒ کے مکتوبات کے طرز سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ نظام الدینؒ ان سے عمر میں کافی چھوٹے تھے۔

شیخ اورنگ آبادیؒ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے واسطے سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ خواجہ محمد عاقل کی سند حدیث میں جو سلسلہ درج ہے اس میں ان کے صاحبزادے شاہ فخر الدینؒ کو صدر لپی بتایا گیا ہے۔

۱۔ مناقب المحبوبین ص ۴۰۔

۲۔ شجرۃ الانوار (قلمی) مناقب فخریہ (مطبوعہ) ص ۲؛ تکملہ سیر الاولیاء ص ۹۴۔

۳۔ تکملہ سیر الاولیاء ص ۹۴۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اصلی وطن غور تھا، اور وہاں سے وہ یا ان کے اجداد ہندوستان آ گئے تھے۔

دہلی میں | شاہ نظام الدین نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی۔ پھر تکمیل کے لئے دہلی آ گئے کہ دہلی اس وقت ہندوستان کا علمی و روحانی مرکز تھا۔ یہاں انھوں نے شاہ کلیم اللہ کا مشہرہ سنا اور ایک دن اُن کی حویلی میں جا پہنچے۔ وہاں اس وقت محفلِ سماع منعقد ہو رہی تھی۔ شاہ صاحب کا دستور تھا کہ سماع کے وقت مکان کے دروازے بند کر دیتے تھے، اور پھر کسی نا آشنا شخص کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ شاہ نظام الدین نے دروازے پر دستک دی۔ شاہ کلیم اللہ نے آواز سن کر ایک مرید کو اشارہ کیا کہ باہر جا کر دیکھے۔ مرید نے ایک غیر متعارف شخص کو دروازہ پر کھڑا دیکھا تو نام دریافت کیا اور اگر شیخ سے عرض کیا کہ ایک بیگانہ شخص، گدا صورت، نظام الدین نامی طالب ملاقات ہے۔ شیخ نے نام سنتے ہی فرمایا کہ جلدی سے اُس کو اندر لے آؤ۔ مرید کو حیرت ہوئی کہ شیخ نے کیوں خلاف معمول ایک نا آشنا اور بیگانہ شخص کو سماع کے وقت اندر آنے کی اجازت دے دی۔ لیکن شیخ نے فوراً یہ کہہ کر ان کی تسلی کر دی

”اڑیں شخص و نام نامی دے بوئے اس شخص سے اور اس کے نام نامی سے آشنائی می آید، غیر نیست“

آشنائی کی بآتی ہے یہ غیر نہیں ہے۔

اور شاہ نظام الدین جسے نہایت خلوص اور محبت سے ملے۔ اور ان کی ظاہری تعلیم و تربیت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ عرصہ تک شاہ نظام الدین شاہ کلیم اللہ صاحب کی خدمت بابرکت میں رہ کر علوم ظاہری حاصل کرتے رہے۔ لے

بیعت | اس زمانے میں دو واقعات ایسے پیش آئے کہ شاہ نظام الدین کی توجہ، علوم ظاہری سے ہٹ کر علوم باطنی کی جانب ہو گئی۔ وہ دراصل علوم ظاہری کی تحصیل و تکمیل کے لئے

شاہ کلیم اللہ دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ لیکن شاہ صاحب علوم ظاہری کے علاوہ علوم باطنی میں بھی یگانہ عصر تھے، اور روحانی ملاح و تربیت بھی بڑی محنت اور در توجہ سے کرتے تھے، اس لئے اس نوجوان طالب علم کی طبیعت بھی متغیر ہو گئی۔ ایک دن حضرت شیخ یحییٰ مدنی کا ایک مرید شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ نظام الدین اس وقت کسی کتاب کا سبق لے رہے تھے۔ اس مرید نے جب شاہ صاحب کو دیکھا تو مستی کی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ

”از جوش دل مست دے ہوش افتاد“

شاہ نظام الدین کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور شاہ کلیم اللہ صاحب سے اُن کی عقیدت اور ارادت میں اضافہ ہو گیا۔ ایک دن شاہ کلیم اللہ صاحب مجلس سے اُٹھے اور فرش کے کنارے تک پہنچے۔ شاہ نظام الدین نے بڑھ کر فوراً جوتے اٹھائے اور صاف کر کے رکھ دئے۔ شاہ صاحب کو یہ ادا پسند آئی، اور انتہائی محبت سے اُن کی طرف دیکھ کر پوچھا:

”نظام الدین تو ہمارے پاس علوم ظاہری حاصل کرنے آیا ہے، یا فوائد باطنی کے لئے جو زیادہ بہتر اور اچھے ہیں“

شاہ نظام الدین نے فوراً جواب دیا کہ

سپر دم بتو مایہ خویش را

تو دانی حساب کم و بیش را

شاہ صاحب کو یہ شعر سن کر اپنے پیر شیخ یحییٰ مدنی کی وہ پیشین گوئی یاد آگئی جس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ ایک شخص ایسے موقع پر یہ شعر پڑھے گا اور وہ ہماری نسبت کا مالک ہوگا

لے خلاصۃ القوائد (قلمی)؛ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے کہ اسی واقعہ کے بعد شاہ کلیم اللہ صاحب

سے انھوں نے وہ شعر کہہ دیا تھا اور بیعت ہو گئے تھے۔ لیکن مناقب فخریہ،

تکملہ سیر الاولیاء اور خزینۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ دوسرے واقعہ کے بعد وہ مرید

ہوئے۔

لے مناقب فخریہ۔ ص ۳۰-۳۱؛ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۴۹۶؛ تکملہ سیر الاولیاء ص ۹۴؛

شجرۃ الانوار (قلمی)

اور اس سے چشتیہ سلسلہ کو بے حد ترقی ہو گئی۔ شاہ صاحبؒ سمجھ گئے کہ ع
آمد آں یارے کہ مامی خواہیم

اور اسی وقت اُن کو بیعت کر لیا۔

دکن کو روانگی | شاہ کلیم اللہؒ نے اُن کی روحانی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ صرف
کی۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو اُن کو دکن جانے کا حکم دیا۔ اس زمانے میں دکن
جہنم زار بنا ہوا تھا۔ مرہٹوں کی لوٹ مار، قتل و غارت گری، پھر مسلسل جنگ و جدل نے
مدنی زندگی کی سبب نعمتوں کو ختم کر دیا تھا۔ خوف و ہراس، افسردگی اور پریشانی ہر
طرف چھائی ہوئی تھی۔ سپہ سالار سے لے کر معمولی سپاہی تک شمالی ہندوستان واپس
آنے کے لئے بے چین تھے۔ حدیث ہے کہ ایک امیر نے شہنشاہ کو ایک لاکھ روپیہ صرف
اس لئے پیش کئے کہ اس کو ایک سال تک دہلی رہنے کی اجازت دیدی جائے۔ ایسے
سخت اور نازک زمانے میں جبکہ جنوبی ہندوستان کے مسلمان خود شمال کی طرف
رجوع ہو رہے تھے شاہ کلیم اللہ صاحبؒ نے اپنے عزیز ترین مرید اور خلیفہ کو
دکن جانے کا حکم دیا۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

”تم کو اللہ تعالیٰ نے دکن کی ولایت عطا فرمائی ہے۔ تم یہ کام پورے
طور پر انجام دو۔ میں نے اس سے پہلے تم کو لکھا تھا کہ لشکر میں جاؤ لیکن
اب یہ حکم ہے کہ جہاں کہیں ہوا علاقے کلمۃ اللہ میں مصروف رہو، اور اپنے
جان و مال کو اسی میں صرف کر دو۔“

دکن نظامیہ سلسلہ کے لئے کوئی نئی یا غیر متعارف جگہ نہیں تھی۔ وہاں امیر حسن علی بھٹوؒ
شیخ برہان الدین غریبؒ اور سید محمد گیسو درازؒ جیسے بزرگ آسودہ تھے۔ اور تاتاری کے
ایک نازک دور ہی میں وہ بھی سلسلہ نظامیہ کو دکن میں پھیلا چکے تھے۔ ان بزرگوں

۱۔ مناقب فخریہ۔ ص ۴؛ مکتبہ سیر الاولیاء۔ ص ۹۵؛ خزینۃ الاصفیاء، ص ۴۹۹-۴۹۸

۲۔ آثار الامراء۔ جلد اول ص ۴۵۷ ۳۔ مکتوبات کلیمی ص ۲۱۴-۲۱۵

نے دکن میں اس وقت کام کیا تھا جب سلطنت دہلی کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ شاہ
نظام الدین اورنگ آبادی نے دکن کو اپنی کوششوں کا مرکز اس وقت بنایا
جب سلطنت مغلیہ پر نزع کا عالم طاری تھا۔

شاہ نظام الدینؒ لشکر شاہی میں | مکتوبات کلیمی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے
کہ شاہ نظام الدین صاحبؒ لشکر شاہی کے ہمراہ دکن گئے تھے۔ اور کچھ عرصہ
دکن میں اُن کی نقل و حرکت لشکر ہی کے ساتھ ہوتی رہی تھی۔ اُن کے خطوط لشکر
کے ذریعہ آتے جاتے تھے، اور شاید اسی وجہ سے میر نے ایک مکتوب میں ناکیدگی تھی
کہ وہ دکن کے حالات بڑی احتیاط سے لکھا کریں۔ لے

مکتوبات میں جگہ جگہ لشکر کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً

از ابتداء آمدن شہاد لشکر بادشاہی کہ تاریخ حال ہفت ہشت

ماہ گذشتہ باشند دو کتابت رسیدہ“ (۱۴ ص ۱۴)

در لشکرے کہ شما ہستید اکثر شنیدہ می شود کہ معتقدات رفیع بنایت

رائج است“ (۱۴ ص ۱۳)

قبل ازین می نوشتم کہ بر لشکر بروید، اکنون ایں امر است ہر جا کہ باشید

در اعلائے کلمۃ الحق باشید“ (۲۱ ص ۲۶)

مکتوب شما از لشکر رسید“ (۳۲ ص ۳۲)

بہر طریق بولن شہاد لشکر موجب رحمت علی عباد اللہ است“ (۳۳ ص ۳۳)

حکم آں است کہ در لشکر خدمت گاری طالب علان حق نمائید و ایں

سعادت خود شمارد و جہد کنید تا مردم بسیار از حقیقت غفلت بزاویہ ہفت

بطفیل شمار رسند“ (۴ ص ۵۲)

چنانچہ شاہ نظام الدین صاحبؒ نے اپنے پیرو و مرشد کی ہدایت کے مطابق عرصہ تک

۱۔ مکتوبات کلیمی ص ۵۱۴-۵۱۵

درویشاں دریں شہر بودند،
راہ سے جاتے ہیں بہت درویش
اما تکیہ برب آب اختیار
اس شہر میں رہتے تھے۔ لیکن
کندہ و از نظام پورہ نام ہنند
تکیہ دریا کے قریب بنانا چاہیے
اور اس کا نام نظام پورہ رکھنا چاہیے

لیکن بقضائے الہی برہان پور مستقر نہ بن سکا۔ شجرۃ الانوار سے معلوم ہوتا ہے کہ
اُن کا قیام کچھ عرصہ شولا پور بھی رہا تھا۔ سب سے آخر میں اورنگ آباد پہنچے۔
پیروم شد نے خط لکھا:

خواجہ عبداللطیف نے لکھا تھا کہ شاہ نظام الدین جیو اورنگ آباد
چلے گئے ہیں لیکن تمہارے خط نہ آنے سے تشویش ہے معلوم ہوا کہ
ابھی جگہ مقرر نہیں ہوئی ہے۔ لے

آخر کار اورنگ آباد ہی میں قیام فرمایا اور سلسلہ کی نشر و اشاعت میں مشغول
ہو گئے۔

قیام خانقاہ جب اورنگ آباد میں شاہ نظام الدین نے قیام کا مستقل ارادہ
کر لیا تو وہاں اپنے لئے ایک خانقاہ کی بنیاد ڈالی، جو بہت جلد مرجع عوام و خواص
بن گئی۔ ابتدائی زمانہ میں خلقت کا یہ ہجوم دیکھ کر اُن کو تکلیف ہوئی۔ لیکن بعد
کو مرشد کی ہدایت کے بموجب وہ لوگوں سے نہایت خوشی سے ملنے لگے۔ شاہ
کلیم اللہ صاحبؒ کی ہدایت تھی کہ ہر کس و ناکس کی طرف التفات کیا جائے لیکن
”از رجوع خلایق و کثرت مریدان خلقت کے رجوع کرنے اور مریدوں
خود را گم نہ خواہی کرد“ کی کثرت میں خود کو گم نہیں کرنا
چاہیے۔ (۱۰۰ ص ۱۴۹)

شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ شیخ اورنگ آبادیؒ کی خانقاہ

دکن کے شکاریوں میں تبلیغ و اصلاح کا کام کیا۔ اُن کی کوششیں بہت حد تک کامیاب
ہوئیں۔ لشکر کے لوگ اُن کے گرد ویدہ ہو گئے۔ خود شاہ کلیم اللہ صاحبؒ ایک مکتوب
میں فرماتے ہیں:

”دیگر معلوم شد کہ از لشکر دو جوان بسیار از وضع شما محفوظ بودند

و نظیے از مذاق شما می کردند، معلوم شد کہ کمال رشد شناختہ اند“ لے

مختلف مقامات پر قیام | دکن میں شاہ نظام الدین صاحبؒ کا مختلف مقامات
پر قیام رہا۔ ایک مکتوب میں شاہ کلیم اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

”خطے کہ بعد از سیب بجا پور ۲ شوال مرقوم بود رسید“ لے

ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

”اللہ اللہ دریں روز در برہان پور اللہ اللہ اس زمانے میں برہان پور

خوبیہا است، وطن اختیار بکنید بر میں بڑی خوبیاں ہیں دریا کے کنارے

لب آب اگر چہ صحرا باشد انشاء اللہ قیام کرو (جہاں تم مقیم ہو گئے)

آبادی ہم آں خواہد رفت“ و انشاء اللہ وہاں ہی آبادی چلی

جائے گی۔ (۲۵ ص ۲۹)

برہان پور کی تاریخی اور جغرافیائی اہمیت کے پیش نظر شاہ کلیم اللہؒ کا خیال تھا کہ
اُسی کو وطن بنایا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

برائے توطن شہر برہان پور در جمیع توطن کے لئے برہان پور میں بڑی

خوبیہا است، خوب است، ہم گذر خوبیاں ہیں۔ وہاں سے شمالی

مردم ہندوستان و ہم گذر مردم دکن ہندوستان کے لوگ گزرتے ہیں

و ہم گذر حجاج بیت الحرام واکثر اور دکن کے لوگ بھی، حاجی بھی سی

اس انداز میں پڑھا کہ خواجہ کامگار خاں پر بے اختیار گریہ طاری ہو گیا۔ ۱
صحبت کی کشش | شیخ اورنگ آبادی کے ایک مرید کا کہنا ہے ۲

آتش بدم جمال رویت افروخت

وز شعلہ آن خرمن سستی ہمہ سوخت

زلف تو مرابہ بست مرغان کوکشت

حسن تو مر خرید و عشق تو فروخت ۳

شاہ صاحب کی صحبت کہ بانی اثر رکھتی تھی جس کی طرف دیکھ لیتے وہ اُن کا گریہ
ہو جاتا۔ خواجہ کامگار خاں نے آسن الشماں میں اُن کی صحبت کی کشش کے متعدد
واقعات لکھے ہیں اور جبکہ ایسے اشعار درج کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خود
اُن کے دل و دماغ پر حضرت اورنگ آبادی کا بہت گہرا اثر تھا پہلی ملاقات کے
بعد جب وہ اپنے شیخ سے رخصت ہونے لگے تو اُن کی زبان پر بے اختیار یہ رباعی
آگئی تھی ۴

گشم ز منے شاہ نظام الدین مست

مستی من است عالی از روز است

عکس رخ یار چوں با غم دیدم

از بادہ پرستی شدہ ام جام پرست ۵

تبلیغی جدوجہد | شاہ کلیم اللہ صاحب نے شاہ نظام الدین کو ہدایت کی تھی کہ وہ دکن
میں جا کر تبلیغ و احیاء کے کام کو اپنا مقصد حیات بنالیں چنانچہ انھوں نے وہاں پہنچ کر
مرشد کے حکم کے مطابق اپنا ”جان و مال“ اسی کام میں صرف کر دیا۔ شاہ
کلیم اللہ صاحب دہلی میں بیٹھ کر ان کو ہدایت دیتے تھے۔ شاہ صاحب اپنے
مرید کی اس فرمانبرداری سے باغ باغ ہو جاتے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

۱۹۲ ۳۵ آسن الشماں (قلی)

کے دس دروازے تھے، ہر در پر ایک کاتب بیٹھا رہتا تھا۔ جو حاجت مندا آتا اس
کی حاجت کو لکھ کر دے دیتا۔ اس پر حضرت کی مہر لگادی جاتی تھی جس کا معجز تھا
”ذکر مولے از ہماوے“

اور ۴ در رعایت دلہا بکوشش

نظام دین بدنیام فروش ۵

حاجت مند یہ پرچہ جس امیر کے پاس لے جاتا وہ اس کی حاجت براری کو اپنے لئے
سعادت دار بن بچھتا تھا۔ خانقاہ کے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے ہوئے تھے۔
خواجہ کامگار خاں نے لکھا ہے کہ اُن کی خانقاہ کو دیکھ کر خواجہ حافظ شیرازی کا یہ شعر
یا آتا تھا ۶

ہر کہ خواہد گو سیا دہر کہ خواہد گو برو

گبر و دار و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست ۷

گفتگو کا انداز بڑا دل کش اور پُر تاثیر تھا۔ اشعار بر محل اور اس انداز میں پڑھتے
تھے کہ سننے والا تڑپ اٹھتا تھا۔ ایک مرتبہ عبادت کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے
یہ شعر ۸

پس از سی سال این معنی محقق شد بہ خاقانی

کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

۱۹۳ نافع الکلین ص ۱۰۴

۱۹۴ تکریر الاولیاء ص ۹۶ خلاصۃ الفوائد (قلی)؛ فخر الطالبین (مطبوعہ) میں یہ سچ اس
طرح دیا ہوا ہے۔

نظام در تعظیم دلہا کوشش

دین بدنیام فروش (ص ۳۵)

۱۹۵ آسن الشماں (قلی)

مریدوں کی روحانی تربیت | شاہ نظام الدینؒ کے مریدین کی تعداد بہت کثیر تھی۔
مناقبِ مخزنیہ میں لکھا ہے:

”اور از صدر ہزار مرید زیادہ بود و اکثر مریدانش صاحبِ حال و کمال“
مریدوں کی اصلاح و تربیت کے سلسلے میں ان کے بنیادی اصول شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کی تعلیمات و ہدایات پر مبنی تھے، ان ہی کی روشنی میں انھوں نے اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت کا سارا پر و گرام مرتب کیا تھا۔ کہا کرتے تھے کہ تخلیقِ انسانی کا مقصد عبادت کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ:

در کلام اللہ وارد است: ”وَمَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ إِلَّا لِيَعْبُدَنِی“
قرآن پاک میں ہے کہ ہم نے جن اور انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا۔
پس برعکس لازم کہ دریں کار سعی ملین
پس سب پر لازم ہے کہ اس کام میں پوری پوری کوشش کریں۔

عبادت، اشغال اور اوراد کے بارے میں نہایت سختی سے کام لیتے تھے۔ رات اور دن ہر وقت مریدوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ آدھی رات کو مریدوں کو دیکھنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ لکھا ہے:

ہر شخص کے خواب رفت خود ملاحظہ
جس شخص کو سویا ہوا پاتے، ٹھنڈا پانی
فرمودہ کوڑھ آب سرد دہراہی داشتند
جو ساتھ لے کر چلتے تھے اس پر ڈال
وہ آں می پاشیدند تا ایں مرتبہ
دیتے تھے۔ تربیت میں اس قدر توجہ
تقدیر و تربیت داشتند
فرماتے تھے۔

جو مریدین شغل و ذکر میں مصروف رہتے تھے، ان پر خاص توجہ اور التفات ہوتا تھا۔ تاہنی

۱۔ مناقبِ مخزنیہ ص ۳
۲۔ شجرۃ الانوار (قلی)
۳۔ احسن الشائیل (قلی)

مریدوں کو عنایت فرمادے۔ لے
مرشد کی نظر میں | حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ اپنے غلیظ کی سعادت مندی اور تبلیغی جدوجہد سے بے حد متاثر و خوش تھے۔ ایک مرتبہ شاہ نظام الدینؒ کو شبہ ہوا کہ شاید کسی نے شاہ صاحبؒ کو ان کی بُرائی لکھ کر بھیجی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے لکھا:

بالتہ واللہ کہ در حق شما کسی چیزے
خدا کی قسم کسی نے تمہارے متعلق
انکوں نمی نویسد و بر تقدیرے اگر
کوئی بات نہیں لکھی اور اگر کوئی
نویسد بالتہ واللہ کہ اثر ندارد و
لکھے گا بھی تو وہ اللہ اس کا اثر نہ
نخواہد داشت۔ (م ۳۷ ص ۱۳۳) ہوگا۔

ایک مرتبہ شیخ اورنگ آبادیؒ نے پیر کو ایک کتاب بھیجی۔ جواب میں ارشاد ہوا۔
”کتاب شمار سید، انچہ در باب ارسال ہدیہ مرقوم بود آں را سعادت خود
دانستہ در روز قیامت ہمیں قدر شفیع من پس است کہ ایں ہمہ لطف
بر تقیر فرمودہ“ (م ۱۸ ص ۲۲)

شاہ صاحبؒ نے جس طرح مکتوبات میں ان کو مخاطب کیا ہے، اس سے ان کے جذبات کا پتہ چلتا ہے۔ ایک جگہ بے اختیار اس طرح خطاب کرتے ہیں:
”اے برادر، اے جان جہاں، اے تمام ایمان جان من“ (م ۵۸ ص ۱۵۱)
ایک مکتوب میں نہایت حسرت بھرے انداز میں لکھتے ہیں:

فقیر را بشما بسیار خصوصیت است
فقیر کو تم سے بڑی خصوصیت ہے
شما چرا نامہ ریاں می داند اگر من
تم نے کس طرح مجھے نامہ ریاں بجھا۔
بر شما مہربان نباشم، درد نیا کدام
اگر میں تم پر مہربان نہ ہوں گا تو
نور دیدہ دارم کہ برو مہربان خواہم
دنیا میں میرا کون سا ایسا ذریعہ
بود (م ۹۵ ص ۱۴۲) ہے کہ اس پر مہربان ہوں گا۔

محمد عظیم نے لکھا ہے کہ ان کے استغراق کا یہ حال تھا کہ ”شخص بے شغل را اگر چه از یاراں
آن حضرت می بود ہم نمی شناختند“۔ ۱۷

شیخ اورنگ آبادی نے اپنی روحانی تعلیم میں پاس انفاس اور ذکر جہر کو خاص
اہمیت دی تھی۔ فرمایا کرتے تھے ”اُن ہی کے ذریعے باطنی اصلاح و تربیت ممکن ہے۔ مغرب
کے وقت ایک شخص بیعت ہوا، فوراً خواجہ محمد نور الدین کو حکم ہوا کہ اس شخص کو ذکر جہر سکھا دو۔
مکتوبات کلیسی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جامع مسجد میں وہ دو دوسو تین سو فریادوں کے
ساتھ ذکر جہر میں مصروف ہوتے تھے۔ عظیم شاہ نے ان کو اس سے منع بھی کیا تھا۔ ایک مرتبہ
انھوں نے اپنی نابالغ لڑکیوں کو ذکر جہر بتا دیا۔ شاہ کلیم اللہ صاحب کو اطلاع ہوئی تو لکھا کہ
بچوں کو ذکر جہر بتانے سے گریز کیا جائے کہ اس میں جان کا خطرہ ہے۔ ۱۸

شیخ اورنگ آبادی اپنے مریدوں کو اتباع شیخ اور ادب کی تعلیم خاص طور پر دیتے
تھے۔ کہا کرتے تھے کہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے اپنے رفقاء کو زرد کو ب تک کیا، لیکن
انھوں نے مرشد کو نہیں چھوڑا۔ اب ایسا زمانہ آگیا ہے کہ

۱۷ خلاصۃ القوائد (قلمی)

۱۸ شاہ کلیم اللہ صاحب ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”..... ورویداد فیابین و حقیقت فرستادن اعظم شاہ قاب طعام

ورداں و منع اواز ذکر جہر در مسجد جاح باد و صدہ صدہ

کس وقت مغرب ہم معلوم شد، برادر من آنچہ شما کردید خوب

کردید“ (۴ ص ۱۰)

ایک مکتوب میں (۹۹ ص ۷۸) شاہ کلیم اللہ صاحب نے اس مسئلہ پر تفصیلی

گفتگو فرمائی ہے اور مسجد میں ذکر جہر سے منع کیا ہے۔

۱۹ مکتوبات کلیسی ۲۱ ص ۲۵

اگر شیخ حرفے بمرید گوید از صورت
اگر شیخ مرید سے ایک حرف بھی کہہ
شیخ بیزار شود۔ ۱۷
دیتا ہے تو وہ شیخ کی صورت سے
بیزار ہو جاتا ہے۔

انہار شیخت سے ناخوش ہوتے تھے۔ ایک دن ایک مرید نے جو حضرت بابا صاحب کی اولاد
سے تھا، ایک تسبیح پیش کی اور کہا کہ اس میں چند دانے بابا فرید الدین گنج شکر کی تسبیح کے
شامل ہیں، فرمایا ”اگر تبرک کے طور پر یہ تمھارے پاس رہے تو اچھا ہے۔ میں تو کبھی تسبیح
ہاتھ میں لیتا ہی نہیں۔ اپنے اندر جو تسبیح ہے اسی میں مشغول رہتا ہوں۔“ پھر حاضرین کی نظر
متوجہ ہو کر فرمایا:

تسبیح در دست گرفتن بدعت است تسبیح ہاتھ میں لینا بدعت ہے۔

کسے را کہ تسبیح باطن در دست آمدہ جس کے ہاتھ میں باطن کی تسبیح ہو

باشد، تسبیح ظاہر را چرا بدست وہ کیوں ظاہری تسبیح ہاتھ میں

گیرد۔ ۱۸ پکڑے گا۔

فتوح و خیرات | ابتدائی زمانے میں شاہ نظام الدین صاحب کسی شخص کی نذر قبول
نہ کرتے تھے۔ جب شاہ کلیم اللہ صاحب کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ دل شکنی
اچھی نہیں ہے۔ جو شخص بھی خلوص کے ساتھ کوئی چیز پیش کرے اسے قبول کر لو اور محتاج
کو دے دو۔ ۱۹

نذر کرستانی و بیفشانش

بہتر از آنست کہ نتانیش ۲۰

اس کے بعد وہ فتوحات قبول کرنے لگے۔ جمعہ کے دن جو نذر آتی تھی وہ قوالوں کو یا مجلس
میں جو مستحق لوگ موجود ہوتے ان کو دیدی جاتی۔ باقی دنوں میں جو آتا تھا وہ محتاجوں کو

۱۷ احسن الشامل (قلمی)

۱۸ شجرۃ الانوار (قلمی)

تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ۱۰

فخر الطالبن میں لکھا ہے کہ اُن کے پاس اشرفی، روپیہ، پیسے علیحدہ علیحدہ کاغذ میں بندھے ہوئے رکھے رہتے تھے، جو محتاج آنا اُس میں سے دیدیتے تھے فقیر کو ایک پیسہ سے زیادہ نہ دیتے تھے، اور لوگوں کو اشرفیاں تک دے دیتے تھے، او فرمایا کرتے تھے کہ شریف کے لئے بڑی شکل ہے۔ وہ شرم کے مارے بھیک بھی نہیں مانگ سکتا اور فاقہ کرتا ہے۔ ان لوگوں کا کیا ہے یہ تو در در پھر کر خوب جمع کر لیتے ہیں۔

سمع | سماع کے معاملے میں شاہ نظام الدین صاحب اپنے پیر و مرشد کے اصولوں پر عمل کرتے تھے۔ زمان، مکان، اور احوال کی سبب پابندیوں پر اُن کی نظر مٹی تھی۔ فرمایا کرتے تھے:

سمع بسیار دل را بمیراند سماع کی زیادتی دل کو مرہ کر دیتی ہے
خواجہ کامگار خاں نے اُن کی سماع کی سات مجلسوں کا تفصیلی حال لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشائخ متقدمین کے اصولوں کی پابندی کرتے تھے۔
اخلاق | شیخ اور نگ آبادی کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔ لوگوں کی دل گیری کو اپنا فرض اولین تصور کرتے تھے۔ ہر شخص سے خواہ وہ آشنا ہو یا بیگانہ ایک، سی طریقہ سے ملتے تھے۔ ہر شخص کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے، لکھا ہے:

۱۰ احسن الشمائل (قلی) ۱۰ فخر الطالبن ص ۴۹

۱۱ لکھا ہے: ”احتیاط کہ روز سماع در محفل مبارک ایشاں بوقوع می آمد

در پنج از مشایخ زمان دیدہ و شنیدہ نشد“

۱۲ احسن الشمائل (قلی)؛ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۱

۱۳ احسن الشمائل؛ شجرۃ الانوار؛ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۱

۱۴ احسن الشمائل (قلی)

برائے ہمہ کس تمام قد استادہ ہر شخص کے لئے وہ سرفرد کھڑے
می شدند و عظیم بجائی آوردند؛ با طفل ہو جاتے تھے اور اُس کی تعظیم بجا
چهار سالہ جموں وضع مبارک لاتے تھے (حدیث ہے کہ چار سال کے
می داشتند کہ با پیر ہفتاد سالہ بچے کے ساتھ بھی وہی طریقہ اختیار
دبا کا برو فضلاء خود لہ کرتے تھے جو سال کے بوڑھے یا
اکابر و فضلاء کے لئے اختیار کرتے تھے۔

ہر آنے والے کو کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتے۔ اگر کچھ نہ ہوتا تو عطر ہی عنایت فرمادیتے تھے۔ جب تک لوگ اُن کے پاس رہتے، وہ دوزانو بیٹھے رہتے۔ چار زانو بیٹھے ہوئے اُن کو کسی شخص نے نہیں دیکھا۔ جب کوئی کتاب مجلس میں پڑھی جاتی تھی تو حکم ہوتا تھا کہ سب حاضرین بالکل خاموش بیٹھیں۔

دل گیری کو انھوں نے مقصد حیات بنا لیا تھا۔ کسی شخص کو رنجیدہ کرنا یا اُس کے جذبات کو ٹھیس لگانا انھیں نہیں آتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک درویش اُن کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا ”میں توجہ دینا خوب جانتا ہوں اور میری توجہ میں بہت تاثیر ہے۔ اگر تمہیں ذوق ہو تو مجھ سے تربیت حاصل کر لو، میں تم کو بتانے میں دریغ نہ کروں گا۔“ فخر الطالبن میں لکھا ہے:

چونکہ حضرت دوستی انسان چوں شیوہ حضرت دوستی انسان
دعویان لودانراہ کہی اخلاق کے ساتھ دوستی کا تھا، اس لئے اپنے
خود بزانوئے ادب پیش آں ہر خود اخلاق کو عیان کی بنا پر اس پر خود غلط
غلط نشستند ۱۵ شخص کے سامنے ادب سے بیٹھ گئے۔

۱۶ احسن الشمائل؛ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۱

۱۷ احسن الشمائل (قلی)؛ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۰

۱۸ احسن الشمائل (قلی) ۱۹ فخر الطالبن ص ۴۴

لیکن اس کو بھی قبول نہ کیا۔ شاہ کلیم اللہ صاحب کو جب اپنے مرید کی اس استقامت اور اسخ الاعتقادی کی اطلاع ہوئی تو بہت خوش ہوئے۔ لے
ایک مرتبہ بادشاہ نے خود بلایا۔ لیکن آپ نے دربار میں جانے سے انکار کر دیا۔
شاہ کلیم اللہ کو معلوم ہوا تو خط لکھا:

”خوب کر دید کہ قبول این معنی نہ کر دید کہ ہمیں طلب سلاطین و دلیل
رعونیت و جباری است۔ اگر در طبیعت ایشان شکستگی و فدویت
فقر باشد ایام به سلطانیت نکند بلکه خود از سر قدم ساختہ بخدمت
شائبند تا مدد و جنت جناب حمدیت کہ نعم الامیر علی باب الفقیر
باشند“ (م ۴، ص ۳۵)

خاندان آصفیہ پر اثرات جس زمانہ میں شاہ نظام الدین صاحب دکن بھیجے گئے
تھے اس وقت نواب غازی الدین خاں (۱۷۴۹-۱۷۱۱) وہاں موجود تھے۔ چنانچہ
شیخ کے تقدس کا شہرہ سن کر انھوں نے شیخ کو اپنے یہاں مدعو کیا۔ شیخ نے اپنے بزرگوں
کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے جانے سے انکار کر دیا۔ پیر و مرشد کو جب یہ معلوم ہوا تو خط لکھا:

مرقوم بود کہ غازی الدین خاں تم نے لکھا تھا کہ غازی الدین خاں
طلب ملاقات کر دہم۔ خوب ملاقات کے لئے بلایا۔ اور تم نہیں گئے
کر دید کہ زفتید۔ اگر اورا فنادر تم نے بہت اچھا کیا کہ گئے۔ اگر اُسے فقیر
خدمت فقر بودے، خودی آمد سچی دل سچی اور اعتقاد ہوتا تو خود حاضر
و خود آرائی نمی کرد۔ ہوتا، خود آرائی نہ کرتا۔

۱۔ مکتوبات کلیمی ۲۳ ص ۲۸

۲۔ اس زمانے میں غازی الدین خاں کے دکن میں کام کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر یوسف حسین خاں
کی کتاب Nizam-ul-Mulk Asaf Jah pp. 16-40

۳۔ مکتوبات کلیمی ۳۵ ص ۳۶

وہ شخص ہر روز آتا اور توجہ دیتا۔ دو سال اسی طرح گزر گئے۔ اور اس شخص نے سارے شہر
میں یہ مشہور کر دیا کہ شیخ مجھ سے توجہ حاصل کرتے ہیں۔ ایک دن میاں عبدالقادر جو
شیخ اورنگ آبادی کے مرید تھے، خانقاہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور جوں ہی وہ
شخص آیا اس پر ایسی نظر ڈالی کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ شاہ صاحب کو معلوم ہوا تو باہر گئے۔
میاں عبدالقادر کو ڈانٹا اور فرمایا:

”چرا خاطر کسے را شکستہ باید کرد۔ کیوں کسی کے دل کو کھاجائے اگر
اگر دریں فرصت یک ساعت پیش فرصت میں ایک ساعت اس کے
اونشستم، و اودل شاد شد ازین صبر پاس بیٹھ جاتا ہوں اور اس کا دل اس
سے خوش ہو جاتا ہے تو اس سے بہتر
بہتر است“ لے

شیخ اورنگ آبادی اور اعظم شاہ | شاہ نظام الدین امراء و سلاطین سے حتی المقدور علیحدہ
رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ اُن کے مخالف بھی قبول کرنا پسند نہ تھا۔ ایک مرتبہ اعظم شاہ نے اُن
کی خدمت کچھ کھانا بھیجا تو انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے دوسری مرتبہ پھر یہ
کہہ کر بھیجا کہ صوفیوں کے لئے قبول کر لیجئے۔ لیکن آپ نے پھر بھی قبول نہ کیا۔

شاہ وقت اور شیخ اورنگ آبادی | شاہ نظام الدین نے دکن میں اپنے سلسلہ کی روایت
کا پورا خیال رکھا۔ لیکن لوگوں نے ان سے بار بار اصرار کیا کہ بادشاہ سے ملاقات فرمائیں
لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے۔ ایک صاحب نے یہاں تک کہا کہ میں خود ملاقات کرادوں گا،

۱۔ فخر الطالین ص ۳۷

۲۔ اورنگ زیب کا تیسرا رد تھا۔ اورنگ زیب نے اس کو اچھا باد (گجرات) کا حاکم
بنائے بھیج دیا تھا۔ اورنگ زیب کے بعد وہ تخت پر بیٹھا تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ
میں بہادر شاہ سے مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔

۳۔ مکتوبات کلیمی ص ۱۰۴

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس انکار کے بعد بھی غازی الدین خاں نے اصرار کیا۔ شاہ کلیم اللہ صاحب کو معلوم ہوا تو لکھا:

می دانند کہ پیش فقر بادشاہاں
رفتہ اند و سعادت دانستہ اند
غازی الدین خاں فوکر است
از تو کراں بادشاہ اگر اچانا اور
فقیر نوشت من اجازت نامہ مخم
نوشت۔ لے

تعمین معلوم ہو کہ فقر کی خدمت میں
بادشاہ حاضر ہوئے ہیں اور اس کو
لے سعادت سمجھا ہے۔ غازی الدین خاں
بادشاہ کے فوکروں میں سے ہے اگر
وہ مجھے لکھے گا تو بھی میں اجازت نامہ
نہیں لکھوں گا۔

مکتوبات سے غازی الدین خاں اور شاہ نظام الدین صاحب کے تعلقات پر
اور زیادہ روشنی نہیں پڑتی، لیکن خیال یہ ہے کہ وہ بعد کو حاضر ہوا اور اپنے عقیدے
جذبات کو برقرار رکھا۔ مناقب فخریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غازی الدین خاں کے بعد بھی
عقیدت مندی کا سلسلہ جاری رہا۔ لکھا ہے:

..... ثواب نظام الملک آصف جاہ نیز شرف بیت و زمت
اں ظل الہی داشت۔ لے

نظام الملک آصف جاہ اول (۱۶۳۸-۱۶۷۱) کے متعلق آزاد بلگرامی کا بیان ہے
امیرے بایں جلالت شان برسد
امارت قدم نگذاشته، اختر طالع
اس صاحب اقبال از آغاز
تا انجام بر مدارج ترقی صعود نمود
..... سادات و علماء
اس شان کا اسیر کبھی مسد امارت
پر نہیں بیٹھا۔ اس صاحب اقبال
کا اختر طالع ابتدائی زمانے سے آخر
تک ترقی کے مدارج طے کرتا رہا۔
..... سادات و علماء اور

لے مکتوبات کلیدی م ۸۹ ص ۹۷

لے مناقب فخریہ ص ۴

مشائخ دیار عرب و ماوراء النہر و
خراسان و گج و عراق و ہند
آوازہ قدر دانی استماع یافتہ
رو بدکن آور دند۔ لے

مشائخ عرب، ماوراء النہر، خراسان
عراق اور ہندوستان سے ان کی
قدر دانی کی شہرت سن کر دکن کی
طرف متوجہ ہو گئے۔

انھوں نے شاہ نظام الدین اور رنگ آبادی کے حالات میں ایک کتابے شکر گستاکی
لکھی تھی۔

نظام القلوب | شاہ نظام الدین صاحب کی صرف ایک تصنیف نظام القلوب و تنبیہ
ہوتی ہے۔ اس میں اٹھتھیں ہیں:

- ① در فوائد ذکر جہر
- ② در ارشاد و تلقین
- ③ در ذکر پاس انفاس و حبس دم و غنی و اثبات لامعبود الا للہ و تنبیہ
- ④ در ذکر ذات کلہ اللہ و حبس دم اسم اللہ و اللہ جہر ابامد خواہ باقصر
- ⑤ در محاربہ صغیر و کبیر
- ⑥ در ذکر اللہ حاضری
- ⑦ فی طریق تعلیم الذکر
- ⑧ در ذکر غنی و اثبات و ذکر ناسوتی و ملکوتی و جبروتی و لاہوتی۔
- ⑨ در ذکر یک ضربی تا دوازده ضرب
- ⑩ در ذکر حدادی
- ⑪ در ذکر کشف معانی قرآن و کشف قبور
- ⑫ در ذکر بیخ تن پاک و ذکر کشف روح رسول اللہ و کشف الارواح

لے روضۃ الاولیاء ص ۳۴

لے مطبع مجتہبی، دہلی ضلع

واسماء ملائکہ و ام شیخ۔

۱۲۔ در ذکر حسب الاستعداد و صلاحیت الا ائصال بعض صفات بسوئے صفات دیگر۔

۱۳۔ در ذکر جبرئیل و سہروردی و بدلائنا و بقا و ذکر جبروت و یا ہو و کشف ملکوت و حضور و یاجی یا قیوم و لا ہوا لا ہو۔

۱۴۔ در اسماء اذکار یذکرون اہل اللہ

۱۵۔ در معرفت اذکار عربی و فارسی و ہندی و بعضے سلوک جو گویہ و اذکار ایشیا و جلسہ۔

۱۶۔ در اسم جلال و جمال مشترک

۱۷۔ در شغل آئینہ و نظر ہر دو چشم در بالائے آبرو۔

۱۸۔ در مراقبہ و در بیان مراقبہ سلسلہ نقشبندیہ

۱۹۔ در ذکر جانوران

۲۰۔ انوارے کہ در حالت ذکر شوند

۲۱۔ در علامات آواز شیطانی و رحمانی

اس کتاب میں گو مختلف اشغال و اذکار کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے لیکن یہ شاہ کلیم اللہ صاحب کی کتابوں کی طرح اس قدر واضح نہیں ہے کہ میسر رہے کہ اس پر عمل کیا جاسکے۔ یہ رسالہ شاہ صاحب نے اپنے ایک مرید خاص محمد علی خوشنویس کی درخواست پر لکھا تھا۔ فرماتے ہیں کہ اجازت لے کر ان اشغال و اذکار پر عمل کیا گیا تو ”کشودبانی“ حاصل ہو جائے گی ورنہ ہلاکت اس کا سبب بن سکتی ہے۔ مسلک کلیبی پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مرید کی جو زبان ہو ”پارسی یا ہندوی“ یا کوئی اور اسی میں تلقین کی جائے۔ اسم اللہ کی تاثیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ نظام القلوب ص ۱۹

ایکھی انچھ سیم کا پڑھے سو پنڈت ہووے لے

بابا فرید کے پنجابی اور ہندی اذکار کا حوالہ دیتے ہیں اور جوگیوں کے بعض موثر طریقوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ سہ

ملفوظات و حالات [شاہ نظام الدین صاحب کے حالات میں ایک مفصل کتاب رشک گلستان ارم نظام الملک آصف جاہ اول نے تصنیف کی تھی۔ مولوی رحیم بخش فخری کا بیان ہے:

کاتب حروف کتابے رسمی بہ	کاتب حروف نے ”رشک گلستان ارم“
رشک گلستان ارم تصنیف	نامی کتاب جو نظام الملک آصف جاہ
نظام الملک آصف جاہ کہ یکے	مرید شیخ نظام الدین اورنگ آبادی
از مریدان حضرت شیخ نظام الدین	کی تصنیف ہے اور جس میں حضرت
اورنگ آبادی قدس سرہ العزیز	شیخ کا مفصل حال درج ہے دیکھی
مفصلاً احوال آل حضرت درال	ہے۔
نوشتہ دیدہ ام - ۲۷	

۱۔ نظام القلوب ص ۲۲

۲۔ نظام القلوب ص ۳۰

۳۔ نظام القلوب ص ۳۱-۳۲

۴۔ غلام سرور نے خزینۃ الاصفار (جلد اول ص ۸۹) میں غلطی سے نظام الملک کی اس تصنیف کا نام حسن الشمال لکھ دیا ہے، حسن الشمال خواجہ کامگار خاں کی تصنیف ہے۔ یہی غلطی تملک سیر الاولیاء کے مصنف سے بھی ہوئی ہے (ص ۹۵) مناقب فخریہ کا بیان بھی بعض غلط فہمیوں کا باعث ہو سکتا ہے۔ لکھا ہے:

”خواجہ کامگار خاں کہ یکے از مرقبان و خلفائے آل درگاہ بود نسخہ

رشک گلستان ارم در احوال کرامت الشمال آل سراپائے کمال (باقی اگلے صفحہ پر)

انہوں نے یہ کتاب شاہ فخر صاحب کے ایک مشہور خلیفہ حاجی واصل کے پاس دیکھی تھی۔ جب کتاب شجرۃ الانوار لکھنا شروع کی تو اس کتاب کو بہت تلاش کیا لیکن دستیاب نہ ہو سکی۔

شاہ نظام الدین صاحب کے حالات اور ملفوظات میں ایک دوسری مفصل کتاب خواجہ کامگار خاں نے آسن الشائل کے نام سے لکھی تھی جس میں ضیاء بخشی کی چہل ناموس کے طرز پر شیخ کا حال لکھا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے۔ ۲۔ شجرۃ الانوار اور نکمہ سیر لاویا کے مصنفین نے خاص طور سے اس سے استفادہ کیا ہے۔ وصال شاہ نظام الدین اورنگ آباد نے ۱۲ ذی قعدہ ۱۱۳۶ھ کو اورنگ آباد میں وصال فرمایا۔ مزار مبارک پر ایک عالی شان گنبد اور قریب ہی ایک مسجد بنائی گئی۔ نام سرور نے تاریخ لکھی ہے۔

شد ز دنیا چو موسیٰ خلد بریں
راہ پر ہمنام نظام الدین
سال ترحیل اوست شیخ کبیر
ہم ولی ہدایت نظام الدین

۱۱۳۲ھ

مناقب محبوبین میں ہے کہ وہ اپنے پیر کے وصال کے بعد کل چھ مہینے زندہ رہے (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

بے مثال فوشہ است و نام آں احسن الشائل کردہ ۱۴ ص

۱۔ شجرۃ الانوار (قلمی)

۲۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفہ کے ذخیرہ کتب میں آسن الشائل کا ایک قدیم نسخہ ہے (نمبر ۵، غالباً یہ مصنف ہی کے قلم کا ہے۔

۳۔ شجرۃ الانوار (قلمی)

۴۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۹۷

تھے۔ ۱۔

شادی اور اولاد | شیخ اورنگ آبادی جس وقت دکن گئے تھے، اس وقت ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ وہاں پہونچ کر وہ کچھ عرصہ تک مجرد رہے۔ شاہ کلیم اللہ صاحب کا حکم تھا کہ شادی نہ کی جائے کہ اس صورت میں وہ اصلاحی اور تجدیدی کام جس پر وہ مامور کئے گئے تھے، اچھی طرح انجام نہیں پاسکتا تھا۔ لیکن اورنگ آباد میں شیخ نظام الدین کو کچھ تکلیف ہوئی اور اطباء نے شادی کا مشورہ دیا۔ شاہ کلیم اللہ صاحب نے لکھا:

”ناممکن باشد گردن بنایدفت“ جب تک ممکن ہو عورت کے پاس نہ جاؤ۔ (۲۹ ص ۳۰)

اگر احتیاج نباشد ہرگز کد خدا اگر ضرورت نہ ہو تو ہرگز شادی نباشد (۳۰ ص ۳۳) نہ کرو۔

مگر اطباء نے جب مجبور کیا تو شاہ کلیم اللہ صاحب نے اپنے خاندان میں ان کی شادی کرنی چاہی۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

میاں امام الدین کہ برادر عمو زار
فیضان، دخترے درسن چہارده
سالانی الحال بصلاح نماز
روزہ و تلاوت قرآن آراستہ
دارند.... و از طریق نجیب....
نمی دہند چیزے و نمی خواہند چیزے
..... برکاستہ آب انعقاد میسر
می شود۔ اگر اشارہ نمایند علی اکرم
یک نشان از طرف شہادادہ آید

میاں امام الدین کی، جو فقیر کے چچا زاد بھائی ہیں، ایک چودہ سالہ لڑکی ہے۔ نماز روزہ، تلاوت قرآن سے آراستہ ہے۔ ماں باپ دونوں طرف سے اچھا خاندان ہے.... نہ کچھ چیز دیں گے نہ کچھ چیز چاہتے ہیں۔ پانی کے ایک پیالہ پر نکاح ہو جائے گا۔ اگر اشارہ کریں (یعنی مرضی کا اظہار کریں)

۲۔ مکتوب کلیمی م، ص ۱۵

۱۔ مناقب المحبوبین۔ ص ۴

⑫ شیخ محمود
⑬ حافظ مودود

⑨ شیر محمد
⑩ کرم علی شاہ
⑪ امام الدین

ان خلفاء میں خواجہ نور الدین اور خواجہ کامگار حسینی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے ذریعہ شیخ اورنگ آبادی کی تعلیم اور حالات زندگی صوفی حلقوں میں پہنچے۔ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے اور قشندہ سلسلہ کے مشہور بزرگ خواجہ خاوند محمود لاہوری المعروف بہ حضرت ایشاں (۱۶۳۲-۱۵۶۶ء) کے نیرہ خواجہ برہان الدین کے بیٹے تھے۔ خواجہ برہان الدین بن خواجہ محمد خاوند بن حضرت ایشاں یہ دونوں اورنگ آباد میں شاہ نظام الدین کے دامن تربیت سے وابستہ ہو گئے تھے اور اپنے مرشد سے گہری عقیدت اور سلسلہ کی تعلیم سے گہری دل چسپی کے باعث خاتما میں خاص عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ شاہ کلیم اللہ صاحب خواجہ نور الدین کی صلاحیتوں کے خاص طور سے معترف تھے۔ ایک خط میں شاہ نظام الدین کو لکھتے ہیں کہ وہ فنانی اشخ ہیں تمہارے سبب خلفاء پر فوقیت لئے ہوئے ہیں۔ اگر عربی علم اور حاصل کر لیں تو

عالیٰ ازیں مرد روشن شود
ایک عالم اس شخص سے روشن ہو جائے۔

انھوں نے ایک بار اپنا ”نیمہ آستین“ ان کو بھیجا تھا۔ اور شاہ نظام الدین کو ہدایت کی تھی کہ

بچوں اس عزیز را باید کہ احتیاز
ایسے مرید کے لئے چاہیے کہ مخصوص
دادہ در تربیت باطن ایشاں
طریقے پر اس کی باطنی تربیت کی

۱۔ شجرۃ الانوار سے ایسا اندازہ چوتھا ہے کہ خواجہ نور الدین بڑے تھے۔

۲۔ مکتوبات کلیمی ۳۹، ص ۴۴، م ۳۳ ص ۲۲

تو تمہاری طرف سے علی الرسم کوئی
نشان دے دیا جائے۔

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:

ایں جاد در قبیلہ مادوسہ دختر
یہاں ہمارے خاندان میں دو تین
لڑکیاں ہیں، میں چاہتا ہوں کہ
ان میں سے ایک تمہارے لئے نامزد
کردوں۔

مگر معلوم نہیں کہ شاہ کلیم اللہ صاحب کے خاندان میں ان کی کوئی شادی ہوئی یا نہیں۔ ان کی ایک زوجہ حضرت سید محمد گیسو دراز کے خاندان سے تھیں۔ ان کے بطن سے دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکوں کے نام محمد اسخیل اور فخر الدین تھے۔ دوسری بیوی سے تین لڑکے ہوئے جن کے نام غلام معین الدین، غلام بہار الدین، غلام کلیم اللہ تھے۔

خلفاء شجرۃ الانوار میں لکھا ہے:

خلفائے ذی کرامت و اہل
ارشاد بے شمار در اطراف اقالیم
خلایق را رہنما بودہ اند
ان کے بے شمار ایسے خلفاء جو ذی کرامت
اور صاحب ارشاد تھے مختلف علاقوں
میں خلقت کی رہنمائی کرتے تھے۔

مندرجہ ذیل خلفاء کے نام تذکروں میں ملتے ہیں:

- | | |
|----------------------|---------------------|
| ① خواجہ کامگار حسینی | ⑤ شاہ عشق اللہ |
| ② محمد علی | ⑥ غلام قادر خاں |
| ③ خواجہ نور الدین | ⑦ میاں محمد یار بیگ |
| ④ سید شاہ شریف | ⑧ محمد جعفر |

۱۔ مناقب خیر ص ۵؛ شجرۃ الانوار میں ان کا نام ”محمد عواد الدین خاں“ دیا ہے۔

کوشش بسیار نموده۔ ۱۔ طرف توجہ کی جائے۔
شاہ نظام الدین صاحب کے نام ایک خط میں اُن کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:
”قدوة الاصفیاء والاصحاب زبدة الاحباب خواجہ محمد نور الدین“ ۲۔
پھر فرماتے ہیں۔

عجب صاحب توفیق است کہ اللہ تعالیٰ
طفیل شماء و عروجات و منصب الہی ایں مرد
بیسفر اید۔ ۳۔

خواجہ نور الدین نے ان سے درخواست کی تھی کہ اللہ سے دعا فرمائیں کہ شیخ کی محبت
اُن کے دل میں بڑھ جائے۔ شیخ اور نگ آبادی اُن پر خاص التفات فرماتے تھے اور
اکثر اُن سے کتابیں پڑھوا کر سنتے تھے۔ اُن کا انتقال مرشد کی حیات میں ہی [۲۰ ربیع الاول
۱۳۲۷ھ] ہو گیا تھا۔

دوسرے بھائی خواجہ کامگار حسینی کے ذریعہ شیخ اور نگ آبادی کی تعلیم ہی محفوظ
نہیں ہوئی بلکہ شاہ کلیم اللہ دہلوی کی مجلسوں کی آب و تاب اور ان کے انداز تبلیغ و
اشاعت کی بہت سی تفصیلات کا سامان بھی فراہم ہو گیا۔ انھوں نے احسن الشائل
میں اپنے شیخ کے حالات دلکش انداز میں لکھے ہیں۔ گو عبارت آرائی نے افاد
کا پہلو کچھ کمزور کر دیا ہے، لیکن تذکرہ خوبیوں سے خالی نہیں۔ مجالس کلیمی میں
انھوں نے شاہ کلیم اللہ کی چودہ مجلسوں کا حال لکھا ہے۔ ۲۸ و ۲۹ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ
سے ۲۰ جمادی الاول ۱۳۲۸ھ تک شیخ کی خدمت بابرکت میں اُن کی مجلسوں

کا حال بڑے جذبہ اور خلوص سے قلمبند کیا۔ اس ملفوظ کا سبب تالیف یہ تھا کہ
دونوں بھائیوں نے حسین علی خاں کے ساتھ دہلی آنے کی اجازت اپنے شیخ سے
چاہی تھی۔ تاکہ شاہ کلیم اللہ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کر سکیں۔ شاہ
نظام الدین نے صرف کامگار حسینی کو اجازت دی۔ غالباً خواجہ نور الدین کی صحت
ایسی نہ تھی کہ اتنا طویل سفر اُن کے لئے مناسب ہوتا۔ کامگار حسینی دہلی میں ہی
رہے کہ بھائی کے انتقال کی خبر وحشت اثر اُن کو ملی۔ اب اس دلی کیفیت کی تسکین
کے لئے جو واپسی پر بھائی سے نہ ملنے کے خیال سے پیدا ہوتی تھی، انھوں نے یہ سوچا
کہ مجالس شیخ کا حال لکھ کر مرحوم کی روح کو خوش کریں۔ مجالس کلیمی کے دستوں کا
اب تک پتہ چلا ہے۔ ایک نسخہ کتب خانہ سالار جنگ (حیدر آباد) میں ہے
(۱۵۶ ۶۹۳) دوسرا خانقاہ تونسہ شریف میں (نمبر ۸۹ اب)۔ کامگار حسینی کی ایک اور
تصنیف ملفوظات خواجہ نظام الدین اور نگ آبادی ہے۔ اس کا واحد نسخہ خانقاہ
تونسہ شریف میں بتایا جاتا ہے۔ صاحب شجرۃ الانوار نے شیخ اور نگ آبادی کے تذکرہ
میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ شیخ اور نگ آبادی خواجہ کامگار حسینی کا اتنا خیال کرتے
تھے کہ اپنے بڑے بیٹے محمد سمیع کو اُن کا مرید کرایا تھا۔ ۱۔

باب سوم

حضرت شاہ فخر الدین دہلویؒ

محمد شاہ کی دلی ہے۔ زوال و انحطاط کے آثار ہر طرف نمایاں ہیں۔ قتل و غارت گری کا دور دورہ ہے۔ نادر شاہ کا قتل عام اسی سرزمین پر ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کا سیاسی اقتدار پچکیاں لے رہا ہے اور دم توڑنا ہی چاہتا ہے۔ جس دور کی ابتدا، ایک دلائتش کی رزم آرائیوں سے ہوئی تھی، وہ آج محمد شاہ کی برم آرائیوں اور ہنگامہ ہائے ناؤ فوش میں ختم ہو رہا ہے۔ فلسفہ تاریخ کے مفکر کی یہ صدا فضاؤں میں گونج رہی ہے۔

آج تجھ کو بتاؤں میں تقدیر ارم کیا ہے
ششہیں و سناں اول، طاؤس و رباب کبوتر

اس سیاسی بدامنی اور اخلاقی پستی کے زمانے میں اللہ کے کچھ بندے درس و تدریس اور ارشاد و تلقین کے کام میں مشغول ہیں۔ حالات نامساعد ہیں، ہوا تیز و تند ہے، لیکن وہ اپنا چراغ جلا رہے ہیں۔ طوفان امنڈنا چلا آ رہا ہے، لیکن اُن کے دست و بازو چھوہر جے ہوئے ہیں۔ وہ ہمت نہیں ہارتے۔ ایمان و یقین کا بے پناہ سرمایہ اُن کے حوصلوں کو بلند اور عزم کو مستحکم کئے ہوئے ہے۔ دہلی میں جس کا عالم بقول شاہ عبدالعزیزؒ یہ تھا کہ

کے حکم کے مطابق دکن چلے گئے تھے۔

ولادت | شاہ فخر الدین صاحب کی ولادت باسعادت ۱۱۲۱ھ کو اورنگ آباد میں ہوئی تھی۔ جب حضرت شاہ کلیم الدین دہلوی کو اپنے عزیز مرید شاہ نظام الدین کے یہاں بیٹا پیدا ہونے کی خبر پہنچی تو بہت خوش ہوئے۔ فخر الدین نام تجویز کیا اور اپنا ملبوس خاص نوموود کے لئے عنایت فرمایا۔ ساتھ ہی اس بچے کے شاندار مستقبل کی بشارت دی۔ ایک مجلس میں خود شاہ فخر صاحب نے اس کا ذکر اس طرح فرمایا تھا:

حضرت شیخ بعد تولد من رقعہ کبرائے	حضرت شیخ یعنی شاہ کلیم اللہ صاحب
حضرت صاحب قبلہ نوشتہ بودند،	نے مسیکر تولد کے بعد جو خط حضرت
چنانچہ تاحال آل رقعہ پیش ما	والد صاحب قبلہ کو لکھا تھا وہ اب
ہست، برائے من بسیار بشارت	تک میرے پاس ہے۔ اس میں مسیکر
والفاظ زیادہ تر اندر تبہ من نوشتہ	لئے بہت سی بشارتیں ہیں اور ایسے
اندو بہ تصدیق تلفظ ایشاں حق	الفاظ ہیں جو مسیکر ترجمہ کر رہے ہیں،
تعالیٰ بر من رحمت کردہ است	اللہ تعالیٰ نے ان ہی کلمات کی برکت

۱۔ مناقب فخریہ۔ (مطبوعہ مجتبیٰ دہلی ۱۲۹۵ھ) ص ۵۰

مناقب فخریہ کے مصنف غازی الدین خاں نظام، نظام الملک آصف جاہ کے پوتے تھے۔ انھوں نے ۱۸۱۵ء کی تاریخ میں ان کا نمایاں حصہ لکھا۔ ۱۲۱۵ھ میں کالجی میں انتقال ہوا۔ اردو و فارسی ہر دو زبانوں میں شریک تھے۔ فارسی دیوان کے نسخے برٹش میوزیم ۷۱۹۸۔ Pieu II اور لین گراڈ (۹) (Romaskewicz p. 9) میں موجود ہیں۔ ۱۳۰۱ھ میں یہ دیوان حیدر آباد سے شائع ہوا تھا۔ ان کے لکھے ہوئے قصائد حضرت علی کی مدح میں اور ایک مثنوی فخریہ النظام (شاہ فخر الدین دہلوی کی مدح میں) خاص طور پر معروف ہیں۔ ذخیرۂ سہمان اللہ علی گڑھ میں خود مصنف کے قلم کا لکھا ہوا قصیدہ موجود ہے۔ (۲۹۴/۲۹۵) (۲۹۴/۲۹۵)

فخر الدین (مطبوعہ، مطبع مجتبیٰ، دہلی ۱۳۱۵ھ) ص ۵۵

بہائمک ارسف لوطاف البصیر بہما
لَمْ تَفْتَحْ عَيْنُ الْكَافِ الصُّعْفِ

(جس طرف نکل جائیے اس میں مدارس نظر آئیں گے۔ اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہوگا)

دو مدرسے ایسے ہیں جو اس وقت دکن کی جان ہیں، ایک مدرسہ رحیمیہ جس میں دربار ولی الہی سچ رہا ہے، اور ایک زبردست انقلابی تحریک کی داغ بیل ڈالی جا رہی ہے، اور دوسرا جمہوری دروازہ کا مدرسہ جس میں دکن کا ایک نو عمر عالم کسی روحانی ادا رہے پر آکر اقامت گزیر ہو گیا ہے۔ تقریباً نصف صدی قبل اس نوجوان کے باپ کو دہلی کے ایک مشہور بزرگ نے دکن میں تبلیغ و اصلاح کے کام پر متعین کیا تھا۔ آج اس کا فرزند علم و عرفان کی شمع جلانے دکن چھوڑ کر دہلی چلا آیا ہے۔ لوگ پروانوں کی طرح اس کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ اس کی جیتون میں غضب کا جادو بھرا ہے کہ جس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ لیتا ہے وہ اسی کا ہو جاتا ہے۔ جب حدیث کا درس دینا شروع کر دیتا ہے تو سننے والوں پر

فتاد سامعہ در موجد کوثر و تسنیم

کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ یہ شاہ فخر الدین ہیں۔ ان کے والد شاہ نظام الدین اورنگ آبادی، شاہ کلیم الدین دہلوی کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ تھے، اور ان ہی

۱۔ یہ وہی مدرسہ ہے جس کی نسبت مولوی بشیر الدین احمد نے لکھا ہے:

”اس مدرسے میں چھوٹے چھوٹے مکان ہیں گئے ہیں جو ہاں کسان وغیرہ غریب لوگ رہتے ہیں۔ یہیں ایک چھوٹی سی مسجد آپ (شاہ ولی اللہ) کے نام سے مشہور ہے جس میں آپ نماز پڑھتے تھے۔ اب چونکہ یہ کل جائداد رائے بہادر لالہ شیوہ رشا صاحب کی ہے، اس لئے اس گاہ مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس کا تحتہ لگا دیا گیا ہے۔“ واقعات دارالحکومت دہلی ج ۲ ص ۱۷۴

سے مجھ پر رحمت فرمائی ہے۔

شاہ صاحبؒ نے اس مکتوب میں یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ لڑکا شاہ جہاں آباد میں رشد و ہدایت کی شمع روشن کرے گا۔

شاہ فخر الدین صاحبؒ کے چار بھائی اور ایک بہن تھی۔ ایک بھائی حقیقی تھے، باقی سوتیلے۔ بڑے بھائی خواجہ کامگار حسینی کے مرید تھے۔ باقی تینوں بھائیوں نے شاہ فخر صاحبؒ سے بیعت کی تھی۔ بڑے بھائی کے متعلق شاہ فخر صاحبؒ کا بیان ہے:

برادر کلال من بسیار سادہ بودند، میرے بڑے بھائی بہت سادہ لوح و مراد لفظ ملایا ذکر دنیا میں بہت تھے، مجھے ملّا کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے اور وہ اس وجہ سے کہ وہ اکثر مشغول می باشند، وہ بایں ذوق داشتند، میں مشغول رہتے تھے اور اس میں بڑی من اکثر کم حاضری شدم مرآئی دیکھی کھتے تھے میں اس میں کم شریک ہوتا تھا۔ اس لئے مجھے ملّا کہتے تھے۔ گفتند: ۳۵

شاہ فخر صاحبؒ کو اپنی بہن اور بھائیوں سے بڑی محبت تھی۔ بہن کو ”آپا“ کہا کرتے تھے۔ بڑے بھائی کا جب انتقال ہوا تو بہت رنجیدہ اور مضطرب ہوئے۔

سلسلہ نسب اور لقب | شاہ فخر الدین صاحبؒ باپ کی جانب سے صدیقی اور ماں کی جانب سے ”سید“ تھے۔ ان کی والدہ دجن کا نام سید بیگم تھا، حضرت سید محمد گیسوآز کے خاندان سے تھیں۔

شاہ فخر صاحبؒ کا لقب محب النبی تھا۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ نے

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت چراغ دہلیؒ کو اس لقب سے مخاطب کرتے ہوئے خواب میں دیکھا تھا۔

تعلیم | شاہ فخر الدین صاحبؒ کی تعلیم پر کافی توجہ صرف کی گئی تھی۔ ان کے والد ماجد خود بڑے ذی علم بزرگ تھے۔ انھوں نے اپنے اس بیٹے کی، جس کے شان دار مستقبل کے متعلق حضرت شاہ کلیم اللہؒ بشارت دے چکے تھے، تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا۔ اور اس زمانے کے مشہور علماء کے زیر تربیت رکھا۔

شاہ فخر صاحبؒ نے فصوص الحکم، صدر، شمس بازغہ وغیرہ کتابیں میاں محمد جان سے پڑھی تھیں۔ میاں محمد جان جید عالم تھے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی تصانیف پر بڑا عبور تھا اور فلسفہ وحدت وجود کے ماہر استادوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ انھوں نے شاہ فخر الدین صاحبؒ میں بھی امام اکبرؒ کے فلسفہ کا درک پیدا کر دیا۔ غالباً اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک زمانے میں شاہ فخر الدین صاحبؒ نے فلسفہ وحدت وجود کی تشریح میں ایک رسالہ لکھنے کا ارادہ کیا، لیکن پھر یہ سوچ کر کہ امام اکبرؒ کے افکار کے باریک نکات عوام خاطر خواہ طریقہ پر نہ سمجھ سکیں گے، اور پھر شارح کو بدنام کرنا شروع کر دیں گے، اپنے ارادے سے باز رہے۔

شاہ فخر الدین صاحبؒ نے ہدایہ اپنے عہد کے ایک مشہور فقیہ مولانا عبدالحکیم سے پڑھی تھی۔ حکیم میں ان کے متعلق لکھا ہے:

بزرگے خوب عالم بود... در علم بڑے اچھے عالم تھے... علم فتنہ تمام مہارت داشت و ہم میں مہارت حاصل تھی اکانہ تہائی

- ۱۔ تحفہ سیر الاولیاء ۱۱۳-۱۱۳؛ مناقب المحبوبین ص ۸۱-۸۹-۸۸
- ۲۔ تحفہ سیر الاولیاء ص ۱۰۶
- ۳۔ تحفہ سیر الاولیاء ص ۱۰۶
- ۴۔ فخر الطالبین ص ۳۹

- ۱۔ مناقب فخریہ ص ۵
- ۲۔ فخر الطالبین ص ۵۵
- ۳۔ فخر الطالبین ص ۳۰
- ۴۔ تحفہ سیر الاولیاء ص ۱۱۳-۱۱۳؛ مناقب فخریہ ص ۴

شجرۃ الانوار (قلمی)

توکل بدرجہ اتم بود ۱۔
توکل کی زندگی تھی۔
لکھا ہے بعض اوقات پاجامہ تک اُن کے پاس نہ ہوتا تھا۔ اور وہ ایک ”نیمہ“
میں گذر اوقات کرتے تھے۔

شاہ فخر الدین کو ان سے استفعا اور توکل کا سبق ملا۔ حدیث کی سند شاہ فخر
صاحب نے دکن کے ایک مشہور محدث حافظ اسعد الانصاری المکی ثم اورنگ آبادی
سے حاصل کی تھی۔ حافظ صاحب شیخ محمد ابراہیم کردی کے شاگرد تھے۔ شیخ کردی مجید
عالم اور محدث تھے۔ ان کا حال حضرت شاہ ولی اللہ نے انفاس العارفین میں لکھا ہے
شاہ فخر الدین صاحب کو علم حدیث سے خاص دلچسپی تھی اور احادیث کا مطالعہ
بھی کافی وسیع تھا۔ مولوی خدا بخش ملتانی کا بیان ہے کہ ان کو مشارق الانوار زبانی
یاد تھی اور

کتاب مشارق الانوار لشب کتاب مشارق الانوار رات کو
می خواندند و بجانب چراغ پشت پڑھتے تھے اور چراغ کی جانب
می کردند ۲۔ پشت کر لیتے تھے۔

شاہ فخر صاحب نے اپنے والد ماجد سے بھی کچھ کتابیں مثلاً شرح وقایہ مشارق
الافوار و نجات الانس پڑھی تھیں۔ درسیات کے علاوہ انھوں نے بعض اور علوم اور
فنون سے بھی واقفیت حاصل کی تھی۔ طب کی کتابیں پڑھی تھیں اور تیر اندازی او
فنون سپاہ گری میں مہارت حاصل کی تھی۔ مناقب فخریہ میں ان کو جامع جمیع علوم

۱۔ تکریم سیر الاولیاء ص ۱۰۴-۱۰۶؛ نیز خلاصۃ الفوائد (کلی) ص ۳۹؛

۲۔ ملاحظہ ہو سند حدیث مندرجہ تکریم سیر الاولیاء ص ۱۰۸

۳۔ انفاس العارفین ص ۲۰۰-۱۹۸۔ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم میں مجازی اثرات شاہ ولی اللہ دہلوی

کے علاوہ اور بزرگوں کے ذریعہ بھی ہندستان پہنچے تھے۔

۴۔ سرور ابراہان ص ۹؛

و فنون لکھا ہے۔ ۱۔

تیج و قلم کا یہ اجتماع ابتدائی زمانہ میں ان کی شخصیت کی خصوصیت تھی۔
روحانی تربیت نے ”تیج“ کو اس طرح روحانی اور اخلاقی قدروں کے تاج کر دیا
کہ کوئی ان سے مل کر کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ”صاحب سیف“ بھی
رہ چکے ہیں۔

بیعت شاہ فخر صاحب کے والد ماجد کو ان سے بجا محبت تھی۔ اس لئے ان کی باطنی
تربیت کی طرف خاص توجہ فرماتے تھے۔ بچپن ہی میں ان کو اپنا مرید کر لیا تھا جب
شاہ نظام الدین کا انتقال ہوا تو ان کی عمر ۱۶ سال تھی۔ باپ نے قاضی کریم الدین کے
ذریعہ کہ نسبت خوشی بہ آل جناب داشت ص ۱۱۵ ان کو اپنے پاس بلوایا، اور دیر تک
سینہ مبارک سے چپکا کر اپنی باطنی نعمتیں ان کو منتقل کر دیں۔ اس کے بعد ان کی روح
عالم قدس کی طرف پرواز کر گئی۔ ۳۔

شاہ فخر الدین صاحب کی تعلیم ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ باپ کے وصال
کے تین سال بعد تک تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ ۴۔

لشکر میں ملازمت [تعلیم سے فراغت کے بعد، باپ کے سجادہ پر بیٹھنے کے بجائے انھوں
نے لشکر میں ملازمت کر لی لیکن درویشی فطرت کا تقاضا تھا۔ اس کو ٹال نہ سکتے تھے
اگر دن تیج و سنال کی جھسکاروں میں گذرنا تھا تو رات رکوع و سجود میں۔ مناقب
فخریہ میں لکھا ہے کہ وہ تمام تمام رات خیمہ میں عبادت کرتے تھے۔ اور اخفائے حال

۱۔ مناقب فخریہ ص ۱۱

۲۔ فخر الطالین ص ۵۸

۳۔ مناقب فخریہ ص ۵

۴۔ مناقب فخریہ ص ۶

۵۔ مناقب فخریہ ص ۶

متعلق تھے وہاں اخفاء حال آسان نہ تھا۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو آپ کی ریاضات شاقہ کا علم ہو گیا اور عقیدت مندوں کا ہجوم بھی بڑھنے لگا۔ لکھا ہے:

آن حضرت دیدند کہ تمام ملک حضرت شیخ نے جب دیکھا کہ تمام
دکن اشتہار شد۔ خواستند کہ ملک دکن میں مشہور ہو گئے تو چاہا
بجائے دیگر عزم فرمایند و ستر کہ کسی دوسری جگہ چلے جائیں اور
حال را بحال دارند۔ لے اور اپنے حال کو پوشیدہ رکھیں۔

لیکن اورنگ آباد چھوڑنا بھی اُن کے لئے آسان نہ تھا۔ جب وہاں سے روانگی کا ارادہ کرتے تو دل میں خیال آتا کہ یہاں میکر وال اور مرشد کا مزار ہے۔ آخر اس کو چھوڑ کر کس طرح چلا جاؤں۔ اسی کش مکش میں تھے کہ خواب میں اپنے والد ماجد کو دیکھا کہ یہ شعر پڑھتے ہیں ۷

شہ اقلیم فقرم بے خودی تخت روان من
نہ چوں فرما دمزدورم نہ چوں مجنوں زمیندارم

پھر عارف روم کی اس ہدایت سے کچھ ہمت بندھی ۸
بند بگسل باش آزاد اے پستہ

مذہب ارادے میں سختی پیدا ہوئی اور وہ اورنگ آباد کو خیر باد کہنے کے لئے تیار ہو گئے۔ دہلی کو روانگی ایک دن آپ اپنے دو ملازموں، قاسم اور حیات کے ساتھ اورنگ آباد سے پاپیادہ چل کھڑے ہوئے۔ مناقب فخریہ میں آپ کی روانگی کا سال ۱۱۶۶ھ درج ہے۔ مناقب الجوبین میں ۱۱۶۵ھ لکھا ہے اور غازی الدین خاں نظام کی مثنوی کے ان اشعار سے سندی گئی ہے ۷

۱۰۹ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱

مناقب فخریہ ص ۸-۹

مناقب فخریہ ص ۱۱

کی بڑی کوشش کرتے تھے۔ جو لوگ آپ کی ظاہری حالت کو دیکھتے، وہ کبھی اس بات کا گمان بھی نہیں کر سکتے تھے کہ یہ شخص راہ طریقت میں گامزن ہے۔ ایک دن فرمانے لگے:

”من در ایام سابقہ محنت در شغلی
میں نے گذشتہ ایام میں شغل و
بہم بسیار کردہ ام“ ۱۰

مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے آٹھ سال تک رات دن مشقتیں اٹھائی تھیں۔ بشکر میں وہ نظام الدولہ ناصر جنگ (مصنف مناقب فخریہ کے چچا) اور بہت یار خاں کے ساتھ رہتے تھے۔ مناقب فخریہ میں لکھا ہے:

فوج کشی ہاوشیر زنی ہا نمودند و
فوج کشی اور شیر زنی کرتے تھے،
صوم داگی در آں حالت می داشتند
اور اسی حالت میں ہمیشہ روزے

بھی رکھتے تھے۔

لشکر میں گو آپ نے اپنی روحانی کیفیات کو پوشیدہ رکھنے کی انتہائی کوشش کی لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا۔ جب شہرت بڑھنے لگی تو لشکر چھوڑ کر اورنگ آباد چلے گئے۔ اورنگ آباد میں قیام اورنگ آباد پہنچ کر شاہ صاحب اپنے والد کے سجادہ پر متمکن ہوئے۔ حتی المقدور اظہار حال سے گریز فرماتے تھے، لیکن جس خانقاہ اور سجادہ سے وہ

۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰

مناقب فخریہ ص ۶

ہمت یار خاں، آصف جاہ اول کے معتبر سپہ سالاروں میں تھا، اور متعدد اہم جنگوں میں اُن کے ساتھ رہا تھا۔ ۱۱۷۲ھ میں کرنل کے باغی سردار نے قتل کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہو

ڈاکٹر یوسف حسین خاں کی کتاب

Nizam-ul-Mulk Asaf Jah I, p. 159, p. 251.

۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰

مناقب فخریہ ص ۶

بود سائے کہ فرسخ و میوں
شصت و پنج و ہزار صد افروں
غزریں با قدم سعد و سعید
دہلی کہنہ را نوازش شیدہ

اس سفر کا حال غازی الدین خاں نظام نے فخریۃ النظام میں نہایت تفصیل سے لکھا تھا۔
دہلی میں ایک بڑھیا کے یہاں قیام کیا۔ قریب ہی ایک بت خانہ تھا۔ ہندو بھی آپ سے
عقیدت مندی کا اظہار کرنے لگے۔ یہاں سے چلے تو حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ
کے مزار کے قریب مسجد میں معتکف ہو گئے۔ پھر اپنے سلسلہ کے دیگر بزرگوں کے مزارات
پر حاضر ہوتے ہوئے، حضرت شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کے مزار پر پہنچے۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ
کے فرزند نہایت محبت سے پیش آئے۔ تین دن تک ان کے مہمان رہے۔ اس کے بعد

آن حضرت در کٹرہ پھیل حویلی بہ حضرت شیخ نے کٹرہ پھیل میں ایک
کرایہ گرفتند و آن مکان بہ قدم حویلی کرایہ پر لے لی اور وہ مکان
ایں گلبن رعنا رشک افزائے گلزار آپ کے قدموں کی برکت سے رشک
شد و دریاں محل شغل تدریس گلزار بن گیا۔ وہیں آپ نے درس و
دریش کر دند

یہاں بیعت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ شاہ نظام الدین اور نگ آبادی کا بیٹا اور شاہ

کلیم اللہ دہلویؒ کے سلسلے کا بزرگ دہلی میں گننام نہیں رہ سکتا تھا۔ دہلی کے باشندے
دونوں بزرگوں سے عقیدت اور ارادت رکھتے تھے۔ یہیں قیام کے زمانے میں شیخ
نور محمد چارویؒ جنہوں نے اٹھارہویں صدی میں سلسلہ چشتیہ کو پنجاب میں پڑان
چڑھایا، ان کے حلقہ مریدین میں شامل ہوئے۔ علاوہ انہیں حافظ محمد قاسم، جو شاہ
عالم بابا شاہ کے امام جماعت تھے، ان کے مرید ہوئے۔ مرزا حسین اکبر آبادیؒ، جو
فنون سپہ گری میں یگانہ روزگار تھے کھینچ کر آپ کے قدموں میں آگئے اور مرید ہو گئے
پاک پٹن کا سفر ادہلی آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ شاہ فخر الدین صاحبؒ
نے پاک پٹن کا ارادہ کر دیا۔ دکن سے واپسی پر انھوں نے اجیر شریف میں قیام کیا
تھا۔ دہلی میں اپنے سلسلے کے سب بزرگوں کے مزارات پر حاضر ہو چکے تھے۔ بابا
صاحبؒ کے مزار پر اب تک حاضری نہ ہوئی تھی، اس لئے پاک پٹن کا ارادہ کیا
اور یہ سفر جس انداز سے کیا وہ عقیدت و ارادت کی تاریخ میں اپنی مثال آپ
ہے۔ میلوں کی پیادہ پاسبانیت سے پاؤں میں چھائے پڑ گئے، لیکن جوش عقیدت
میں چلے جا رہے ہیں۔ رکنے کا نام نہیں لیتے۔ جب بالکل ہی مجبور ہو جاتے ہیں
تو ٹھہر جاتے ہیں، اور آبلوں پر مہندی لگاتے ہیں۔ ابھی پورا آرام نہیں ہو پاتا کہ پھر
چل پڑتے ہیں۔ شاہ نور محمد صاحبؒ اس سفر میں ان کے ہمراہ تھے۔ پاک پٹن سے
کچھ دور ایک گاؤں میں رات کو دونوں ٹھہر گئے۔ صبح ہوئی تو شاہ نور محمد صاحبؒ
نے ان کو وہاں نہ پایا۔ تلاش کیا تو صرف نعلین مبارک پڑی ہوئی ملیں۔ بہت
تشویش ہوئی۔ بڑی سچو کے بعد پتہ چلا کہ آپ پاک پٹن پہنچ چکے ہیں۔ اور بابا صاحبؒ

۱۔ مناقب المجوبین ص ۵۰

۲۔ مناقب فخریہ ص ۹؛ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۹

۳۔ مناقب فخریہ ص ۹

۴۔ مناقب فخریہ ص ۱۰

۵۔ شجرۃ الانوار میں اس کٹرہ کا نام بہو لیل لکھا ہے۔

۶۔ مناقب فخریہ ص ۱۰

۱۔ مناقب فخریہ ص ۱۰؛ مناقب المجوبین میں لکھا ہے کہ قبلہ عالم فرمایا کرتے تھے۔

”اول کسیک بیعت از مولانا دردہلی کردن بوم“ ص ۸۳

۲۔ مناقب فخریہ ص ۱۰؛ نیز شجرۃ الانوار (طبی)

۳۔ مناقب فخریہ ص ۱۰؛ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۱۲ - ۱۱۱

۱۲ کے احترام میں اپنی متعلین اس گاؤں میں چھوڑ گئے ہیں۔

پاک پٹن میں شیخ محمد یوسف سجادہ نشین تھے۔ انھوں نے نہایت محبت کا برتاؤ کیا۔ اور مزار کے قریب ایک حجرہ میں ٹھہرایا۔ جہاں وہ ریاضت و عبادت میں مشغول رہتے لگے۔ ہر شب کو ایک ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ ۱۵

پاک پٹن سے واپسی پر راستے میں فرمانے لگے کہ گن کی طرف سے دل میں کچھ تشویش سی پیدا ہو رہی ہے۔ چند ہی دن بعد اطلاع ملی کہ قاضی نظام الدین ناصر جنگ (جن سے شاہ صاحب کو بہت تعلق خاطر تھا) شہید کر دیے گئے۔ وہی واپسی پر شاہ صاحب نے کچھ دن کڑھ پھیل ہی میں گزارے۔ اس کے بعد اجیری دروازہ کے مدرسہ میں منتقل ہو گئے اور اس کو اپنا مستقر بنا کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

درس و تدریس | شاہ فخر الدین صاحب نے اجیری دروازہ کے جس مدرسہ میں درس و تدریس کا کام شروع کیا، وہ امیر غازی الدین خاں فیروز جنگ کا بنوایا ہوا تھا

۱۔ نکلہ سیرالاولیاء ص ۱۱۲-۱۱۱

۲۔ نکلہ سیرالاولیاء ص ۱۱۲

۳۔ مناقب فخریہ۔ ص ۱۳-۱۲؛ ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲ کو وہ پانڈی جری کے معرکہ میں شہید ہوئے نظام الملک آصف جاہ اول کے صاحبزادے تھے۔ خلد آباد میں حضرت برہان الدین اولیاء زری زکریا کے احاطہ میں دفن کیا گیا۔ شعر و سخن کا اچھا مذاق تھا۔ ناصر تخلص کرتے تھے آزاد بلگرامی سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ ان کے دو دیوان شائع ہو چکے ہیں۔

۴۔ مناقب فخریہ۔ ص ۱۳

۵۔ صاحب مناقب فخریہ نے لکھا ہے:

”مدرسہ بنا کر وہ والد مغفور احقر کے بیرون دروازہ اجیری واقع است

جلوس فرمودند“ (ص ۱۳) مدرسہ کے لئے ملاحظہ ہو: (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس مدرسہ کا انتخاب غالباً ان تعلقات کی بنا پر کیا تھا جو ان کے بزرگوں کے خاندان آصفیہ سے تھے۔ اس مدرسہ میں بیٹھ کر آپ نے صرف چند درسی کتابوں کے پڑھانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ارشاد و تلقین کا وہ ہنگامہ برپا کیا کہ:

”..... سینہ ہائے کنوز حقائق و دلہائے معادن معارف گشت

خفتگان بیدار و بے ہوشاں ہوشیار گشتند و بے خبراں باخبر بے اثراں

انہر گر دیدند، دل مردگان زندہ، دل زندگان سمل شدند، بازار

عشق و محبت الہی گرم شد و دریائے شوق و ذوق موج ہائے زندہ

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مشکوٰۃ کا ذکر آپ کے درس کے سلسلہ میں متعدد جگہ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خاص طور سے ان ہی کتب احادیث کا درس دیتے تھے۔

اس مدرسہ کا نظام کچھ اس طرح تھا کہ شاہ صاحب جن طلباء کو حدیث کا درس دیتے تھے، وہ دوسرے طالب علموں کو معقول و منقول کی تعلیم دیتے تھے۔ سید احمد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں از مولوی ابوالحسنات ندوی ص ۲۸-۲۷؛

Law, Promotion of Learning in India, pp. 194-195

شجرۃ الافارسیہ، جو معاصر تذکرہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دو مدرسے تھے۔ مدرسہ کلاں

اور مدرسہ خورد۔

۱۔ مناقب فخریہ ص ۱۳-۱۲

۲۔ فخر الطالبین ص ۱۵-۱۴

شجرۃ الافارسیہ لکھا ہے:

”روزے در خدمت سراسر برکت حاضر بودم آن روز درس مشکوٰۃ شریف بود“

مولانا سید عبدالحمید رحمہ نے اس دور میں ہندوستان کا جو نصاب تعلیم متعین کیا ہے اس میں حدیث

میں صرف مشکوٰۃ المصابیح کو شامل کیا ہے (الندوہ فروری ۱۳۷۷ء ص ۱۲) شاہ فخر الدین صاحب

کے حالات و ملفوظات معلوم ہوتا ہے کہ مسلم اور بخاری بھی بعض مدارس میں رائج تھیں۔

کے ذکر میں لکھا ہے:

خود صحیح مسلم در جناب اقدس تلمذ
میکند و در خدمت حدیث مشغول
اند و درس کتب منقول و منقول
بشاگردان می دهند و شب و روز
مصرف به حکم مولانا در تعلیم و تعلم اند
له

وہ خود حضرت شیخ کی خدمت میں
صحیح مسلم کا مطالعہ کرتے ہیں حدیث حدیث
میں مشغول ہیں۔ اور منقول و منقول
کی کتابوں کا درس دوسرے شاگردوں
کو دیتے ہیں۔ رات دن مولانا کے حکم
سے پڑھنے پڑھانے میں مصروف
رہتے ہیں۔

بعض خاص شاگردوں کو شاہ فخر صاحب ابتدائی کتابیں بھی پڑھا دیا کرتے تھے۔ میر
بدیع الدین کو جو بہت عزیز شاگرد اور مرید تھے انھوں نے میزان سے لے کر صحیح بخاری
تک پڑھائی تھی۔ ایک مرتبہ سفر السعادت کا مطالعہ فرما رہے تھے، بعض مقامات حاضرین
کو بھی سناتے جاتے تھے کہ ایک دم رُکے اور فرمانے لگے:

دریں ایام دل می خواہد کہ ایس
کتاب را بنفشے از زبان درس
گویم۔ میر بدیع الدین خود بخاری
می خوانند و سید احمد صحیح مسلم، بکہ
باید گفت۔ ۱۷

ان دنوں ہی چاہتا ہے کہ یہ کتاب
کسی مرید کو پڑھاؤں میر بدیع الدین
بخاری پڑھتے ہیں سید احمد صحیح مسلم
(اب اس کو پڑھائی جائے؟)

آپ کے اس سوال پر غازی الدین خاں نظام (مصنف مناقب فخریہ) نے اپنے آپ کو
پیش کیا۔

رمضان کے مہینے میں علوم درسی کی تعلیم مدرسہ میں بند رہتی تھی لیکن حضرت

شاہ صاحب کا درس حدیث جاری رہتا تھا۔ آخری دنوں میں یہ بھی موقوف
ہو جاتا تھا۔ کیونکہ وہ ان دنوں میں معتکف ہو جاتے تھے۔ ۱۷

اس مدرسہ میں دور دور سے طلباء آتے تھے۔ اکثر مشہور مریدین آپ
کے مدرسہ کے طلباء ہی تھے۔ آپ کی تعلیم کی خصوصیت یہ تھی کہ اس پر باطنی
اصلاح کا رنگ غالب تھا۔ سلوک کی تعلیم اس نصاب اور درس کا خاص حصہ
تھی۔ مولانا عبدالرحمن مودھ لکھنوی جب تحصیل علم کے لئے دہلی آئے تو سب سے
پہلے شاہ فخر صاحب ہی کے مدرسہ میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے علوم ظاہری کی
تعلیم کی درخواست کی۔ شاہ صاحب نے جواب دیا۔ جمعیت خاطر کے ساتھ باقی
کتابیں پڑھ لو، علم حاصل ہو جائے گا۔ مولانا عبدالرحمن صاحب کی توجہ اس وقت
علم ظاہر کی طرف تھی۔ یہاں سلوک اور تجلیہ باطن پر خاص زور تھا۔ اس لئے مولانا
چند دن دہلی رہ کر رام پور چلے گئے۔ ۱۸

جس زمانے میں شاہ فخر الدین صاحب، اجمیری دروازہ کے مدرسے میں
درس و تدریس میں مشغول تھے، دہلی میں شاہ ولی اللہ صاحب کا مدرسہ اپنے پورے
عروج پر تھا۔ شاہ فخر الدین صاحب کے مدرسہ میں تصوف کا رنگ غالب تھا
اور سلوک و علم باطن کی طرف زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ قائل عالمگیری کے مرتب
شاہ عبدالرحیم صاحب کے مدرسہ میں احسان و سلوک کے ساتھ علم ظاہر پر
خصوصی توجہ تھی۔ اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک زبردست انقلابی تحریک
کو آگے بڑھانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

علی ذوق | شاہ فخر الدین صاحب کا علمی مذاق بہت اعلیٰ تھا۔ بیشتر وقت مطالعہ
میں مصروف رہتے تھے۔ کتابوں کے حاصل کرنے اور جمع کرنے کا بھی بڑا شوق تھا

فخر الطالین میں لکھا ہے:

مگر کتب ہارا کہ حضرت صاحب
بسیار دوست می دارند، و اگر
قرض ہم بدست آید خریدی فرما،
و بفضل الہی اکنون کتاب خانہ
بسیار در سر کار است۔ لہ
لیکن کتابوں کو حضرت شیخ بہت
دوست رکھتے ہیں۔ اگر قرض بھی
ہاتھ آجاتی ہیں تو خرید لیتے ہیں۔
بفضل الہی سرکار کے کتب خانے
میں بہت سی کتابیں ہیں۔

کوئی نہ کوئی کتاب آپ کے سامنے رہتی تھی۔ کبھی حدیث بیان فرماتے، کبھی غوار فرائد
سناتے۔ فائد الفوائد سے تو اتنا عشق تھا کہ ہر وقت یا تو سینے سے لگی رہتی تھی یا سر ہانے
رکھی رہتی تھی۔ ۳۰

تصانیف | شاہ فخر الدین صاحب کی تصنیف کی ہوئی مندرجہ ذیل کتابیں دستیاب
ہوئی ہیں:

- ① نظام العقائد
- ② رسالہ مرجیہ
- ③ فخر الحسن
- ④ رسالہ عین الیقین

یہ کتابیں اُن کے علمی تجربہ اور محققانہ صلاحیتوں کی آئینہ دار ہیں۔ سرسید نے لکھا ہے:
”اُن کا دیکھنا آپ کی ممارست علمی کی دلیل قاطع اور بُرہان ساطع ہے“ ۳۱

- ۱۔ فخر الطالین۔ ص ۲۹؛
- ۲۔ شجرۃ الافراد (قلمی)
- ۳۔ مناقب فخریہ۔ ص ۱۱-۱۲
- ۴۔ آثار الصنادید۔ باب چہارم۔ ص ۳۳

اسلام کے بنیادی عقائد پر بحث کی گئی ہے۔ سبب تالیف یہ بتایا ہے کہ پاک پٹن میں
بعض اعزہ و احباب نے اصرار کیا کہ عقائد اہل سنت والجماعت کو بموجب مذہب
امام اعظم صاف عبارت میں بیان کیا جائے۔ جمیل میں یہ کتاب لکھی گئی۔ طرز بیان
سادہ اور دلکش ہے۔ لہ

رسالہ مرجیہ۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مشہور کتاب غینۃ الطالبین کے
ایک بیان کی تشریح میں لکھا گیا ہے۔ شیخ جیلانیؒ نے حنفیہ کو فرقہ مرجیہ میں شمار کیا ہے۔
بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ شیخ جیلانیؒ کا کلام نہیں ہے، بلکہ ملحقات سے ہے۔
شاہ فخر الدینؒ نے اس پر بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ حضرت ہی کا کلام ہے۔
لیکن اس جملہ سے ان کا اصلی مقصد وہ نہیں جو عام طور پر سمجھا گیا ہے۔ لکھا ہے
کہ فرقہ مرجیہ نے رحمت الہی کے سلسلہ میں بہت مبالغہ کیا ہے اور مضمون غضب
کو فراموش کر دیا ہے، اور حنفیہ فی الجملہ رحمت کو غلبہ دیتے ہیں۔ اس مناسبت سے
انہوں نے حنفیہ کا ذکر فرقہ مرجیہ میں کیا ہے۔ لیکن حنفیہ اس قدر رحمت کو غلبہ
نہیں دیتے جیسا کہ دوسرے فرقہ مرجیہ کو دیتے ہیں۔ اس سبب ”زائع عن الحق“
(حق سے ہٹے ہوئے) نہیں ہیں۔

تیسری کتاب فخر الحسن ہے جو شاہ صاحبؒ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ
کے ایک بیان کی تردید میں لکھی تھی۔ شاہ ولی اللہؒ نے انتباہ میں یہ اعتراض کیا

۱۔ فارسی اصل اور اردو ترجمہ دونوں علیحدہ علیحدہ شائع ہو چکے ہیں۔

ظرف الفوائد، ترجمہ نظام العقائد (مطبع رضوی، دہلی)

۲۔ قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی کے ذخیرہ عبدالحی فخریؒ محلی میں ”رسالہ فی تحقیق المرجیہ“ کے عنوان
سے موجود ہے۔

۳۔ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں تین نسخے (ایک ناقص اور دو مکمل) موجود ہیں۔

ذخیرہ عبدالحی فخریؒ محلی نمبر ۲۲۹، یونیورسٹی عربیہ ۵۲، ۵۳

۱۵) منہاج السنہ ابن تیمیہ

گذشتہ صدی کے ایک مشہور عالم مولانا حسن الزماں حیدر آبادی، مرید و خلیفہ مولانا محمد علی خیر آبادی نے القبول الحسن فی فخر الحسن کے نام سے شاہ صاحب کی اس تصنیف کی مبسوط شرح عربی میں لکھی ہے۔ مناقب حافظیہ کا بیان ہے کہ شاہ رفیع الدین نے فخر الحسن کا جواب لکھنا چاہا تھا لیکن نہ لکھ سکے۔

شاہ فخر الدین نے اس کتاب کو لکھنے کے بعد اپنی مجلس میں جستہ جستہ سنوایا تھا۔ مصنف مناقب فخریہ نے فخر الحسن نام تجویز کیا، جو شاہ صاحب نے نہایت خوشی اور "بشاشت" سے پسند فرمایا۔

رسالہ عین الیقین میں راہ سلوک کے لئے ہدایتیں ہیں جو ان کو اپنے والد ماجد سے پہنچی تھیں۔

ان تصانیف کے علاوہ ایک زمانے میں حضرت شاہ فخر صاحب کے کچھ خطوط بھی ملتے تھے۔ اب صرف ایک خط مناقب الجوبین میں محفوظ ہے۔ جس میں اتباع شریعت کی تلقین کی گئی ہے اور وجود کے بعض نکات کو واضح کیا گیا ہے۔ معمولات اور نظام اوقات حضرت شاہ فخر صاحب اپنے معمولات کے بہت پابند تھے۔ جن عوارضات پر حاضری یا جس کام کی بجا آوری انھوں نے اپنے آپ پر لازم قرار دے لی تھی اس کی ہر حالت میں پابندی کرتے تھے۔ لکھا ہے:

"ہنگامہ ہر شہری شونہ نام معمول
خود را ناغہ نمی کنند"

۱۔ مطبع مزیدکن ملکہ

۲۔ مناقب حافظیہ - ص ۲۰۴ مناقب فخریہ - ص ۵۰

۳۔ رسالہ عین الیقین، مطبع احمدی واقع کلاں محل دہلی - ص ۳

۴۔ مناقب الجوبین ص ۵۲ - ۵۱

۵۔ فخر الطالبین ص ۶۸

تھا کہ چشتیہ سلسلہ حضرت علی بنک متصل نہیں ہوتا کیونکہ خواجہ حسن بصری، حضرت علی کے زمانے میں بہت کم عمر تھے اور کم عمری میں ان کو روحانی خلافت کس طرح مل سکتی تھی۔ شاہ فخر الدین نے فخر الحسن میں اس بیان کی تردید کی ہے اور محدثانہ کلام کیا ہے اور بتایا ہے کہ حضرت حسن بصری کو خلافت ملی تھی اور یہ اعتراض غلط ہے۔ شاہ فخر صاحب کی اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ مولانا عبد العلی بحر العلوم نے جب اس رسالے کو دیکھا تو فرمایا کہ حسن اعتماد کے ساتھ ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ بزرگوں نے لکھا ہے حق ہے، لیکن یہ تحقیق جو مولانا نے کی ہے ہم کو معلوم نہ تھی۔ فخر الحسن میں احادیث کی متداول کتب اور شروح کے علاوہ ان کتابوں کے حوالے موجود ہیں جن سے ان کے علمی تجربہ اور وسعت مطالعہ کا پتہ چلتا ہے:

۱	تاریخ صغیر بخاری	۸	تقریب نووی
۲	تہذیب الکمال مزی	۹	تاریخ الاسلام ذہبی
۳	شروط الائمہ حازی	۱۰	مرآۃ الجنان یافعی
۴	تہذیب الاسماء واللغات نووی	۱۱	سنن دارقطنی
۵	سنن کبریٰ بیہقی	۱۲	کتاب الثقات ابن حبان
۶	تاریخ خطیب بغدادی	۱۳	فتح البہاری
۷	حلیۃ الاولیاء	۱۴	تذریب الراوی

۱۔ القبول الجمیل میں بھی شاہ ولی اللہ صاحب نے اس شبہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے حاشیہ القبول الجمیل میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصری کی ملاقات حضرت علی سے براعتاً تاریخ ثابت نہیں۔ شفاہ العلیل ترجمہ قول الجمیل ص ۴۶

۲۔ مناقب حافظیہ ص ۲۰۴

مولانا بحر العلوم (متوفی ۱۲۸۱ھ) کو مولانا سید سلیمان ندوی

نے ابن خلدون اور شاہ ولی اللہ صاحب کے طبقہ میں گنایا ہے

فجر کی نماز کے بعد وہ اپنے حجرے میں تشریف لے جاتے تھے اور تین چار گھنٹی دن تک تک وہیں رہتے تھے۔ اس وقت کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ اس کے بعد مجلس میں آکر بیٹھتے تھے۔ اس وقت یاران و مخلصان سب حاضر خدمت ہوتے تھے۔ اس کے بعد حدیث یا عوارف المعارف کا درس شروع ہوتا تھا۔ کوئی شخص اس کی عبارت پڑھ دیتا، اور آپ اس پر تقریر فرماتے تھے۔ پھر کھانے کا وقت ہو جاتا۔ قیلول کے وقت امیر کلویا تھو موجود ہوتے تھے۔ اور حضرت مولانا کوئی کتاب سینہ پر رکھ کر مطالعہ میں مصروف ہو جاتے تھے۔ اکثر یہ کتاب فوائد الفوائد ہوتی تھی۔ اس کے بعد نماز ظہر باجماعت ادا کرتے تھے۔ تمام یاران مدرسہ بھی جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ آپ ہر ایک سے نہایت "مخندہ روئی" اور "بشاشت" سے گفتگو فرماتے تھے۔ جمعہ اور شنبہ کو مولوی عظمت اللہ صاحب سے ملائے "مثنوی مولانا روم" سنتے تھے۔ اس مجلس میں سوائے خاص مریدوں کے کسی کو آنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ مینوں طرف کے دروازے "مقفول" کر دئے جاتے تھے۔ ۱۷

رمضان المبارک کے مہینے میں حفاظ کے لئے خاص بندوبست ہوتا تھا اور ایسی رونق ریتی تھی کہ:

ہر روز رباب عبادت در ظل ارباب عبادت کے دن مثل عید
عاطفت مثل عید و ہر شے در اور رات، شب قدر کی طرح ان
افطار و تراویح ہمہ چو شب قدر کے نخل عاطفت میں بسر ہوتی تھی۔

آپ کا معمول تھا کہ ۲۲ رمضان کو سوائے عرب چلے جاتے تھے، اور قطب صاحب یا نظام الدین صاحب میں معتکف ہوتے تھے۔ ۱۸

لباس اور خوراک | شاہ فخر صاحب باہر جاتے تو دستار، جامہ اور دوپٹہ زیب تن ہوتا۔ جب گھر میں تشریف رکھتے توجہ و کلاہ استعمال فرماتے۔ سردی کے موسم میں فرغل اور دو شالہ بھی استعمال فرمایتے تھے۔ شروع زمانے میں ایک تلوار اور کٹار رکھتی بھی پاس رہتی تھی۔ ۱۹

کھانا اکثر پرہیزی کھاتے تھے۔ لکھا ہے:

اس قدر کم خور شخص کم خواہر بود
اتنا کم کھانے والا شاید ہی کوئی شخص ہو۔

اخلاق | شاہ فخر صاحب کی شخصیت کا سب سے ممتاز پہلو ان کا اخلاق تھا۔ ہر چھوٹے بڑے سے انتہائی خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ کسی کو پریشان دیکھتے تو جب تک اس کی مدد نہ کر لیتے بے چین رہتے۔ ایک مرتبہ حج کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ جب جہاز پر سوار ہونے لگے، ایک بڑھیا آگے بڑھی اور عرض کیا: مجھے لڑکی کی شادی کرنی ہے اور حال یہ ہے کہ گھر میں فاقے ہوتے ہیں۔ کس طرح یہ کام انجام دوں۔ شاہ صاحب نے فوراً اپنا سامان اتار لیا اور جو کچھ زاد راہ تھا، اس بڑھیا کے حوالے کر دیا، اور خود وطن واپس چلے آئے۔ وہ کسی شخص کو رنجیدہ یا مملول نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہر آنے والے کی دل جوئی کرتے تھے اور ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ کوئی شخص ان کے پاس سے ملول یا رنجیدہ خاطر نہ جائے۔ ان کے اخلاق سے دشمن تک متاثر ہوتے تھے۔ دشمن جان لینے کی فکر میں جاتے، لیکن جب آپ سے ملتے تو بقول مصنف مناقب فخریہ ع:

گردن کشان دہر خمر نگاہ تو

کا عالم ہوتا

ایک افغانی خانقاہ میں آیا اور آپ پر حملہ کیا۔ خدام نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔ آپ نے ہاتھ چھوڑ دینے کا حکم دیا اور اپنا سر مبارک زمین پر رکھ کر فرمایا:

"ما حاضریم ہرچہ بخاطر شماست
بکنید" ۲۰

خاکروب نہیں آیا تو بہت فکر مند ہوئے۔ جب معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے تو فوراً اُسے دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ بہت محبت سے اُس کا حال دریافت کیا۔ میر حسن حکیم کو علاج کے لئے مقرر کیا اور نقد انعام دینے کے بعد فرمایا:

میاں پر محمد! تم از دور روز میاں پر محمد! تم جو دور روز نہیں
نیامدند و از فقیر کہ در پریش حال شما آئے اور فقیر سے اس زمانے میں
تاخیر واقع شد معاف خواہند پرسش احوال میں تاخیر ہوئی۔
فرمود۔ لے اس کو معاف فرما دو۔

اخلاق کی ان ہی بلندیوں کو دیکھ کر مناقب فخریہ کا مصنف بے اختیار کھٹکتا ہے۔
بہ دہلی منظر ماہِ حجازی
تو کوئی نائب شاہِ حجازی

مشہور ہے کہ ایک مرتبہ دہلی کے ایک شخص نے اپنے زمانے کے تین بڑے بزرگوں کے اخلاق کا امتحان کرنا چاہا۔ اُس نے شاہ ولی اللہ، شاہ فخر الدین اور مظہر جان جاناں کو مدعو کیا۔ تینوں بزرگ اس کے مکان پر پہنچ گئے۔ میزبان زنانے مکان میں کھانا لینے کے لئے گیا۔ کبھی گھنٹے بعد واپس آیا۔ اور بیوی کی علالت کا ذکر کر کے کچھ پیسے ان تینوں بزرگوں کو پیش کئے۔ شاہ فخر الدین صاحب نے یہ پیسے کھڑے ہو کر لئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے بیٹھ کر، امرزا مظہر جان جاناں نے یہ کہہ کر کہ تم نے مجھے بڑی تکلیف پہنچائی۔

شاہ فخر الدین صاحب صادق القول بزرگ تھے۔ وعدہ بہت کم کرتے تھے، لیکن جب کر لیتے تو جب تک ایفانہ کر لیتے بے قرار رہتے تھے۔ شیخی اور اظہار بزرگی سے

۱۹ مناقب فخریہ ص

۵۱ مناقب فخریہ ص

۲۲ مناقب فخریہ ص

۵۵ مناقب فخریہ ص

اس وقت تو وہ شخص شرمندہ ہو کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دو آدمیوں کے ساتھ آیا۔ اس کو دیکھتے ہی آپ عظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے، اور فرمایا۔ ”صاحب بجز وعافیت؟“ ان الفاظ کا زبان سے نکلنا تھا کہ اخلاق کا وہ ہتھیار جو پہلی بار اُچھٹا ہوا لگا تھا، اپنا کام کر گیا۔ اور ان لوگوں نے ”سنگ ہائے حویلی پر اپنے سر اور پیر کوٹ کوٹ کر معافی مانگی۔ لے

مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ شاہ فخر صاحب ہر چھوٹے بڑے کی عظیمی کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ بستر علالت میں بھی اس مہول میں فرق نہ آتا تھا۔ صحبت میں ہر شخص کی دست گیری کے لئے تیار رہتے تھے۔ لوگوں کی خوشی اور غم میں ہمیشہ شرکت فرماتے، اگر کسی عزیز کے یہاں کوئی تقریب یا غمی ہوتی تو خود کوئی بار تشریف لے جاتے اور اپنے مریدین و معتقدین کو وہاں جلنے کی ہدایت فرماتے تاکہ

خاطر اوطن شود و غم ازین تفقدات کریمان
بر طرف گردد۔ ۵۵

بیمار کی عیادت کرنی ہوتی تو یہی طریقہ اختیار فرماتے اور مریدین کو بار بار مزاج پُرسی کے لئے بھیجتے۔ ایک مرتبہ اکبر آباد کے پرانے دوست مرزا غلام حسین علاج کی غرض سے دہلی آئے تو اُن کی حد درجہ نگرانی اور امداد کی۔ ایک علیحدہ مکان سکونت کے لئے دیا۔ طبیب معالجہ کے لئے مقرر کیا اور بار بار اُن کی مزاج پُرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ ۵۶ جو لوگ روزانہ اور پابندی سے آنے والے تھے ان کی غیر حاضری سے پریشان ہو جاتے، اور اُن کی خیریت معلوم کرنے کے لئے بے چین رہتے۔ دور روز پیرا

۱۹ مناقب فخریہ ص

۱۶ مناقب فخریہ ص

۵۵ فخر الطالبین ص

۲۲ فخر الطالبین ص

سخت تنفر تھا۔ جب کسی دعوت یا جلسہ میں تشریف لے جاتے تو لوگوں کو ساتھ چلنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اس سے نمائش ہوتی تھی اور یہ آپ کو پسند نہ تھی۔ حکم تھا کہ لوگ علیحدہ علیحدہ منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔

کوئی آپ کی تعریف کرتا تو ناپسند فرماتے۔ کوئی مرید ہاتھ باندھ کر یا گردن جھکا کر تعظیم کرتا تو ناخوش ہوتے۔ کوئی عقیدت مند پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو روک دیتے اور ناراض ہوتے۔ دعوتوں کو پسند نہیں فرماتے تھے، لیکن کسی کی استدعا کو رد بھی نہیں کرتے تھے۔ اس لئے کہ

”خوشی سائل را بر خوشی خود مقدم دارند“

ہر آنے والے سے بشاشت اور خندہ روئی سے گفتگو فرماتے۔ اور حضرت ”یا حبیب“ سے خطاب کرتے اور

گفتگو باہر کسے موافق اطوار، ہر شخص سے اس کے رجحان اور
دبا عالم از علم و بہ سپاہی از سپاہ، دلچسپی کے مطابق گفتگو کرتے تھے
گری و باہوس از کیمیا۔ ۱۷ عالم سے علم کے متعلق، سپاہی سے
سپاہ گری کی بابت اور کیمیا گری سے
کیمیا کی نسبت۔

اس خوبی کو بیان کرنے کے بعد مصنف مناقب فخریہ لکھتا ہے۔ ۱۸

- ۱۷ فخر الطالبین ص ۱۲
- ۱۸ مناقب فخریہ ص ۱۶
- ۱۹ شجرۃ الانوار (قمی)
- ۲۰ فخر الطالبین ص ۱۲
- ۲۱ مناقب فخریہ ص ۱۶
- ۲۲ مناقب فخریہ ص ۲۱

بارمپاچوں آب در ہر رنگ شامل می شود

ایک مرتبہ فرمایا کہ میرے پاس مختلف لوگ مختلف نیت سے آتے ہیں۔ بعض مجھ کو عالم جان کر آتے ہیں۔ بعض صوفی خیال کرتے ہیں۔ کچھ کیمیا گر سمجھتے ہیں۔ بعض میرے اخلاق کی وجہ سے ملتے آتے ہیں۔ بعض اعمال و اوراد کی فکر میں رجوع کرتے ہیں۔

پس مرا نیز سلوک موافق اتمقا پس میرا بھی ان کے ساتھ سلوک
ایشان بہ ایشاں است۔ ۱۹ اُن کے اعتقاد کے مطابق ہے۔

شاہ نور محمد صاحب کا بیان ہے کہ شاہ فخر صاحب بڑے خوش طبع تھے۔ لیکن جب میں حاضر ہوتا تو خوش طبعی نہ کرتے تھے۔ لہذا جب میں دیکھتا تھا کہ ایسے لوگ اُن کی مجلس میں ہیں جن سے وہ خوش طبعی کرتے ہیں تو میں وہاں سے چلا آتا تھا اور وہ اس لئے کہ

باہل ہر طریق نگاہ داشت مناسبت اولیقین ہموں وتیرہ بود ۲۰
حکمانہ انداز میں یا قطعی طور پر کوئی بات نہ کہتے تھے۔ ”چنین باید کرد“ کبھی زبان پر
نہ آتا تھا ہمیشہ یوں ہی فرماتے ”صلاح چنین می نماید“ کسی سے کوئی کام کرنے کو
کہتے تو نہایت نرمی سے لکھا ہے:

محتاج ارشاد می کنند کہ گویا شخصے اس اعجاز سے گفتگو کرتے ہیں گویا کوئی
محتاج در خدمت اغنیاء بعض محتاج (کم حیثیت شخص) ابرار آدمی سے
رساند ۲۱ عرض کر رہا ہے

اکثر ایسا ہوا کہ لوگ آپ کے کتب خانے سے کتابیں چُر کر لے گئے۔ کوئی اجنبی شخص

- ۲۲ مناقب فخریہ ص ۲۲
- ۲۳ فخر الطالبین ص ۷
- ۲۴ مناقب المحبوبین ص ۸۸
- ۲۵ فخر الطالبین ص ۱۲

تھے۔ ایک مجذوب کا واقعہ اسرار الہیہ میں لکھا ہے کہ ایک دن کہنے لگا کہ میاں نور محمد صاحب کی دعوت کر رہا ہوں۔ شاہ صاحب نے مسکرا کر پوچھا کہ اس ضیافت کے لئے کہاں سے آئے گا۔ اس نے فوراً کہا آپ دیں گے۔ یہ سنتے ہی آپ نے لائٹری کو حکم دیا کہ ضیافت کے لئے کھانا تیار کر دیا جائے۔ ۱۷

جس زمانے میں شاہ صاحب دہلی میں مسند ارشاد پر جلوہ افروز تھے، وہ بڑی سیاسی بدامنی اور ہنگامے کا زمانہ تھا۔ بڑے بڑے گھرانے تباہ و برباد ہو رہے تھے۔ امیر غریب ہو گئے تھے۔ خاندانوں کی عزت اور ناموس خاک میں مل رہا تھا۔ شاہ صاحب کو ایسے گھرانوں کا خاص خیال رہتا تھا۔ اور ان کی مدد فرمایا کرتے تھے۔ بھیک مانگنے والوں کو زیادہ نہ دیتے تھے بلکہ یہ فرما دیتے تھے کہ اگر میں ان کو نہ دوں گا تو کوئی دوسرا دیدے گا۔ دینا تو ان کا ہے جو اپنی عزت اور ناموس کی وجہ سے بھیک نہیں مانگ سکتے اور بفاقد کرتے ہیں۔ ۱۸

مریدوں کو ہمیشہ ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص ہمیں بُرا کہے تو اس سے مکابرہ نہ کرو۔ ۱۹

صحبت کا اثر | شاہ فخر الدین صاحب کی صحبت جادو کا اثر رکھتی تھی۔ جو ان کی خانقاہ میں آجاتا، متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ جرائم پیشہ لوگ پناہ کی تلاش میں خانقاہ آتے اور ولی بن کر وہاں سے نکلے۔ گردن کشاں تکلیف پہنچانے کی نیت سے آتے اور حلقہ بگوش ہو کر جاتے۔ ان کا سر پھوڑے آتے، خود اپنا سر پھوڑتے ہوئے جاتے۔ جس طرف نظر اٹھ جاتی اپنا کام کر جاتی۔ ۲۰

ان کو فروخت کرنے کے لئے بھی حضرت ہی کی خدمت میں آگیا، تو کبھی آپ نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ یہ کتاب تمہیں کہاں سے ملی۔ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے کپڑے اور چاقو وغیرہ چُر کر لے گیا۔ چور کا پتہ چل گیا۔ لیکن آپ نے اس کے منہ پر قطعاً اس کا اظہار نہیں کیا۔ کشمیر کے صوبے دار بلند خاں نے آپ کی خدمت میں ایک ہزار روپے بطور نذر بھیجے۔ لانے والے نے خود صرف کر لئے۔ بلند خاں کو اس کا علم ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ صوبہ دار اس کو سزا دے آپ نے لکھ دیا کہ اسی کی قسمت کے تھے، اس سے کچھ نہ کہنا۔ ۲۱

ایک مرتبہ نواب خیر النسا بیگم (ہمیشہ شاہ عالم) نے کچھ ظروف نفیسی، اور بارہ سو روپے آپ کی خدمت میں بھیجے۔ ملازم نے آپ کو اطلاع بھی نہ کی اور اپنے پاس رکھ لئے۔ کچھ مدت کے بعد بیگم کو شبہ ہوا اور ملازم سے رسید طلب کی۔ ملازم سخت حیران اور پریشان ہوا۔ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی چاہی۔ آپ نے فوراً سید احمد کو حکم دیا کہ جو کچھ سامان شخص بیان کرے وہ لکھ دو۔ اس کے بعد پھر لگا کر اس کو دے دی۔ اخلاق کی یہ بلندیاں لوگوں کے دلوں پر اثر کرتی تھیں اور اکثر ان کی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو جاتا تھا۔ ۲۲

جب آپ دہلی تشریف لائے تھے تو ایک بڑھیا آپ کی خدمت کرنے لگی تھی۔ جب وہ مرنے کے قریب ہوئی تو اس نے اپنے بیٹے میر کلو کو آپ کے سپرد کیا۔ آپ نے بیٹوں کی طرح اس کی پرورش کی۔ اور

باوجود حرکت جو انانہ گلے معاتب نشدند، والیوم بکمال اعزاز است ۲۳

دل جوئی کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص کی آرزو اور خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ۲۴

خاندان ولی الہی اور شاہ صاحب | شاہ فخر الدین، شاہ ولی اللہ دہلوی سے
عمر میں ۱۴ برس چھوٹے تھے اور تقریباً ۲۱ سال بعد تک زندہ رہے۔ ایسا محسوس ہوتا
ہے کہ خاندان ولی الہی سے ان کے نہایت مخلصانہ اور گہرے تعلقات تھے۔ اس
کا کچھ اندازہ ملفوظات شاہ عبدالعزیز سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ ایک دن انھوں نے
اپنی مجلس میں حضرت شاہ فخر الدین صاحب سے اپنے ”ارتباط قدیم“ کا رجحانوں سے
تھکا ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ والد ماجد کے مدرسہ میں بلکہ مسجد و صحن مسجد میں سماع سنتے
تھے۔ جب فرماتے کہ مزامیر بھی سنوں گا تو شاہ عبدالعزیز صاحب کی خالد کے مکان کو
خالی کرا کے وہاں سماع کا انتظام کر دیا جاتا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک بات
شاہ فخر الدین صاحب کی کیفیت سماع کے متعلق بڑی اہم فرمائی تھی۔ فرمایا:

مولوی فخر الدین رسولائے تغیر سوائے تغیر چہرہ اور آنکھوں کے
چہرہ وحشیم اثر و جد ظاہر بخشنی شدیم
مولوی فخر الدین پر وجد کا اثر ظاہر
نہیں ہوتا تھا۔

اپنے بزرگوں کے تعلقات کے پیش نظر شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ فخر الدین
کی بڑی عزت اور احترام کرتے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے والد فرماتے تھے کہ جب
شاہ ولی اللہ کا انتقال ہوا اور شاہ عبدالعزیز مسند درس پر بیٹھے تو مولانا فخر الدین
نے ان کے سر پر دستا فضیلت باندھی تھی۔ مولانا آزاد کا بیان ہے:

جب بگڑی باندھ چکے تو کان میں کہا تمھارے والد بزرگوار کے دامن پر
ایک دھبہ لگ چکا ہے۔ تمھارا کام یہ ہے کہ اسے صاف کر دو۔ دھبے
سے مقصود شاہ صاحب کا مجتہدانہ مسلک اور تقلید مذاہب سے انکار

اس نگاہی است کہ از سطح فلک درگذرد

پر کردہ دل چہ بود پرودہ افلاک در دہ

ایک شخص ایندا پہونچانے کی نیت سے آیا لیکن جب سامنے پہونچا تو از خود رفته ہو گیا،
اور نعرہ لگانے لگا:

رہزن دل ہمیں است۔ ۱

ایک قاتل اپنی جان بچانے کے لئے خانقاہ میں آیا۔ چند ہی روز میں یہ حال ہو گیا کہ

در ہر کہ نظری کرد حالتش متغیر جس کی طوت نظر کرتا اس کا حال

می شد۔ ۲

ایک مرتبہ دس افغانی آپ کو شہید کرنے کی نیت سے قطب صاحب میں جمع ہوئے
لیکن جب نگاہیں ملیں تو عالم بدل گیا۔ مناقب فخریہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ

مجاہد دشمنان را دوست کردہ

اثر ہادرگ و در پوست کردہ

گہ آری خلیلے زبت خانہ

کنی آشنائی ز سیگانہ

مناقب کا مصنف جب پہلی بار حاضر ہوا تھا تو ایسا محسوس کرنے لگا تھا:

گویا شرابے بود کہ در جام دل گویا ایک شراب تھی جو جام دل میں

من رہنم و آتش بود کہ در سینہ ڈال دی یا ایک آگ تھی جو سینہ

من انداختند۔ سینے میں بھردی۔

۱ مناقب فخریہ ص ۲۸

۲ مناقب فخریہ ص ۳۰

۳ مناقب فخریہ ص ۸

۴ مناقب فخریہ ص ۲۶

۱ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۵۵

۲ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۵۸

۳ نقش آزاد، مرتبہ غلام رسول مہر، کتاب منزل، لاہور ص ۳۱۹

تھا۔ اس وقت تک وہ بابت وغیرہ کے تلقب تو پیدا نہیں ہوئے تھے، نہ کوئی خاص جماعت اس مسلک کی ملک میں موجود تھی۔ اس لئے عام علماء مختلف طریقوں سے اسے تعبیر کرتے تھے۔ عام طور پر اعتزال کا تلقب اختیار کر لیا گیا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ شاہ ولی اللہ اعتزال کی طرف میلان رکھتے تھے حالانکہ کجا معتزلہ واعتزال اور کجا مشرب اصحاب سلف و حدیث... بہر حال شاہ عبدالعزیزؒ سے یہ درخواست کی گئی تھی اور واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے پوری کر دی۔ لے

یہ خیال کہ شاہ فخر الدینؒ وہابی تحریک سے واقف نہ تھے صحیح نہیں۔ فخر الطالینؒ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نجدی تحریک سے واقف تھے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل عبارت قابل غور ہے:

مذکور ابن تیمیہ آمد، فرمودند کہ دریں ایام اس عزیز قریب قریب بحرین اجتہاد شروع کردہ است نسخہ دلائل الخیرات را ہر جا کہ می یابیدی سوزد، و چندیں کس ہمراہ جمع اند و اکثرے اعزہ را قتل رسانیدہ است، از ابن تیمیہ کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ اس زمانہ میں [؟ ان کے ایک متبع نے] حرمین میں قریب قریب دیساہی اجتہاد شروع کیا ہے۔ دلائل الخیرات کا نسخہ جہاں مل جاتا ہے اس کو جلا دیتا ہے۔ بہت لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے ہیں۔ اس نے اپنے

لے نقش آزاد ص ۳۱۹

یہاں کچھ عبارت غالباً چھوٹ گئی ہے۔

غالباً ہندوستان میں محمد بن عبدالوہاب کا یہ سب سے قدیم معاصر تذکرہ ہے جو بغیر نام لئے شاہ فخر صاحب نے اپنی مجلس میں فرمایا۔ محمد بن عبدالوہاب کی پیدائش ۱۱۵ھ میں اور وفات ۱۲۱۸ھ میں ہوئی۔ یہ زمانہ دہلی میں شاہ فخر صاحبؒ اور شاہ ولی اللہؒ کا تھا۔

اتباع ابن تیمیہ است و مذہب حنبلی دارد۔ دریں اثنا میاں محمد و اہل عرض کردند کہ عبدالواحد واقف اند، حضرت مولانا فرمودند بے۔ عبدالواحد عرض کردند کہ غلام از احوال او واقف است کہ تمام سکنہ اہل حرم و عرباں باو در خانہائے خود ہادشنام می دہند، امد دست پہنچ کس باو نمی رسد، برائے اینکه قریب بست ہزار کس ہمراہ دارد۔ دریں اثنا شخصے عرض کرد کہ دلائل الخیرات را چرامی سوزد۔ فرمودند کہ درودے کہ در حدیث شریف آندہ است ہموں را بخوانند بطرف چیز ہائے دیگر رجوع نکنند و بمذہب حنفی تعصب می کنند، بطرف حدیث بسیار رجوع دارنی مردم بسیار رفیق شدہ اند، و علم ہم دارد، از عہدہ او کسے برنی تواند آمد لے

بہت سے اعزہ کو قتل کر دیا ہے۔ وہ ابن تیمیہ کا متبع ہے اور اس کا مذہب حنبلی ہے۔ اس اثنا میں یہاں محمد و اہل نے عرض کیا کہ کس عبدالواحد اس سے واقف ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا۔ ہاں۔ عبدالواحد نے عرض کیا کہ غلام اس کے حالات سے واقف ہے۔ تمام حرم کے ساکنین اور عرب اس کو اپنے گھروں پر گالیاں دیتے ہیں۔ لیکن کسی کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ تقریباً بیس ہزار آدمی ہیں۔ اس اثنا میں ایک شخص نے عرض کیا۔ دلائل الخیرات کو کیوں جلاتا ہے۔ فرمایا: (کہتا ہے) کہ جو درود حدیث میں آیا ہے اسی کو پڑھیں، کسی دوسری چیز کی طرف توجہ نہ کریں۔ اس کو حنفی مذہب سے تعصب ہے۔ حدیث کی طرف بہت رجحان ہے۔ بہت سے لوگ

فرمودند و حویلی مذکور از جناب جگدی۔ اُن کی غم خواری کی اور اُن
سلطانی بہائشاں دہانیدندو کامکان بادشاہ سے اُن کو واپس
باعزاد اکرام درآں جارسانید دلادیا اور ان کو عزت اور احترام
لے کے ساتھ وہاں پہنچایا۔

مناقب فخریہ کے اس بیان پر شک و شبہ کا اظہار کرنا بے معنی ہوگا۔ مناقب کے
سب نسخوں مطبوعہ اور قلمی ہیں یہ عبارت ملتی ہے۔ نجف خاں (المتوفی ۱۲۱۱ھ) کے
کے زمانہ میں اسی صورت حال کا پیدا ہونا تعجب خیز نہیں ہے۔
اتباع شریعت و سنت کی تلقین جس وقت شاہ فخر الدین صاحب نے مسند ارشاد
پجھائی تھی، بڑے بڑے بزرگ دہلی میں موجود تھے، جیسا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب
کا بیان ہے:

در عہد محمد شاہ بادشاہ بست محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں بائیس
دو و بزرگ صاحب ارشاد از بزرگ صاحب ارشاد مختلف سلسلوں
ہر خاں زادہ در دہلی بودند لے تعلق رکھنے والے دہلی میں موجود تھے۔

لیکن کثیر تعداد ایسے صوفیوں کی تھی، جو شریعت اور سنت سے نااہل تھے اور نہ صرف
خود فحش نفس میں مبتلا تھے بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے تھے۔ شاہ ولی اللہ
صاحب نے اپنے وصیت نامہ میں ایسے دھوکہ بازوں سے بچنے کی ہدایت کی تھی
فخر الطابین کا مصنف سید نور الدین فخری جو شاہ فخر الدین صاحب کا مرید ہے،
لکھتا ہے:

بہراہل اللہ ہر کس را کہ نصیب دست دہد قول و فعل اور افعال اللہ
وقال الرسول انکار۔ لے

لے مناقب فخریہ ص ۱۶

لے مناقبات شاہ عبدالعزیز ص ۱۶ سے فخر الطابین ص ۱

اس کے ساتھ ہو گئے ہیں، اس
کے پاس علم بھی ہے اس سے غمٹنے
کی کسی میں طاقت نہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کی عقیدت اور تعلق خاطر کا اندازہ اس مقدمہ سے لگایا
جاسکتا ہے جو انھوں نے شیخ مصدق الدین کی جمع کردہ تفسیر عزیزیہ پر لکھا ہے۔ شیخ
مصدق الدین، شاہ فخر صاحب کے مرید تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے درس تفسیر
میں شریک ہوتے تھے اور جو کچھ سنتے تھے ”لفظ بلفظ“ لکھ لیتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز
صاحب نے جب اس مجموعہ کو ملاحظہ فرمایا تو ایک مقدمہ لکھا۔ اس میں شیخ
مصدق الدین کی شاہ فخر صاحب سے نسبت ارادت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

برادر دینی، جوہر..... حق گزینی، سالک راہ خدا جوئی، ملازم

طریقہ صدق گوئی مقبول جناب مولانا عالی جناب خلائق مآب

وبالفضل اولانا فخر الملة والدین محمد قدس اللہ سرہ الامجد۔ لے

شاہ فخر صاحب کو شاہ عبدالعزیز صاحب اور اُن کے بھائیوں سے بڑا تعلق تھا
اکثر مشکلات میں اُن کی مدد فرماتے تھے۔ دہلی میں جب شیعوں کا اقتدار بڑھا
اور شاہ عبدالعزیز صاحب بھی مصائب میں گرفتار ہوئے تو شاہ فخر صاحب نے
اُن کی مدد فرمائی اور اُن کو اپنی حویلی میں رکھا۔ لکھا ہے:

فرزند ان شاہ ولی اللہ منغورا شاہ ولی اللہ منغور کے بیٹوں کو

در آچہ تصدیان سلطانی از جنہیں اس زمانہ میں تصدیان

حویلی علیحدہ ساختہ و حویلی راہ سلطانی نے مکان سے نکال دیا تھا

قبضہ آورده بودند آن حضرت اور حویلی کو ضبط کر لیا تھا، شاہ فخر

ہو حویلی مبارک جاداند و غم خواری صاحب نے اپنی حویلی مبارک میں

لے قلمی نسخہ ذخیرہ شاہ سلیمان ص ۱۲، اس نثر کی کتابت ۱۲۳۳ھ میں ہوئی۔

یہ بات نور الدین نے اس وقت لکھی ہے جب اس نے اپنے مرشد کو اس معیار پر پورا پایا ہے۔

مناقب فخریہ میں لکھا ہے:
 در امور جزوی و کلی اتباع سنت
 نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ
 بندگان نیز درس امتزاج کید
 کو بھی اس امر کی بڑی تاکید کرتے ہیں
 آپ کی وضع قطع، اعمال و عادات کے متعلق سید نور الدین کا بیان ہے:
 وضع و عمل ایشان مطابق تہذیب
 حدیث نبوی است صلی اللہ علیہ
 واکر وسلم۔ ۱۷

تقریر کرتے تو ہمیشہ شریعت کے مطابق۔ ۱۷
 مسئلہ وحدت وجود پر شاہ صاحب نے پورا یقین رکھتے تھے، لیکن اس کے متعلق بحث و مباحثہ اس لئے ناپسند تھا کہ اس سے شریعت کے خلاف شدید غلط فہمیاں پیدا ہو جانے کا احتمال تھا۔ ۱۷
 اگر کوئی شخص مسئلہ دریافت کرتا تو بغیر سند کبھی جواب نہ دیتے۔ ۱۷ نماز جماعت سے ادا کرتے اور اسی کی تلقین فرماتے تھے۔ ۱۷

- ۱۷ مناقب فخریہ ص ۲۰: نیز شجرۃ الانوار (قلمی)
- ۱۸ فخر الطالبین ص ۶۹
- ۱۹ فخر الطالبین ص ۲
- ۲۰ مناقب فخریہ ص ۲۲
- ۲۱ فخر الطالبین ص ۴
- ۲۲ فخر الطالبین ص ۱۳

معمولی معمولی باتوں میں اتباع سنت کا خیال رہتا تھا۔ برتن "مکان ضرور" اور وضو کے لئے علیحدہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے مریدین کو اس کی تلقین فرماتے ہوئے کہنے لگے کہ حضور سرور کائنات کی یہ سنت ہے۔ وہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کھانے کے لئے بیٹھے تو فرمانے لگے۔ "میں جس طرح بیٹھا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح بیٹھا کرتے تھے۔ پھر لوگوں کو مسواک کی ہدایت فرمائی کہ اس پر حدیث شریف میں بہت اصرار کیا گیا ہے کہ جو شخص خواب سے بیدار ہو اس کو مسواک کرنی چاہئے۔ ایک مرتبہ خوشبو کی تلقین فرماتے ہوئے نہایت محبت آمیز لہجہ میں فرمایا۔ "حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو بہت پسند تھی۔"

ملفوظات و حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو ہمیشہ اتباع سنت و شریعت کی ترغیب دیتے تھے۔ اور طرح طرح سے اس کے فوائد بیان فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنا قصہ بیان کرنے لگے کہ جنگ کے دوران بارود کے اثر سے آنکھوں کو نقصان پہنچ گیا تھا اور ڈر تھا کہ بصارت بہت کم ہو جائے گی لیکن سرمد کے استعمال سے بصارت میں زیادہ کمی نہیں ہوئی۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ یہ متابعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔

وفات سے کچھ پہلے کا ذکر ہے کہ ریش مبارک بڑھ گئی تھی۔ ملول ہو کر فرماتے لگے: ایں ترک سنت از ما شد ۱۷

سکھ اور شاہ صاحب | شاہ فخر الدین صاحب کے زمانے میں سکھوں کی جو سے دہلی کا ہر خاندان ہراسان اور پریشان تھا۔ بڑے بڑے خاندانوں کی عزت خطرے میں تھی۔ شاہ فخر صاحب نے قتل و غارت گری کے یہ سب نظارے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ خود جب وہ دہلی سے غیاث گڑھ گئے تھے، تو سکھوں سے

حفاظت کے لئے راستے میں بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ سکھوں کی غارت گری سے ان کو سخت صدمہ تھا۔ انسانی خون کی ارزانی دیکھ کر وہ خون کے آنسو روتے تھے۔ مسلمانوں کو ہر سال اور پریشان دیکھ کر ان کا دل ترپنے لگتا تھا۔ ان کو بادشاہ کی حالت پر غصہ آتا تھا کہ وہ ان فقروں کے انسداد سے کیوں غافل ہے۔ آخر کون رہا گیا۔ اور ایک دن دربار میں بادشاہ سے کہہ اٹھے:

برغیبہ آنہا! فرقہ سکھال! باید پرداخت کہ فلاح دینی و دنیوی در ضمن آں است۔ ۱۰

بادشاہ کو ہدایت | چاروں طرف زوال و انحطاط، کش مکش و کشیدگی، ابتری و بربادی دیکھ کر شاہ صاحب مجبور ہو گئے کہ بادشاہ کو بچھائیں کہ امرا کی خانہ جنگی کے باعث ملک ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ اُسے انتظامی معاملات کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ چنانچہ ایک بار فرمایا:

سلطان حق تعالیٰ بذات خود میر
ملک ستانی و ملک داری توجہ
نشود، و اختیار محنت و مشقت
نکند بند و بست بین و بر صورت
نی گیرد۔
سلطان وقت جب تک کہ بذات
خود امور مملکت کی طرف متوجہ
ہوگا اور محنت و مشقت اختیار نہ
کے گا، حالات کبھی ٹھیک نہ ہو
سکیں گے۔

حکومت امیروں کے سپرد کرنے کے خطرناک نتائج سے اس طرح بادشاہ کو آگاہ کرتے ہیں:

اگر امیرے بابا مور مختار و نائب
سلطنت نمایند، امراء دیگر
اگر کسی امیر کو اختیار کی دے کر
نائب سلطنت بنادیا جاتا ہے تو

۱۰ شجرۃ الانوار (قلمی)

۱۱ مناقب فخریہ (قلمی) ص ۳۶ نیز مطبوعہ ص ۱۸؛ و تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۱۴

باخوش می شوند و سر بطاعت
اونہی ننهند، و منجر بہ بے مزگی
با سلطان می گرد و در عجب سلطان
بر سر کہ و منہ نمی ماند۔ و فوج بادشاہ
کہ محتاج بہ آں امیر شد و اونہی
شناسد و سر رشتہ تعلق مثال از
سلطان منقطع می گردد و در داغ
آں امیر ہوا سے انا و لا عیسری
می پیچید و گاہ باشد کہ بر سر بنی
می آرد، و در سلف اکثر ہم چنین
شده است۔ ۱۱

جس سیاسی بصیرت کے ساتھ شاہ صاحب نے بادشاہ کو خطرات سے آگاہ کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سیاسی پیچیدگیوں اور زوال کے اہلی اسباب کو سمجھ چکے تھے۔ ایک جگہ پھر بادشاہ کو ہدایت فرماتے ہیں:

پس اول مقدم این است
کہ آں صاحب بذات خود
مستعد محنت کشی و ملک گیری
شوند۔ ۱۲
پس سب سے پہلے یہ بات ضروری
ہے کہ آں صاحب بذات خود
حکومت کرنے اور محنت برداشت
کرنے کا تہیہ کر لیں

۱۰ مناقب فخریہ (قلمی) ص ۳۵-۳۶؛ مطبوعہ ص ۱۸؛ و تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۱۴-۱۱۵

۱۱ مناقب فخریہ (قلمی) ص ۱۸؛ و تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۱۴-۱۱۵

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس شدید مخالفت کے شاہ فخر صاحب حالاً سے ناامید نہ تھے۔ اور شیعوں میں کی اپنا کام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے شاہ فخر صاحب سے کہ ”بسیار محبت و تہنیتی بود“ اس کی وجہ پوچھی۔ فرمایا:

”ازین جہت از سب و تبرا اس طرح وہ تبرے سے باز آ جاتے باز می آیند“ لے ہیں۔

ملفوظات شاہ فخر الدین میں بعض ایسے لوگوں کا بھی ذکر ہے جو شیعہ تھے لیکن ان کی صحبت میں رہ کر شنی ہو گئے تھے۔ ایک شخص کے متعلق لکھا ہے۔ پیش از ملاقات حضرت مولانا مذہب شیعہ داشت بغفلت تمام اکنون بفضل الہی تابع سنت است۔ لے اپنے ایک خط میں اخفاء کی ہدایت کرتے ہوئے نہایت لچپ انداز میں لکھتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مدرسہ میں آئیٹھے۔ شاہ صاحب نے دریافت احوال کیا اور اس حرکت پر اپنی ناپسندیدگی اور ناخوشی کا اظہار کیا۔ صاحب شجرۃ الانوار کے بیان کے مطابق یہ واقعات نجف خاں کے عہد میں پیش آئے تھے۔ لکھا ہے: ”بعد از آن غفر بیغتاب نجف خاں بر محنت حق بیوست و دیگر نفقہ غلام از ظلم او تباہ شدند کہ یکے از آنہا نماز“ لیکن آگے چل کر شاہ صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ جب نجف خاں کا جنازہ مدرسہ کے قریب سے گذرا تو وہ دوپڑے سر پر ڈال کر بیرون مدرسہ آ کر کھڑے ہو گئے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ ”آنحضرت را فرقة خارجیان و رافضیان نہرے کمال بود و تا نجف خاں را میزدند کہ مرده شیعہ است و سید حق است“ حقیقتاً شاہ صاحب تمام انتہا پسند فرقوں سے بد دل تھے۔ اور فکر و نظر کے اعتدال اور صلح پسندی پر ان کا اصرار تھا۔

ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۲۹-۵۷ لے فخر الطالبین ص ۴۰

رشد و ہدایت، اصلاح و تربیت کی جو آواز شاہ صاحب نے بلند کی تھی وہ جھوٹے دلوں سے لے کر محلات تک گونجی۔ اس کے اثرات کیا ہوئے؟ کوئی نہیں بتا سکتا۔ جہاں ”ایں دفتر بمعنی غرق مئے ناب اولی“ کی صدائیں سنائی دیتی ہوں وہاں اس کے اثرات تلاش کرنا بے سود ہے لیکن شاہ صاحب کی بے باکی اور جرأت کا اعتراف ہر شخص کو کرنا پڑے گا۔ انھوں نے کلمہ حق بلند کر کے اپنا فرض ادا کر دیا۔ شیعہ اور شاہ صاحب اس زمانے میں شیعوں کا سیاسی اقتدار ہندوستان میں عروج پر تھا۔ سنی علماء سخت پریشانی میں مبتلا تھے۔ ان کے لئے پُر امن زندگی ناممکن ہو گئی تھی۔

شاہ فخر الدین صاحب کو ان ہنگاموں سے بہت دور تھے اور شیعوں کو مرید بھی کر لیتے تھے۔ اور بقول شاہ عبدالعزیز وہ شیعوں میں شیعہ اور سنیوں میں سنی مشہور تھے۔ لیکن وہ بھی سازشوں سے محفوظ نہ رہ سکے مصنف مناقب فخریہ نے لکھا ہے کہ جس زمانے میں دشمنوں نے مرزا مظہر جان جاناں کو شہید کیا تھا، میں ایک بڑے درخت کے نیچے کھڑا ہوا تھا کہ ایک ایرانی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک بڑے سنی عالم کو تو میں قتل کر چکا ہوں لیکن ابھی جو سب سے بڑا سنی عالم ہے وہ باقی ہے۔ جلد ہی میں اس کا کام بھی تمام کر دیتا۔ مگر کیا کروں اس کے گرد تو مریدوں کا ایک جھگڑا رہتا ہے۔ میں اُسے کبھی تنہا نہیں پاتا۔ شاہ صاحب کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا۔ ”حق تعالیٰ حافظ و ناصر است“ لے

ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۵۷

مناقب فخریہ ص ۲۸

شجرۃ الانوار میں اس واقعہ کی تفصیلات درج ہیں۔ لکھا ہے کہ جب کچھ لوگ شاہ فخر صاحب کو تکلیف پہنچانے کی نیت سے بیرون اجیری دروازہ صبح ہوئے تو آپ مقتدرین میں تشویش پیدا ہوئی۔ میر کلا اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مسلح ہو کر باقی آجکے صفحہ پر

سر سید نے لکھا ہے ”جتنے امراء ذوالاقتدار اور سلطان عہد تھے۔ آپ کی بیعت سے مشرف ہو کر آپ ہی کی خاک و در کو وسیلہ آبر و اور آپ ہی کے غبار آستان کو تاج عزت و اعتبار سمجھتے تھے۔ شاہ عالم بادشاہ کو آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ وہ آپ سے ملاقات کے لئے آیا کرتا تھا۔ تیلہ عقیدت و محبت کا یہ عالم تھا کہ شاہ صاحب نے چند تبرکات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے غیاث گڑھ جانا چاہا تو بادشاہ نے نہ جانے دیا۔ ایک مرتبہ چلے گئے۔ جب واپسی کی خبر ملی تو شاہ عالم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ شجرۃ الافارین لکھا ہے:

چوں حضرت ظل سبحانی شاہ عالم بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ خبر فرحت اثر آمدن حضرت مولانا صاحب شنیدند کمال سرور بخاطر گذر انید رہے بادشاہ گل و شیرینی ان کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا۔ شاہی خاندان کو بھی آپ سے بے حد عقیدت و ارادت تھی۔ شاہ عالم کی بہن خیر النساء بیگم آپ کی مرید تھیں۔ نواب زینت محل، والدہ شاہ عالم نے آپ کی خدمت میں ایک رختہ نذر گزرائی تھی۔

۱۔ آثار الصنادید ص ۳۲

۲۔ شجرۃ الانوار (طی)

۳۔ مناقب فخریہ ص ۱۰۰

۴۔ ان تبرکات کے متعلق تفصیلی معلومات کے لئے ملاحظہ ہو: السنۃ الجلیلۃ فی الچشتیہ الاولیٰ از مولانا شرف علی تھانوی ص ۹۵-۹۸-۱ اس کتاب میں ”واقعات جلال ثانی“ مصنف محمد علی خاں سے اس جہ سے متعلق تفصیلی معلومات درج کی گئی ہیں۔

۵۔ شجرۃ الانوار (طی)

۶۔ فخر الطالبین ص ۱۰۹-۱۰۰ و شجرۃ الانوار

۷۔ شجرۃ الانوار (طی) ۵۔ فخر الطالبین ص ۱۰۵

گویند کہ در مذہب شیعہ تفسیر کہتے ہیں کہ تفسیر شیعہ مذہب میں روا است۔ من گوئم کہ فقیرا روا ہے۔ میں کہتا ہوں فقیر کے لئے تو یہ لازم ہے۔ لازم است۔ ۱۔

امراء و سلاطین سے تعلقات | چشتیہ سلسلہ کا ایک اہم اصول یہ تھا کہ امراء و سلاطین کی صحبت سے حتی المقدور بچا جائے۔ شاہ فخر الدین صاحب اس سلسلے میں اپنے بزرگوں کی روش پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ فخر الطالبین میں لکھا ہے:

از اغیار ملاقات بکمال استغناء دارند مناقب فخریہ کا بیان ہے:

ہر چند حضرت ظل سبحانی و امراء ہر چند حضرت ظل سبحانی اور ان امراء مرید و معتقد تمنائے قبول دیتا ہے جو آپ کے مرید و معتقد تھے، دیتا نمودند، قبول نہ فرمودند و از غیار قبول کرنے کی درخواست کی لیکن کردند کہ اگر خواہند کہ ملازمین شہر با شیم، بار دیگر اس حرف قبول نہ کی بلکہ فرمایا کہ اگر یہ چاہتے ہیں کہ ہم اسی شہر میں رہیں تو اس تمنائے درمیاں نیاید۔ ۱۔ طرح کی بات پھر زبان پر نہ آئے۔

ایک دن بادشاہ نے خود حاضر ہو کر قلعہ شریف لے چلنے کی درخواست کی۔ آپ چلے گئے۔ وہاں مجبوراً آپ کو کھانا بھی کھانا پڑا۔ جب واپس آئے تو اس خیال سے کہ مبادا اس سے کبر نفس پیدا ہو جائے فوراً فقراء اور درویشوں کے مکانات پر تشریف لے گئے، اور ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ ۲۔

۱۔ مناقب المحبوبین ص ۵۲

۲۔ فخر الطالبین ص ۴

۳۔ مناقب فخریہ ص ۱۰۰

حقیقت یہ ہے کہ شاہ فخر صاحب ہی کے زیر اثر شاہان مغلیہ کو چشتیہ سلسلہ سے تعلق پیدا ہوا۔ اکبر کو چھوڑ کر جس کو شیخ سلیم چشتی سے عقیدت تھی برسرِ مغل حکمران نقشبندیہ سلسلہ سے عقیدت و ارادت کا رشتہ رکھتے تھے۔ شاہ فخر صاحب کے زمانہ سے مغل بادشاہوں اور امراء کو چشتیہ سلسلہ سے عقیدہ پیدا ہو گئی۔ فوج کے بہت سے سردار آپ کے مرید و معتقد تھے۔ لکھا ہے:

سردارانِ مغلیہ و ہندوستانی کہ ہمہ مریدان و خالصانِ اندر کشمیر تک سے صوبہ دار آپ کی خدمت میں نذر بھیجتے تھے۔ لیکن آپ میں استغنا اس قدر تھا کہ کبھی اس طرف توجہ بھی نہ فرماتے تھے۔ مجدد الدولہ بہادر نے تین دن تک آپ کے لئے دعوت کا کھانا بھیجا۔ چوتھے دن حکم پہنچ گیا کہ دعوت صرف تین دن تک ہو سکتی ہے اور پھر کھانا قبول نہ کیا۔ نواب ضابطہ خاں جو مشہور سرداروں میں سے تھا۔ آپ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا۔ لکھا ہے:

اور حسن اعتقاد مردے بود بے نظیر در سعادت از لی یکتائے روزگار بود جب آپ غیاث گدھ تشریف لے گئے تو اس نے نہایت عقیدت اور گرج جوئی خیر مقدم کیا اور کئی دیہات نذر کرنے چاہے۔ لیکن قبول نہ ہوئے۔ اس نے اصرار کیا کہ مدرسہ کے درویشوں کے مصارف کے لئے قبول فرمائیں۔ قدموں میں گر گیا۔ آپ نے پھر بھی قبول نہ کیا، بلکہ یہ فرمایا کہ ان کی آمدنی حضرت خواجہ

۱۰ مناقب فخریہ ص ۲۰

۱۱ مناقب فخریہ ص ۱۹

۱۲ مناقب فخریہ ص ۲۱؛ مجدد الدولہ کے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے بھی تعلقات تھے دیکھئے، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص ۲۳۴-۲۳۵

۱۳ مناقب فخریہ ص ۱۰؛ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے "نواب ضابطہ خاں کہ یکے از مریدان

راخ الاعتقاد حضرت مرشد نابود"

انجیری اور سلطان المشائخ کی درگاہوں اور خادموں کے مصارف میں خرچ کی جائے۔ نیز شاہ جہاں آباد کے بعض مشائخ کو اس میں سے دے دیا جائے۔ لے شجرۃ الانوار کا مصنف لکھتا ہے:

"بحان اللہ زہے استغنا کہ در مزاج مبارک بود، یک جبہ برائے

خود و یاران خود معین نفرمود" لے

ایک مرتبہ کسی نے بادشاہ کو ضابطہ خاں کی جانب سے بدظن کر دیا۔ شاہ فخر صاحب نے بادشاہ کی ناراضگی کو دور کرایا۔ لے

بہادر شاہ ظفر اور شاہ صاحب | بہادر شاہ نے اپنے دیوان میں جگہ جگہ حضرت شاہ فخر الدین صاحب سے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ایک شعر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان سے بیعت بھی تھا۔

کیوں نہ تو سر بفلک کھینچے، فخر الدین نے

دی سے دستار ترے سر پہ ظفر کھینچ کے باندھ

ظفر نے حضرت شاہ صاحب کو بچپن ہی میں دیکھا ہوگا، اس لئے کہ شاہ صاحب کا سال ۱۱۵۴ھ میں ہوا تھا اور ظفر کی ولادت ۱۱۸۹ھ میں ہوئی تھی۔ لیکن عقیدت کا عالم ہے بار بار اشعار میں اس کا اظہار کرتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں لے

بے ظفر کیا تاؤں تجھ سے کہ جو کچھ ہوں سو ہوں

لیکن اپنے فخر دس کے کفش بر دار و دس ہوں

۱۴ مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ سرس خواجہ معین الدین میں شامیان زربن و سبز و

پراغاں و دیگر سامان بھیجا کرتا تھا۔ چراغ و بی، قطب صاحب کے عرسوں کے بشیر

مصارف خود کرتا تھا۔ شہر کے بڑے بڑے لوگوں مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب کے صاحبزادوں

کی امداد کرتا تھا۔ ص ۱۴

۱۵ مناقب فخریہ، شجرۃ الانوار (علی)

اسے فخر جہاں، فخر زماں، فخر دو عالم
بے لطف تراثی میں دل کش کے مہم

ہر تار غص میں ہو اگر سو گڑب گڑ
وہ ناخن تا نید سے ہر دو تہہ بیکے

ایک اشارے نال تساویں کھلے عہد سارے
دہلی زکراے محمدیہ سلطان نظام کے پیارے

مرشد پاک رہاں فخر الدین	قبلا وہ کہ جہان فخر الدین
ایک جہاں فخر جہاں کتلے	بہشت فخر جہاں محمد الدین
میں کہ ہوں تہہ دروازہ	علاقہ امی و دہشتہ کراں فخر الدین
موجزن ہے تیرا دریا بے کرم	ادکراں تا مکران فخر الدین
بے مدوتیری توانائی بخش	میں ہوں قیام و بان فخر الدین
کیا کروں عرض عیاں بے تہ پر	میرا سب رتو جہاں فخر الدین
رکھ فخر فخر و ہر ساعت	شغل دل و ہر زبان فخر الدین

ظفر اپنی شاعری کو حضرت شاہ فخر صاحب کی "عنایت" سمجھتا تھا۔ ایک جگہ
کہتا ہے:

کہتا ہے ظفر جو کچھ اب جوش محبت میں

اے فخر جہاں سب وہ تیری ہی عنایت ہے

سوسائٹی کی اصلاح کی کوششیں | شاہ فخر الدین صاحب نے جس وقت

جو ہاتھ آئے ظفر خاک پائے فخر الدین
تو میں رکھوں اُسے آنکھوں کی توتیا کے لئے

کوچہ فخر جہاں کی اسے ظفر
خاک کی چٹی بھی بس اکیس ہے

بیچ تو ظفروں ہے کہ جزو فخر دین
اور نہیں کوئی سہارا مجھے

جو کچھ کفش پائے فخر دین کو تاج سرا پنا
پسند اس کو ظفر کب افسر شاپانا آتا ہے

ظفر رکھتے نہیں مطلب جہاں کے نکتہ دانوں سے
ہمیں فخر جہاں کا ایک نکتہ سو برابر ہے

جس کو حضرت نے کہا الفخر فخری اے ظفر
فخر دین، فخر جہاں، پروہ فتیری ختم ہے

ظفر دشوار ہے ہر چند اہل مسرفت ہونا
مگر صدقہ سے فخر الدین کے ہو سکتا تو سب کچھ ہے

کیا غلط اس کو راہ دیں میں ظفر
رہنا جس کا فخر دین ہو جائے

کہ موضوع است حاصل می شود
مقصد حاصل ہو جائے۔ ورنہ غلام
الابراہمے سائر الناس فائدہ
نہاں کہ از زبان عربی واقف
نہیں۔ لے
واقفیت نہیں رکھتے۔

یہ سب باتیں اس لئے تھیں کہ عوام مذہب کی حقیقت و ماہیت کو سمجھ سکیں۔
شاہ فخر الدین صاحب کے زمانے میں تعویذ گندوں کا بہت زور تھا۔ دنیا
داروں فیوں نے اس کو اپنی روزی کا ذریعہ بنالیا تھا، اور اس طرح مسلمانوں کے
قوائے عمل کو شل کر رہے تھے۔ شاہ فخر الدین صاحب نے جب اس کے برے اثرات
دیکھے تو لوگوں کو اعمال و وظائف بتانے سے گریز کرنے لگے۔ لکھا ہے:

”آں حضرت را از خواستن اعمال نصرت کلی است“

جس کسی کو کچھ بتانا ہو تا تو خود مناسب موقع پر بتا دیتے، لیکن عام طور پر اعمال بتانے
سے پرہیز کرتے۔ اگر کسی کو عمل بتانا پڑتا تو حدیث شریف سے بتاتے۔ لکھا ہے:

”اکثرے اعمال حضرت مولانا از حافظ جیو سند دارند و صحت حدیث

شریف نیز“

یہ حافظ جیو کون تھے، اُن کے متعلق بھی سن لیجئے:

”حافظ جیو شاگرد شیخ محمد طاہر خلع الرشید شیخ ابراہیم کردی بودند

و جامع فن حدیث“

آپ کی تلقین تھی کہ ہر شخص کو تابعِ رضا ہے خداوندی ہونا چاہئے۔ سید نور الدین

۱۔ فخر الطالبین ص ۲۳

۲۔ حافظ جیو چند سال تک اورنگ آباد میں شاہ صاحب کے مکان پر مقیم رہے تھے۔

۳۔ فخر الطالبین ص ۶۶

۴۔ فخر الطالبین ص ۶۶

ارشاد و تلقین کا کام شروع کیا تھا، مسلمانان ہند تنزل اور انحطاط کی آخری حد
پر پہنچ چکے تھے۔ مذہب کی روح ختم ہو چکی تھی۔ تو ہم پرستی میں ہر شخص گرفتار
تھا۔ اعمال، تعویذ گندوں میں حد سے زیادہ اعتقاد تھا اور اس نے عمل کی
طاقت کو سلب کر لیا تھا۔ زندگی جمود و مرگ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ مذہب سے
ناواقفیت عام ہے، قرآن عربی میں تھا۔ اس لئے اس کا سمجھنا مشکل تھا۔
کتاب اللہ محض تبرک بن کر رہ گئی تھی مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ سورہیں کا فائدہ اور
مقصد صرف اتنا ہے کہ اس کے پڑھنے سے دم آسانی سے نکل جائے۔ بلکہ یہ مذہب
کی روح مُردہ ہو جانے کی آخری اور حسرت ناک حد تھی۔ ان ہی حالات پیش نظر
شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قرآن پاک کا فارسی ترجمہ کیا تاکہ ہر خاص و عام اس
سے استفادہ کر سکے اور کتاب اللہ بجا بات کے لئے بھیجی گئی ہے صرف تبرک بن کر
نہ رہ جائے۔ لے

شاہ فخر صاحب عوام کی اس ذہنیت کو دیکھ رہے تھے۔ انھیں اس کا
احساس تھا کہ مسلمان کس طرح تعلیمات اسلام سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔
چند رسوم کی پابندی کی وہ اسلام سمجھ بیٹھے ہیں۔ صحیح تعلیم اُن تک نہیں پہنچ
رہی۔ چنانچہ انھوں نے جمعہ کے خطبہ کو اردو میں پڑھنے کا مشورہ دیا:

پس اگر خطبہ بلفظ ہندی نہیں

مملکت نہ خواندہ شود بکراچیزے

اگر ہندوستان میں خطبہ ہندی نہ

میں پڑھا جائے تو اس کا اہل

۱۔ اقبالؒ نے لکھا ہے۔ لے

۲۔ ہندوستانی و ملاسیری

۳۔ حیات از حکمت قرآن نگیری

۴۔ بنیاد آتش تراکے جرنیت

۵۔ کہ از سن او آساں میری

۶۔ فتح الرحمن کے، بجا چس شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”نصیحت و نیک خواہی ملتان در ہر زمان و در ہر مکان رنگے و گروہ و اقصاد یکے نہاید“

نوحی نے آپ سے عمل پوچھا۔ فرمایا۔ میں پہلے ہی لوگوں کو مکمل کم بتاتا تھا۔ فلاں شخص کو مکمل بتانے کے بعد میں کسی کو نہیں بتاتا۔ اس نے عمل کا یہ جا استعمال کیا۔ پھر فرمایا:

عمل شننے را باید گفت اگر کسی بسیار تصدق دهد بلکه بے حرمت کند تاہم از عمل در مقابلت نیابد و برخلاف بگذارد۔ ۱۷

شاہ صاحب نے اس سلسلے میں بہت سی غلط فہمیوں کو دور کیا۔ اور عوام کے خیالات کی اصلاح کی بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شاہ صاحب کے مرید ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کا ہر کام ان کی مرضی کے مطابق ہو جائے گا۔ آپ نے تمبیہ کی:

”در کارخانہ خدا سے مداخلت نہ کنیم۔ حق سبحانہ تعالیٰ ہر چیز خواستہ باشریکند۔“ ۱۸

اس زمانے میں کچھ لوگ مختلف طریقوں اور سلسلوں پر بیک وقت چلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس طرح سے ہر سلسلہ کے روحانی نظام کی مرکزیت اور افادیت کم ہوتی جا رہی تھی۔ آپ نے ان حالات کو دیکھ کر پھر ایک بار ”یک درگیر و محکم گیر“ کی آواز بلند کی۔ اور فرمایا:

”کمال مرد نہیں است کہ در یک مذہب یا در یک طریق یا در یک روش در چیزے کہ بیاید و او را بدہ و شے دوم را در آں مخلوط کند۔“ ۱۹

نماز کی آپ کو خاص فکر رہتی تھی۔ ”الصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّينِ“ ایمان تھا۔ مریدوں سے نماز کے متعلق پوچھتے تھے اور بچوں کو نماز سکھانے کی تاکید فرماتے تھے۔ ۲۰

۱۷ فخر الطالبین ص ۶۶

۱۸ فخر الطالبین ص ۶۰-۵۹

۱۹ فخر الطالبین ص ۶

۲۰ فخر الطالبین ص ۱۳

ایک مرتبہ سلطان المشائخ کے عرس کے موقع پر صوفی یا محمد اور دو ایک اور مرید طوائفوں کا ناچ دیکھنے لگے۔ اتفاقاً آپ کا بھی اس طرف گزر ہو گیا۔ آپ کے غصہ کی حد نہ رہی۔ اور:

وانگشتان دست مبارک خود را اپنے دست مبارک کی انگلیاں ان کے گریبانوں میں ڈال کر ان کو کھینچا۔ اور فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے بڑا خون جگر خوردہ سماع قوالاں را بدرجہ اباحت رسانیدہ اندو شمار قص عورتاں کی بنید و سماع ایشاں می شنوید۔ ۱۷

نظامی سلسلہ اور تبلیغی مساعی | حضرت شاہ صاحب نے شخص کو جو مرید ہونا چاہتا تھا، اپنے سلسلے میں داخل کر لیتے تھے لیکن خلافت کے معاملے میں سختی برتتے تھے۔ ۱۸۹۹ء میں آپ نے بیعت کرنے کی عام اجازت دے دی۔ لیکن بشرط اتباع سنت و عمل پر کتاب، تبلیغ کے سلسلے میں آپ کا وہی مسلک تھا، جو حضرت شاہ کلیم اللہ اور دیگر بزرگانِ حقیقت کا تھا کہ ہندوؤں کو ذکر بتاؤ۔ اس انتظار میں نہ رہو کہ وہ پہنچے مسلمان ہو جائیں پھر ذکر بتایا جائے۔ فرمایا کرتے تھے:

ما را چنان معلوم است کہ از تعلیم نام خدا سے عزوجل کوتاہی نباید کرد و رہنمایاں نباید شد کہ اول مسلم شودن بعد چیزے شغل کنند۔ نام خدا را

۱۷ شجرہ الانوار (قلمی)

۱۸ فخر الطالبین ص ۳۰

۱۹ فخر الطالبین ص ۳۱

۲۰ محکمہ سپہ اولیاء ص ۱۲۱

شاہ صاحب، ہندوؤں سے بہت اچھی طرح ملتے تھے، ان کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سفر میں ایک ہندو سے ملاقات ہوئی وہ عامل تھا۔ اور جس چیز کو چاہتا تھا مذاکلاتی تھا۔ شاہ صاحب سے کہنے لگا:

”اگر کم فرمودہ بخانہ من تشریف فرمائید موکلان این عمل بشما آشنا سازم“

شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہر بات قرآن شریف میں موجود ہے مجھے اس کی ضرورت نہیں ہر چند کہ شاہ صاحب، بادشاہ کو ہدایت کرتے تھے کہ تمام ان عناصر کو سختی سے

دبا دیا جائے جنہوں نے امن عام کو خطرہ میں ڈال دیا تھا، لیکن وہ کسی فرقہ اندیشہ یا گروہ کے خلاف مذہبی حیثیت سے تنقید کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کی روش تمام مذاہب اور فرق سے خوش گوار تعلقات رکھنے کی تھی۔ ان کی وسیع قلبی کاسبت

بڑا ثبوت یہ تھا کہ وہ مخالفین سے اچھی طرح ملتے تھے، اُن کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے اور اپنے اخلاق سے اُن کو گرویدہ بنا لیتے تھے۔ ایک ایسے دور میں جب کہ شیعہ سنی تعلقات خوش گوار نہیں رہے تھے، وہ دونوں سے یکساں خندہ پیشانی سے ملتے اور اُن سے محبت اور خلوص کا برتاؤ کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب

شاہ عبدالعزیز صاحب کے تعلقات شیعوں سے خراب ہوئے اور ”متصدیان شاہی“ نے ان کو مکان سے نکال دیا، انہوں نے معاملات کو ٹھیک کیا ہندوؤں سے اُن کے تعلقات جس قدر شگفتہ تھے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مرہٹہ سردار تک اُن سے عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔ شاہ صاحب کے اخلاق کی یہ امتیازی کیفیت تھی جس نے اُن کو خاص و عوام میں یکساں مقبول بنا دیا تھا۔

مرہٹوں کی عقیدت | شاہ صاحب کے آخری دنوں میں مدرسہ کے اخراجات اور داد و دہش کی زیادتی کے باعث کچھ قرضہ ہو گیا تھا۔ ایک دن مولانا رحیم بخش

اثر ہا است خود بخود لطرف خدا خواہ کشید۔ ۱۰

اس زمانے میں بہت سے ہندو خاموش طریق سے مسلمان ہوئے تھے۔ بعض کا ذکر شاہ کلیم اللہ صاحب کے سلسلہ میں کیا گیا ہے۔ وہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان صاف طور سے مخالفت کے ذریعے نہیں کرتے تھے۔ اور یہ ڈر ایک حد تک صحیح بھی تھا۔ شجرۃ الانوار میں ایک ہندو عورت کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ کھلم کھلا مسلمان ہو گئی تھی، اور اس کے بعد دہلی میں بلوہ ہو گیا تھا۔ بدامنی یہاں تک بھلی تھی کہ حضرت شاہ فخر الدین صاحب نے دہلی چھوڑنے کا ارادہ کر لیا اور فرمایا:

”مارا ازین بلوہا و قضیہ ہا چہ کار“
میں اس طرح کے بلوہوں اور جھگڑوں سے کیا واسطہ۔

فخر الطاہرین میں ایک ہندو کے متعلق لکھا ہے کہ جب وہ حضرت شاہ صاحب کے پاس آتا تھا تو وہ دروازے بند کر دیا کرتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات میں بھی ایک ہندو احم چند کا ذکر ہے۔ وہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن اس کا ذکر نہ کرنا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت تمام اُن بزرگوں نے جو تبلیغ و اصلاح کے کام میں مصروف تھے اسی طرح اپنے کام کو انجام دیا۔

نور الدین فخری نے کئی ایسے ہندوؤں کا ذکر کیا ہے جو حضرت شاہ فخر صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے تھے، ایک جگہ لکھا ہے:

ہندوئے آمد کہ از مدتہ در طریقہ شامل
ایک ہندو یا جو مدت سلسلہ میں شامل
شدہ است و نماز ہم با خفای گذارد
اور نماز چھپ کر ادا کرتا ہے۔ گویا مریدین
و گویا ازیراں است۔ ۱۱
میں سے ہے۔

۱۰ شجرۃ الانوار (قلبی)

۱۱ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۱

۱۲ فخر الطاہرین ص ۳۵

۱۳ فخر الطاہرین ص ۳۵

۱۴ فخر الطاہرین ص ۳۳

سپردیہ کام کیا گیا۔ حاجی محمد امین نے جو شاہ ولی اللہ صاحب کے مرید تھے آپ کو غسل دیا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پاک کے قریب سپرد خاک کسا گیا۔ عقیدت مندوں کا ایک ہجوم آپ کے جنازہ کے ساتھ تھا۔ اکبر شاہ ثانی زار و قطار روتا ہوا قبرستان تک پہنچ گیا۔ ۲
مزار کے سرہانے یہ کتبہ لگا ہوا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ

بگذاشت خیزدیں چول مہاں سرافانی بر آستانہ جاوداں قطب جاودانی
سال وصال آن ماہ از غیب چون تم تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانی

۱۱ ۹۹

من کلام سید الشعراء بقول الہی ۱۲۱۸ھ

کتاب وحدت سے آپ کا گہرا تعلق ملحوظ رکھتے ہوئے عرس کے موقع پر کلام پاک اور صحیح بخاری کا ختم ہوتا تھا۔ ۳۷

شاہ نور محمد صاحب نے اُن کی وفات کے بعد فرمایا:

”ذات شریف حضرت مولانا چہ کمال بود۔ نحو یکہ درد دہلی آمدند بہا
طوباک صاف اندونیا رفتند، واز کسے یافتنی و ناباکسے دادنی داشتند
نزاع بیخ از پس نگذاشتند، چنانکہ در ایام نکاہل مزاج شریف
بغدوی مبلغ دو ہزار روپیہ از دکن بخدمت آمدہ بود۔ ہماں وقت

۱ شجرۃ الانوار (قلمی)

۲ مناقب فریدی ص ۳۷

۳ آثار الصنادید ص ۱۸۷

۴ مناقب حافظیہ ص ۱۸۶

۲۳۶
فزی صاحب شجرۃ الانوار مدرسہ کی مسجد میں مولوی عظمت اللہ سے مشنوعی لانا
روم کا درس لے رہے تھے کہ سید احمد نان بانی، بقال کے ساتھ آیا اور ادائیگی
قرض کا تقاضہ کیا۔ مولوی عظمت اللہ نے اطمینان دلایا کہ حضرت کا مزاج رو بہ اصلاح
ہو جائے تو اُن کو اطلاع دے کر ہم (مولوی عظمت اللہ اور مولانا رحیم بخش) قرض کا
تسک اپنے نام لکھوا لیں گے۔ اتنے میں میرکلو باہر آئے اور شیخ کی طرف سے مولوی
عظمت اللہ اور سید احمد کی طلبی کی اطلاع دی۔ دونوں کا حال پوچھنے کے بعد فرمایا
کہ میری مہر لگا کر ان کو تسک دیدو۔ انشاء اللہ کل صبح یا شام یہ قرضہ ادا ہو جائے گا۔
رحیم بخش کا بیان ہے:

ہما نوز سندھید مرید یک ہزار اسی دن سندھید مرید ہشتہ کیلہ ہو
ویک صدر روپیہ نذر آنجناب روپیہ آنجناب کی خدمت میں نذر
فرستاد۔ کے طور پر بھیجا۔

شاہ صاحب نے ... روپیہ قرضداروں کو دے کر تسک واپس منگالیا۔ باقی روپیہ
مریدوں اور غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ ۳۸

وفات | شاہ نور الدین صاحب نے ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۱۹۹ھ کو وصال فرمایا۔ ۳۹
اس وقت آپ کی عمر ۳۳ سال تھی۔ وصال سے ایک دن پہلے زبان پر شہوی کا
یہ شعر تھا:

وقت آن آمد کہ من عرباں شوم

چشم بگذارم سرا سر جاں شوم ۴۰

وصیت تھی کہ انتقال کے بعد جنازہ میڈھو خاں کے سپرد کر دیا جائے۔ میڈھو خاں
آپ کے عزیز مرید تھے اور پہاڑ گج میں داروغہ تھے۔ اور حضرت مولانا گرجی کے موسم
کی وجہ سے چاہتے تھے کہ شہر کا جنازہ کو راستہ میں تکلیف نہ ہو اس لئے میڈھو خاں کے

۱، ۲، ۳ شجرۃ الانوار قلمی

دوازدہ صد روپیہ بقرض داراں کہ درلنگ فقر اخرج شدہ بود
دادند و ہشت صد باقی بہ مستحقان تقسیم کردہ دادند و مالکی سوائے
کتابہا ہیچ نبود ۱

اولاد | شاہ فخر الدین صاحبؒ کے ایک فرزند تھے۔ اُن کا نام غلام قطب الدین
تھا۔ وہ دکن میں پیدا ہوئے تھے۔ شاہ صاحبؒ جب دہلی تشریف لائے تو
اُن کو اپنی بہن کے سپرد کر دیا۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ایک مرتبہ اپنی مجلس
میں فرمایا:

”مولوی فخر الدین صاحبؒ را
دیدم کہ سوائے یک پسر کہ اورا
ہم بہ ہمیشہ خود کہ در دکن بود،
دادہ آمدہ و متکفل پرورش آں
بزرگ بوداں جا بکمال بے
تعلقی می گزرا نیدند، لیکن در
فکر اجار چنال مصروف بودند کہ
مردم در فکر اہل و عیال خویش
میں نے مولوی فخر الدین صاحبؒ
کو دیکھا تھا کہ سوائے ایک فرزند
کے جس کو وہ اپنی بہن کے پاس ہو
دکن میں تھیں پھوڑا آئے تھے اور اُن
کی پرورش کی وہ متکفل تھیں یہاں
کمال بے تعلقی سے گزراوقات کرتے
تھے، لیکن اپنے احباب کے لئے فقی
فکر کرتے تھے جتنی کوئی شخص اپنے اہل
عیال کے لئے کر سکتا ہے۔

شاہ فخر الدین صاحبؒ کے بعد غلام قطب الدین صاحبؒ ہی سجادہ نشین ہوئے۔
وہ اپنے زہد اور تقدس کی وجہ سے بہت مقبول تھے۔ محمد اکبر شاہ اور بہادر شاہ ظفرؒ

اُن کے مرید تھے۔ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے:

”حضرت ظل سبحانی محمد اکبر شاہ بادشاہ..... با اعتقاد تمام
مرید اکاں فرزند رشید حضرت فخر صاحبؒ گشتند و بعضے مندر زناں و
مستقلان خود را نیز مرید کنانیدند“

بہادر شاہ ظفرؒ نے لکھا ہے۔

مرید قطب دیں ہوں، خاکپائے فخر دیں ہوں
اگرچہ شاہ ہوں، اُن کا غلام کم تر دیں ہوں میں
اُن ہی کے فیض سے ہے نام روشن میرا عالم میں
وگر نہ یوں تو بالکل روسیہ نشل نگیں ہوں میں
نہ کعبہ سے غرض مجھ کو نہ میخانے سے کچھ مطلب
ہمیشہ گھستا اُن کے آستانے پر جیں ہوں میں
مجھے تو خانقاہ دے کدہ دونوں برابر ہیں
لیکن یہ تمنا ہے کہ اُن کا ہوں کہیں ہوں میں
یہی عقدہ کشا میرے، یہی ہیں رہنما میرے
سمجھتا اُن کو اپنا حامی دنیا دیں ہوں میں
بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں
لیکن اے ظفرؒ اُن کا گراے ریش ہوں میں

غلام قطب الدین صاحبؒ نے ۱۸۱۱ء / محرم ۱۲۳۰ھ کو وصال فرمایا۔ حضرت قطب
(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

روزنامہ ص ۱ ص ۲ ص ۱۶۲ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ غالب نے سراج المشرق
کے دیباچہ میں اس کی مذہبی حیثیت کا ذکر کیا ہے (اردوئے معلیٰ جلد دوم ص ۴۰)
نیز ملا خطہ ہونا را الصنادید ص ۸۵

”واقعات، دارالحکومت دہلی“ میں آپ کا سہ وصال (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱ مناقب المجوبین ص ۹۱

۲ ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ ص ۱۱۸

۳ بہادر شاہ خود بھی پیری مریدی کرتا تھا۔ خاص مریدوں کو دو روپیہ مہینہ بھی دیتا تھا۔

تاریخ ہند مولوی ذکار اللہ ج ۹ ص ۳۳۶ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تمہاری قوت باطن سے تقویت مجھے کہ میرے باعث تاب تو ان تھیں تو ہو
 بفرار کے ہوں کیوں جان دل بے چین کہ راحت دل و آرام جاں تھیں تو ہو
 ظفر کی چاہئے تھیں نصرت نصر الدین کہ اس کے یار و مددگار تھیں تو ہو
 کالے صاحب خود بھی بادشاہ کے پاس اکثر جایا کرتے تھے۔ بمبئی کے آسن الاخبار اور دلی
 کے سراج الاخبار کے اقتباسات سے جو خاجہ حسن نظامی صاحب نے بہادر شاہ کے روزنامے کے
 نام سے شائع کئے ہیں۔ بادشاہ کے ان سے گہرے تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔
 بادشاہ کی طرف سے اُن کا وظیفہ بھی مقرر تھا۔
 تقریبات کے موقع پر بادشاہ اُن کے سارے اخراجات برداشت کرتا تھا۔ لے
 حکیم میر قطب الدین باطن کالے صاحب کے مرید تھے۔ انھوں نے گلشنِ خلد
 کے جواب میں ”نغمہ عندلیب“ تذکرہ لکھا تھا۔

کالے صاحب کی حویلی گلی قاسم جان میں تھی جواب احاطہ کالے صاحب
 کے نام سے مشہور ہے۔ کالے صاحب نے ۱۵ صفر ۱۲۳۹ھ کو وصال فرمایا۔ مہرولی
 میں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔ ۳۰
 کالے صاحب کے پانچ بیٹے تھے:

- | | |
|-------------------|--------------|
| ۱ غلام نظام الدین | ۴ امین الدین |
| ۲ غلام معین الدین | ۵ کمال الدین |
| ۳ وجیبہ الدین | |

۱۔ کالے صاحب کے بہادر شاہ سے تعلقات کے لئے ملاحظہ ہو صنف کا مضمون ۱۸۵۶ء

سے پہلی دلی، مطبوعہ ”برہان“، جولائی ۱۹۵۷ء ص ۵ تا ۸

نیز ملاحظہ ہو: ”بہادر شاہ کا روزنامہ“ ص ۹۲، ۱۸۶، ۱۸۹ وغیرہ

۲۔ مطبوعہ نول کٹر ۱۹۵۷ء

۳۔ مناقب فریدی ص ۲۰

صاحب کے جو ارمیں آسودہ ہوئے۔
 غلام قطب الدین صاحب کے بھی ایک ہی فرزند تھے۔ اُن کا نام میاں
 نصیر الدین عرف کالے صاحب تھا۔ دلی میں خواص و عوام سب اُن کا ادب
 اور احترام کرتے تھے۔ سرسید کا بیان ہے:

”اس زمانے میں ایسا نامی گرامی شیخ نہیں ہے، حضور والا اور
 تمام سلاطین و جمیع اُمراء عظام آپ کے نہایت معتقد ہیں“ لے
 دہلی کا شخص امیر مویا غریب: چھٹا ہویا بڑا، اُن سے ملتا تھا۔ غالب کو اُن سے
 خاص عقیدت تھی۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

”میں کالے صاحب کے مکان سے اُٹھ آیا ہوں۔ علی ما۔ ول کے
 محلے میں ایک بوٹی کرائے کو لے کر اُس میں رہتا ہوں۔ وہاں کامیلا
 رہنا تخفیف کرایہ کے واسطے نہ تھا۔ صرف کالے صاحب کی محبت
 سے رہتا تھا۔“ لے

بہادر شاہ ظفر کو بھی اُن سے بڑی عقیدت تھی لکھنا ہے:

نظام خانہ مختصر جہاں تھیں تو ہو	قیام سلسلہ و خاندان تھیں تو ہو
ذکیہ ناکر تم سے ہوں ظاہر صفا قطب الدین	خدا رکھے تھیں اُن کا نشان تھیں تو ہو
تمہارے در پر تھیں کاسر ارادت خلق	کہے ہے کعبہ امن و امان تھیں تو ہو
نثار تم پہ ہیں پڑانہ ماں ہزاروں دل	کہ شمعِ محفلِ صدا دلاں تھیں تو ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۱۲۳۹ھ درج ہے۔ (ج ۲، ص ۳۹) ”مزارات اولیائے دہلی“ میں ۱۲۳۹ھ

لکھا ہے۔ مناقب فریدی میں ۱۸ محرم ۱۲۳۹ھ تاریخ وفات بتائی گئی ہے میں نے

مناقب فریدی (ص ۳۵) کے بیان کو ترجیح دی ہے۔

۱۔ آثار الصنادید ص ۲۸۱

۲۔ اردوئے معلیٰ حصہ دوم ص ۱۰

پہلے دو صاحبزادے ایک سیدزادی سے تھے۔ بقیہ ایک شہزادی سے۔ لے
کالے صاحب کے بعد ان کے فرزند اکبر غلام نظام الدین سجادہ پڑھے ان
کے مريدوں کی تعداد بھی کافی تھی۔ غلام نظام الدین صاحب کی املاک منقسم ہو گئیں۔
نظام الدین صاحب حیدر آباد چلے گئے۔ پھر جب حالات درست ہوئے تو دہلی
واپس آ گئے۔ ۱۲۹۹ھ میں وصال فرمایا اور باپ کے پہلو میں دفن ہوئے۔
غلام نظام الدین نے چونکہ لا ولد وصال فرمایا تھا، اس لئے ان کے بعد
ان کے بھائی غلام معین الدین سجادہ نشین ہوئے۔ کمال الدین صاحب اور نیا
چلے گئے تھے۔ جہاں ان کے لڑکے میاں سیف الدین وغیرہ پیدا ہوئے۔ اب میاں
سیف الدین کی اولاد میں کوئی صاحب اورنگ آباد کے سجادہ نشین ہیں۔
دہلی میں سجادگی کالے صاحب کے نواسوں میں رہی میاں کالے صاحب
کی لڑکی میاں عبدالسلام صاحب سے منسوب تھیں۔ ان سے ایک لڑکے میاں
عبدالصمد صاحب تھے۔ وہ ہندو اور مسلمان دونوں میں مقبول تھے۔ ان دونوں بزرگوں
کے مزارات نئی دہلی میں لیڈی ہارڈنگ ہسپتال کے قریب ہیں۔ جہاں بہت اچھی
سجدا درگاہ بنی ہوئی ہے۔ اپریل ۱۹۴۷ء کے منادی میں خواجہ حسن نظامی صاحب
نے لکھا ہے: ”آج کل میاں عبدالصمد صاحب کے فرزند حاجی میاں صاحب سجادہ
نشین ہیں۔ وہ پوری طرح اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور دہلی کے
بزرگوں ہندو مسلمان ان کے مرید و متقد ہیں“

حاجی میاں صاحب نے ۱۱۳۸ھ (۱۷۲۵ء) کو برصغیر میں رحلت
فرمائی۔ ان کے سب سے چھوٹے بیٹے احمد میاں صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ ان کا
وصال ۱۲۹۹ھ (۱۸۸۲ء) میں آگست ۱۹ء کو ہوا۔ اب ان کے پوتے محمد باقر
صاحب عرف محمد میاں سجادہ نشین ہیں۔

خلفاء شاہ فخر صاحب کے وصال کے فوراً بعد مولانا سید احمد صاحب مسند ارشاد پر
بیٹھے۔ اس دوران میں حضرت شاہ فخر صاحب کے صاحبزادے مولانا قطب الدین
صاحب اورنگ آباد سے تشریف لے آئے اور اپنے والد کے سجادہ پر متمکن ہوئے۔
شاہ فخر صاحب کے بعد ان کے مدرسے کا کام سید احمد صاحب غلام فرید
چشتی اور حاجی لعل صاحب نے سنبھالا۔ اور ان کے علمی فیض کو حتی المقدور جاری رکھا
گو شاہ صاحب کے زمانہ کی رونق اور شان واپس نہ آ سکی۔

حضرت شاہ فخر الدین صاحب کو بجا طور پر نظامیہ سلسلہ کا ”مجدد“ کہا جاتا ہے۔
انھوں نے نظامیہ سلسلہ کو نئی زندگی بخشی اور اپنے خلفاء کو ملک کے دور دراز حصوں
میں بھیج کر نظامیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم کرائیں، حسین فخری نے لکھا ہے:
”خلفائے مرشدی و مخدومی در پیر و مرشد شاہ فخر صاحب کے
حقیقت اقلیم دائر و سائر محیط اند“ خلفاء سات اقلیم میں پھیلے ہوئے ہیں۔

ان کے خلفاء میں خصوصیت کے ساتھ شاہ نور محمد صاحب نے پنجاب میں، شاہ نیاز
احمد صاحب نے یوپی میں، حاجی لعل محمد صاحب نے دہلی کے اطراف و جوانب میں
مولانا جمال الدین نے رام پور میں، میر ضیاء الدین نے جے پور میں، میر مس الدین نے
اجیر میں سلسلہ کی تبلیغ و ترویج میں بڑی پُر خلوص جدوجہد کی۔

- ۱۔ مناقب المجوبین ص ۴۸
- ۲۔ مناقب المجوبین ص ۴۹
- ۳۔ شجرۃ الارواح قلمی

- ۱۔ مناقب المجوبین ص ۵۱-۵۰
- ۲۔ غالب کا خط بنام انوار الدولہ عبدالرین خاں ششدر - اردو سے نقلی - حصہ اول ص ۱۳۱
- ۳۔ مناقب فریدی ص ۳۹
- ۴۔ منادی ۲۱۱، اگست ۱۹۳۶ء
- ۵۔ مکتوب خواجہ حسن نظامی بنام مصنف مطبوعہ منادی ۱۹۶۸، اپریل ۱۹۶۸ء

شاہ فخر الدین صاحب کے ملفوظات، سولہ اور دیگر معاصر کتب میں جن خلفاء کے نام ملتے ہیں وہ یہ ہیں:

- ۱۔ سید بدیع الدین
- ۲۔ مولوی نور اللہ
- ۳۔ مولوی مکرم
- ۴۔ مولوی فرید الدین
- ۵۔ مولوی روشن علی
- ۶۔ مولوی حسن علی
- ۷۔ محمد غوث بسیرہ شاہ کلیم اللہ
- ۸۔ محمد غوث کرت پوری
- ۹۔ حاجی خدا بخش
- ۱۰۔ محمد قطب الدین شرقی
- ۱۱۔ میاں عبداللہ
- ۱۲۔ سید احمد
- ۱۳۔ مولوی عبدالوہاب بیکانیری
- ۱۴۔ مولوی محمد صالح
- ۱۵۔ مولوی علاء الدین
- ۱۶۔ شیخ محمد زماں
- ۱۷۔ شاہ مراد
- ۱۸۔ حافظ سعد اللہ
- ۱۹۔ ملا گل محمد
- ۲۰۔ سید فخر الدین مروت
- ۲۱۔ محمد فتح اللہ

- ۲۲۔ صوفی یار محمد
- ۲۳۔ حاجی محمد واصل
- ۲۴۔ سید محمد میر
- ۲۵۔ عظیم الدین
- ۲۶۔ میاں محمد امان
- ۲۷۔ خلیفہ محمد پناہ
- ۲۸۔ مولوی عظمت اللہ
- ۲۹۔ رفیع الدین خاں
- ۳۰۔ شاہ محمد اعظم
- ۳۱۔ غلام فرید حسینی
- ۳۲۔ میر محمد عظیم بن عبدالرحمن
- ۳۳۔ ظہور اللہ
- ۳۴۔ میاں عصمت اللہ
- ۳۵۔ حاجی احمد
- ۳۶۔ شاہ فخر الدین
- ۳۷۔ شاہ روح اللہ
- ۳۸۔ سید شریف
- ۳۹۔ مولانا حسن علی

دہلی کے بعض مشہور شاعر اور ادیب شاہ فخر صاحب کے حلقہ مریدین میں شامل تھے۔ خواجہ آسن اللہ بیان دہلوی، مرزا مظہر جان جاناں کے شاگرد تھے۔ لیکن شاہ فخر صاحب سے بیعت تھے۔ وہ دہلی کے بلند پایہ شاعروں میں گنے جاتے تھے۔ شیعہ اُن کے متعلق لکھتے ہیں:

”حدیث شیریں دل آویز سخنش نکلیں و شورائیں از شیوا بیانی اورست“
 (احادیث شیریں دل آویز سخنش نکلیں و شورائیں از شیوا بیانی اورست)

عنایت اللہ حجام، سودا کے شاگرد تھے اور حضرت شاہ فخر صاحبؒ سے بیعت تھے شیفۃ لکھتے ہیں:

مولانا فخر الدین راعلیہ الرحمتہ دست ارادت بدامن زدہ فکر تشن بدل می سازد ۱

میر قمر الدین منت کو گورنر جنرل کی طرف سے ملک الشعراء کا خطاب ملا تھا۔ وہ شاہ فخر صاحبؒ سے بیعت پر فخر کرتے تھے۔ ۲

میر غلام حسین یاد، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے رشتہ دار اور شاہ فخر صاحبؒ کے مرید تھے۔ ۳

مولوی سید بدیع الدین | جید عالم اور بزرگ تھے۔ مناقب فریدی کے مصنف نے ان کو شاہ فخر صاحبؒ کا بے مثل خلیفہ بتایا ہے۔ اُن سے بڑا فیض جاری ہوا۔ درس تدریس، ارشاد و تلقین میں ہر وقت سرگرم رہتے تھے۔ اُن کے بعد میر عبوض علی دہلوی خلیفہ ہوئے۔ اُن کے بعد کار خلافت مولانا ظہیر الدین کیرانوی نے انجام دیا۔ مؤرخ الذکر نے ۱۲۰۳ھ میں وصال فرمایا۔ قصبہ بنت میں آسودہ ہیں۔ ۴

میر محمدی صاحب | شاہ فخر صاحبؒ کے خلفاء میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ انھوں نے دہلی میں شاہ صاحبؒ کے کام کو جاری رکھا۔ شجرۃ الافوار کے مصنف کا بیان ہے:

”دراشاد در رہنمائی عباد دریں
شہر بخوبیہا معروف اند و با وضاعت
حما ند و صوف بسیارے از اہل
شہر و شاہزاد ہا مرید میر صاحب
اند“

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ نمبر ۱) و صفحہ ہذا ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳

میر محمدی کے بعض مریدین کے نام یہ ہیں :

- ① — مرزا نجستہ بخت بن شاہ عالم
- ② — شہزادہ سلیم بن اکبر شاہ
- ③ — میران شاہ محمد بن بہادر شاہ ظفر
- ④ — میر جلال الدین
- ⑤ — مولوی گل محمد
- ⑥ — مولوی نواز علی
- ⑦ — شیخ ابراہیم ذوق
- ⑧ — مرزا روش بخت

مولانا ضیاء الدین نے جے پور میں نظامیہ سلسلہ کی اشاعت اور مذہب اسلام کی تبلیغ و ترویج میں بہت کوششیں کی تھیں۔ ابتدائی زمانے میں وہ ملازمت پیشہ تھے اور اخلاصے حال کی کوشش کرتے تھے۔ پیر کا حکم ہوا کہ جے پور جا کر ارشاد و تلقین کا کام کرو۔ چنانچہ جے پور اگر اسلامی شعائر کی ترویج میں کوشاں ہو گئے۔ حسین بخش فخری کا بیان ہے کہ ان ہی کی کوششوں سے جے پور میں ”طریقہ اسلام و صلوٰۃ واذان جاری ہوا۔“ لکھا ہے :

در شہر جے پور کہ قریب مقام راجہ است و در آں شہر غلبہ کفر و کافراں بسیار تاحال ہیا است، و در آنجا بت خانہ بت پرست بدرجہ کمال اند، استقامت نمودند۔ و مردمان خاص و عام بہ آں سید السادات میر ضیاء الدین تو لا نمودند و بسبب کشف و کرامات و خرق عادات و قوت باطنی راجہ و بیگی سرداران راجہ و تمامی اہل شہر چہ از ہندو اں کافراں و چٹکاناں مطیع و فرمان بردار آں سید پاک شدند۔“

آج تک اُن کا قائم کیا ہوا مدرسہ ”مدرسہ ضیاء العلوم“ کے نام سے جاری ہے۔ اس مدرسہ کے مختصر سے کتب خانے میں حدیث کی کتابوں کا اچھا ذخیرہ ہے۔

مولوی جمال الدین شاہ فخر صاحب کے عزیز ترین خلفاء میں تھے اور پیر کے حکم کے مطابق رامپور میں قیام فرمایا تھا۔ شجرۃ الافوار میں لکھا ہے :

”مریدان بسیاری دارند، صاحب کشف و کرامت اند۔ مردمان آل نوحی فیض یاب آں جناب اند۔“

مولوی جمال الدین کا وطن لاہور تھا۔ وہاں سے علوم عقلی و نقلی کی تکمیل کے لئے دہلی آ گئے تھے اور یہاں شاہ عبدالعزیز کے ساتھ شاہ ولی اللہ صاحب سے حدیث کا درس لیتے تھے۔ بعد کو وہ شاہ فخر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس قدر متاثر ہوئے کہ اُن کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔

مولوی صاحب نہایت منکسر المزاج اور عظیم الطبع بزرگ تھے۔ ہندو مسلمان سب ہی اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ منشی جانی داس دیوان صدر رام پور کو ایک مرتبہ نصیحت فرمائی کہ جس کو محبوبہ جتنی جانتے ہو، اس کی یاد سے غافل نہ رہنا۔“

نواب سید احمد علی خاں والی رامپور کو اُن سے بڑی عقیدت تھی۔ اور اکثر اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ۱۰۳ سال کی عمر پائی تھی۔ اُس لئے شاہ فخر صاحب کے خاندان کے اکثر بزرگوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ کالے صاحب رامپور تشریف لائے تو آپ شہر کے دروازے سے ان کی پالکی کو کاندھے پر لائے۔“

مولوی صاحب علوم ظاہری کا درس بھی دیتے تھے۔ اُن کے خلفاء میں شاہ غلام رسول خاں صاحب بڑے مرتاض بزرگ تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد اس سلسلہ کا خاتمہ ہو گیا۔ انوار العارین میں مولوی جمال الدین صاحب کا سنہ وفات ۱۲۳۹ھ بمطابق ۱۸۲۴ء

درج ہے۔ تذکرہ کاملان رامپور میں ۱۲۳۵ھ دیا ہوا ہے۔

مولانا حاجی لعل محمد صاحب | حضرت شاہ فخر صاحب کے ارشد خلفاء میں تھے۔ انھوں نے پیر کے وصال کے بعد دہلی میں اُن کی روایات کو قائم رکھا۔ لکھا ہے:

”میدان و خلفائے بسیار دارند، ذات گرامی صفات حضرت حاجی محمد لعل

صاحب در مدرسہ و در شہر از مفتقات است“ ۱

شاہ فخر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے خلفاء کو عاجز کر کے خلافت دی ہے مگر حاجی صاحب کی عاجزی نے مجھے عاجز کر کے خلافت لی ہے۔ وہ نہایت کریم النفس اور منکر المزاج بزرگ تھے۔ بڑی بڑی ریاضتیں کی تھیں۔ ۱۲ سال تک خواجہ اجیری کے آستانہ پر حاضر رہے۔ تین مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ اُن کی روحانی طاقت بھی زبردست تھی۔

ایک مرتبہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ایک مرید جامع مسجد میں مراقبہ کر رہے تھے۔ جب آنکھ بند کرتے آنکھ کھل جاتی۔ آخر کار پوچھنے لگے کیا اس وقت مسجد میں شاہ فخر صاحب کے مریدوں میں سے کوئی شخص موجود ہے؟ معلوم ہوا کہ حاجی لعل محمد مسجد کے گوشے میں وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ ۲

حاجی صاحب نے ۱۲ رمضان المبارک ۱۲۳۹ھ کو وصال فرمایا سلطان المشائخ کے مزار مبارک کے قریب مزار ہے۔ آپ کے بعد مزار بخش اللہ بیگ صاحب نے ارشاد و تلقین کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن انھوں نے صرف تین شخصوں کو مرید کیا۔ ۱۲۴۰ھ میں وصال فرمایا اور حضرت حاجی صاحب کے مزار کے قریب دفن کئے گئے۔ ان کے بعد خواجہ

حب اللہ صاحب سجادہ پر بیٹھے۔ اُن کے مریدین کی تعداد کثیر تھی۔ سب سے زیادہ مشہور مرید خلیفہ حضرت خواجہ میاں محمد صاحب تھے جو ۱۲۵۳ھ میں خواجہ صاحب کے بعد سجادہ پر بیٹھے۔ وہ بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ ہوشیار پور میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت میں بڑا نمایاں حصہ لیا۔ اُن کی سوانح عمری ”یاد پیر“ کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ ۱۳۳۲ھ میں وصال فرمایا۔ آج کل خواجہ علی محمد شاہ صاحب سجادہ نشین ہیں۔ وہ بہت سی خوبیوں کے بزرگ ہیں اور سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔

شاہ صادق علی | بہار میں شاہ فخر صاحب کے ایک خلیفہ شاہ صادق علی تھے۔ انھوں نے سلسلہ کی اشاعت میں کافی سرگرمی کا ثبوت دیا اور پیر بیگ، سہسرام، آرہ وغیرہ مقامات پر خاتما ہیں قائم کیں۔ اُن کے خلیفہ شاہ قیام اصدق تھے جنھوں نے بہار میں چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت میں حصہ لیا۔

۱ انوار العارفين ص ۵۱۲

۲ تذکرہ کاملان رامپور ص ۹۲

۳ شجرۃ الانوار

۴ سلسلہ الذہب ص ۵۹

۵ مناقب حافظیہ ص ۵۹

باب چہارم

حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ

شاہ نور محمد مہارویؒ، شاہ فخر صاحبؒ کے محبوب ترین خلفاء میں سے تھے۔ مولانا غلام سرور کا بیان ہے :

حضرت مولانا راؒ انچہ عنایت ہے
حضرت مولانا کی جو عنایت ہے غایت
غایت و الطاف ہے قیاس بچن و
اور الطاف ہے قیاس ان پر تھا، اپنے
مضروب بود بحال احقرے از خلقت
خلفاء میں سے کسی پر نہ تھا۔

خود بود۔

پنجاب میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی تبلیغ و ترویج اُن ہی کی پر خلوص جدوجہد کا نتیجہ تھی۔
حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے بعد پنجاب میں چشتیہ سلسلہ کے کسی بزرگ نے ترویج سلسلہ
میں اس قدر کوشش نہیں کی جتنی اٹھارویں صدی میں شاہ نور محمد مہارویؒ نے کی تھی۔
مناقب المحبوبین کے فاضل مصنف نے صحیح لکھا ہے :

”پس اولیٰ سیکہ بعد از حضرت گنج شکرؒ و اولاد و خلفاء ایشان سیکہ بریں

کے نام بالکل ہندوئی شروع ہو جاتے ہیں۔ بعد کے ناموں میں بھی کچھ ہندوئی رنگ ہے۔ چنانچہ خود شاہ صاحب کا خاندانی نام بہیل تھا۔ جس کو حضرت شاہ فخر صاحب نے بدل کر نور محمد کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ شاہ فخر صاحب نے اُن کے اجداد کے متعلق پوچھا تو عرض کیا:

”زراعت می کردند و مویشی می چرانیدند و می دوشیدند و مال مردمان

می دودیند۔“

شاہ نور محمد صاحب کی والدہ ماجدہ کا نام عاقل بی بی تھا۔ وہ کمال (توم چھٹ) کی لڑکی تھیں۔ کمال قصبہ پھولتہ میں رہتے تھے۔ عاقل بی بی کی شادی سے قبل ایک بزرگ فتح دریا نیکوکار نے ان کو ایک زبردست ولی کی ماں ہونے کی بشارت دی تھی اور فرمایا تھا:

”از فیض او ہمہ عالم سیراب خواہد شد“

ابتدائی تعلیم اور بچپن کے حالات شاہ نور محمد کے والد چوٹالہ سے ہمارا گئے تھے اور وہیں نقل قیام فرمایا تھا۔ جب شاہ نور محمد کی عمر ۵ سال کی ہوئی تو والد ماجد نے قرآن پاک پڑھنے کے لئے حافظ محمد سعید کے پاس بٹھایا جو

”میکے از صلیحی وقت و متقیان زمانہ اپنے زمانہ کے متقی اور پرہیزگار لوگوں

بود۔“

۱۔ تکریم الاولیاء ص ۱۲۱

۲۔ مناقب المحبوبین ص ۸۴

۳۔ کہ از ہمار شریف سمت جنوب قریب سی و پنج گروہ یا چہل خواہد شد

مناقب المحبوبین ص ۵۳

۴۔ حضرت مخدوم بہانیاں جلال الدین بخاری کے سلسلہ کے مشہور بزرگ تھے۔

۵۔ مناقب المحبوبین ص ۵۵ ۶۔ مناقب المحبوبین ص ۵۶

ملک مذکور زرد، حضرت خواجہ نور محمد ہارویؒ بود کہ چندال فیض ازین خنا در ملک پنجاب و سندھ وغیرہ انتشار یافت کہ در ہر قریہ و شہر و بلد و دیہات غلامان اُن حضرت و غلامان غلام اُن حضرت صاحب ذوق و وجد و سماع و صاحب خانقاہ موجود اند و جوق در جوق گروہ علماء آمدہ رقبہ اطاعت و غلامی آنجناب با اعتقاد تمام در گردن خود انداختہ داخل سلسلہ

چشتیہ نظامیہ شدند۔“

تونسہ شریف، احمد پور، چاچران، مکہ، جلال پور، سیال، گولڑہ وغیرہ مقامات کی خانقاہوں کے چراغ اُن ہی کے ذریعہ روشن ہوئے۔ حاجی نجم الدین نے لکھا ہے کہ شاہ نور محمد کے خانقاہ قائم کرنے سے قبل پنجاب اور سندھ میں خاص طور سے ہمارا بھاول پور اور ملتان کے گرد و نواح میں قادریہ اور سہروردیہ سلسلہ کا زور تھا۔ شاہ نور محمد صاحب کی خانقاہ قائم ہونے کے بعد:

”رونی دیگر سلسلہا در پیش ایں دوسرے سلسلوں کی رونق اس سلسلہ

سلسلہ نظامیہ چنان گم شد کہ نظامیہ کے سامنے اس طرح گم ہو گئی

در پیش آفتاب نور ستارگان و جیسے آفتاب کے سامنے ستاروں او

چراغال گم می شود۔“

پیدائش اور خاندان شاہ نور محمد صاحب ۱۳ رمضان المبارک ۱۲۱۲ھ (۲۲ اپریل ۱۷۹۷ء) کو چوٹالہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اُن کے والد کا نام ہندال تھا۔ قوم سے کہل تھے، مناقب المحبوبین میں اُن کا نسب نامہ درج ہے۔ چھٹی پشت کے بعد اُن کے بزرگوں

۱۔ مناقب المحبوبین ص ۱۰۶-۱۰۵

۲۔ مناقب المحبوبین ص ۱۰۶

۳۔ از ہمار شریف سرگودہ است سمت مشرق متعلقہ بلدہ بھاول پور۔ مناقب المحبوبین ص ۵۴

۴۔ قوم پنوار کی ایک شاخ ہے۔ ۵۔ ص ۵۳

آئے۔ یہاں شرح ملائک علم حاصل کیا۔

لاہور میں تحصیل علم | ڈیڑھ غازی خاں کچھ عرصہ قیام کے بعد شاہ صاحب محکم دین سیلانی کے ساتھ لاہور آ گئے۔ محکم دین شاہ صاحب کے دوست، اور ہم بستری تھے ان کے مزاج میں ذرا تیزی زیادہ تھی اور اسی وجہ سے وہ مدت العمر مجرد رہے۔ شاہ صاحب ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے:

”مرد خوب صاحب شوق و بے بزرگ بودہ اند“

جب شاہ صاحب لاہور آئے تو ان کے والدین کو اس کی خبر نہ تھی۔ چنانچہ بہت عرصہ تک ان کو سخت پریشانی رہی۔ انھوں نے لاہور میں سخت تکلیفیں اٹھائیں بعض اوقات گدائی کر کے پیٹ پالنا پڑا۔ لیکن ذوق و شوق میں کمی نہ آئی بلکہ اور زیادہ انہماک کے ساتھ کسب علوم میں مشغول ہوئے۔

دہلی میں آمد لاہور سے شاہ نور محمد نے تکمیل تعلیم کے لئے دہلی کا رخ کیا۔ اس زمانے میں نواب غازی الدین خاں کے مدرسے کی بہت شہرت تھی۔ چنانچہ اسی مدرسے میں داخل ہو گئے اور حافظ برخوردارجی سے کافیہ پڑھنا شروع کیا۔ شاہ فخر صاحب ابھی اورنگ آباد سے دہلی نہیں آئے تھے۔ میان برخوردارجی اس مدرسے میں درس دیتے تھے۔ ان کے متعلق شاہ نور محمد صاحب فرمایا کرتے تھے:

”میان برخوردارجی، مرد خوب میان برخوردارجی، اچھے آدمی تھے
وصاحب نسبت بودند“

وہ چشتیہ سلسلہ میں بیعت تھے۔ شاہ نور محمد پر خاص التفات تھا۔ دن میں ایک مرتبہ

۱۰ مناقب المہدیین ص ۵۷

۱۱ مناقب المہدیین ص ۸۶

۱۲ مناقب المہدیین ص ۵۷

۱۳ مناقب المہدیین ص ۸۵

ان ہی کی خدمت میں شاہ صاحب نے قرآن پاک حفظ کیا۔ ایک دن شیخ احمد دودی والدہ جو قریب بزرگ تھے، مولوی مسعود کے مدرسہ میں آئے۔ شاہ نور محمد کو دیکھا تو فرماتے لگے: ”سبحان اللہ ایک زمانہ آئے گا کہ اس بچے کے در پر بادشاہ سر رکھیں گے“ حافظ مسعود کو تعجب ہوا اور مسخر آمیز لہجہ میں کہا:

سبحان اللہ، دریں زماں چتیں
اولیاء کامل ماندہ اند کہ پیر ہند
جوٹ را کہ بر سر خود گنج دار دی گویند
کہ بادشاہ بردرایں سجدہ خواہند کرد
سبحان اللہ، اس زمانے میں ایسے
اولیاء کامل رہ گئے ہیں کہ ہندال جا
کے بیٹے سے متعلق جس کے سر پر گئے
یہ کہتے ہیں کہ بادشاہ اس کے در پر
سر جھکائیں گے۔

کے معلوم تھا کہ ایک دن بھاول پور کا نواب بھاول خاں ان کی آستانہ بوسی کو اپنے لئے سعادت دارین سمجھے گا!

حافظ مسعود کی تعلیم سے جب فارغ ہوئے تو والد اور بھائیوں کی رائے ہوئی کہ ان کو کسی کاروبار میں ڈالا جائے۔ لیکن ان کی قسمت میں علم و عرفان، سلوک و باطن کے اعلیٰ منازل مقدر ہو چکے تھے۔ انھوں نے اس رائے کو پسند نہیں کیا اور تعلیم جاری رکھنے پر اصرار کیا، اور موضع بدایین ان تشریف لے گئے۔ وہاں کچھ عرصہ تحصیل علوم کے بعد موضع بکلا آئے۔ یہاں شیخ احمد کوکر سے چند کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد ڈیرہ غازی خاں چلے

۱۰ ”ایں بزرگ مرید سلطان محمود لنگاہ بود، در سلسلہ قادریہ توسل می اشت، خانقاہ ایں ہر دو پیر و مرید ہم در قصبہ دودہ است۔ متعلقہ کوٹ کمالیہ و ایں قصبہ مذکور برکنار دریائے

راوی است۔ مناقب المہدیین ص ۵۷

۱۱ مناقب المہدیین ص ۵۷

۱۲ مہار شریف سے چند میل کے فاصلے پر۔

۱۳ متعلقہ پاک پٹن

اتر کر کھڑے ہو گئے۔ معاف نہ کیا اور اس محبت سے ملے "گویا یارانِ قدیم از مدتِ جدا ماندہ۔ بیک دیگر بغل گیری می کنند" پھر نور محمد صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب تخت پر بٹھالیا اور پوچھا تمہارا وطن کہاں ہے؟ نور محمد صاحب نے جواب دیا: نواحِ پاک پٹن، پوچھا۔ کیا بابا صاحب کی اولاد سے ہو؟ عرض کیا نہیں۔ لیکن پاک پٹن کا نام سننے ہی خوشی کے آثار چہرہ پر نمایاں ہو گئے، اور دریافت فرمایا۔ یہاں کیوں آئے ہو؟ عرض کیا، میں نے سنا ہے کہ حضورِ تعلیم دیتے ہیں۔ میں بھی کرم کا امیدوار ہوں پوچھا، پہلے کہاں پڑھتے تھے؟ عرض کیا۔ میاں برخوردار جیو کے پاس۔ فرمایا۔ ہمارا پڑھانا مدت سے موقوف ہے۔ ایسا کرو کہ فی الحال اُن ہی سے پڑھ لو، اس کے بعد ہمارے پاس آجانا۔ شاہ نور محمد صاحب نے جواب میں عرض کیا:

"عصر ما بین بسیار است، و مسافت بعید، وقت مادریں آمد و رفت ضائع خواهد شد؛ یہ سن کر شاہ صاحب نے تبسم فرمایا اور یہ شعر پڑھا۔

ما برائے وصل کردن آمدم
نے برائے فاصل کردن آمدم

اور فرمایا: خیر ہمارے پاس پڑھ لیا کرو!

شاہ فخر صاحب سے تحصیل علم | شاہ نور محمد صاحب اب طالب علم کی حیثیت سے شاہ فخر صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ شاہ فخر صاحب کے تجربہ علمی کو دیکھ کر حیرت زدہ سے ہو گئے۔ اب تک وہ چھوٹے چھوٹے مدرسوں میں معمولی معمولی استادوں سے پڑھ رہے تھے۔ اب ایک ایسے عالم کے پاس پہنچنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی جو علم کا ایک بحرِ ذخار تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اُن کے تجربہ علمی کا ذکر کرتے ہوئے بے اختیار پکار اٹھے تھے: "سبحان اللہ بحرِ علوم بودند"۔

شاہ نور محمد نے قطبی کا سبق لینا شروع کیا۔ ابھی کتاب ختم نہ ہوئی تھی کہ شاہ

کھانا کھاتے تھے، اور شاہ نور محمد کو ساتھ کھلاتے تھے۔ انھوں نے اپنے اس عزیز شاگرد کو قطبی کا درس دینا شروع کیا۔ ابھی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ ان کو گھر جانا پڑا۔ اور شاہ نور محمد کا سلسلہ تعلیم یک لخت منقطع ہو گیا۔

شاہ فخر صاحب کی خدمت میں حاضری | شاہ نور محمد کو اپنی تعلیم کے رک جانے کا بڑا ملال تھا۔ ایک دن وہی میں ایک حوض کے کنارے نہایت اُداس اور غم گین بیٹھے تھے، حافظ محمد صالح ساکن بہیرہ نے اُداسی کا سبب دریافت کیا تو فرمانے لگے:

"استادان مشفق و رفیق وطن رفتند تسکین خواندن نمی شود"

حافظ صاحب نے بتایا کہ حال ہی میں ایک بڑا عالم اور پیر زادہ دکن سے آیا ہے اور کہتا ہے کہ اگر کوئی علم حاصل کرنا چاہے گا تو اس کو پڑھا دوں گا۔ قلندر بخش نامی ایک شخص میرے پاس آیا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے کھانے پہننے کو بھی وہی بزرگ دیتے ہیں۔ شاہ نور محمد نے وہاں چلنے کی درخواست کی۔ چنانچہ اگلے دن دونوں شاہ فخر صاحب کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب حویلی کے دروازے پر پہنچے تو خوشحال ملازم نے بتایا کہ شاہ صاحب، خانم کے بازار تشریف لے گئے ہیں۔ دونوں ناکام واپس ہوئے۔ دوسرے دن بعد نماز ظہر شاہ نور محمد تنہا شاہ صاحب سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے۔ حویلی کے دروازے پر پہنچے تو ایک دربان کو بیٹھا ہوا پایا بجلا ہوا کہ ناواقفیت میں اندر کس طرح جایا جائے۔ کچھ دیر سوچا پھر ہمت کر کے اندر داخل ہوئے۔ حویلی کے اندر ایک اور دروازہ تھا۔ اس دروازے کے مقابل ایک لان تھا۔ کمرے میں ایک تخت پر صاف چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ گاؤں کی لگا ہوا اور شاہ فخر صاحب تشریف فرما تھے۔ شاہ نور محمد کا عالم یہ تھا کہ تمام انگرکھا بٹھا ہوا تھا۔ ایک چادر جسم پر لپیٹی ہوئی تھی سر کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ کبھی اپنی حالت کو دیکھتے تھے، کبھی دالان کی طرف، اور اندر قدم رکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اچانک شاہ فخر صاحب کی نظر اُن پر پڑی۔ فوراً اپنے پاس بلایا۔ شاہ نور محمد جب قریب آئے تو فوراً تخت سے

کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابھی وہ حافظ مسعودی کی خدمت میں تھے کہ لوگوں نے اُن کی والدہ کے پاس جا کر کہا کہ دہلی سے ایک شخص آیا ہے۔ آؤ۔ اس سے صلہ اپنے بیٹے کا حال دریافت کر لو۔ چنانچہ عاقل بی بی اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر مسجد میں آئیں اور اپنے بیٹے کا حال دریافت کرنے لگیں۔ حافظ صاحب کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ سعادت مند بیٹے کو معلوم ہوا تو بے اختیار ماں کے قدموں میں گر پڑا۔

خرم آن لفظ کہ مشتاق بیارے برسد
آرزو مند نگارے بہ نگارے برسد

ہمارے شریف جب تک قیام رہا اُن کا یہ معمول تھا کہ تمام دن مسجد میں مراقبہ میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن حافظ شرف الدین نے اوجو حافظ محمد مسعود کے عزیز اور دوست تھے ان سے دریافت کیا ”اے میاں بابل تم دہلی میں اتنے عرصہ رہے۔ وہاں کیا حاصل کیا؟“ جواب دیا:

”ہندوستانی صاحبزادہ از پیر زادگان دکھن در دہلی آمدہ بود

در خدمت اومی ماندم و دیگچہ ہائے اومی یسیدم“ لے

یہ سن کر حافظ شرف الدین صاحب نے افسوس ظاہر کیا اور کہا کہ تو نے کیوں اپنی عمر خراب کی۔ دیکھ مولوی احمد یار، مولوی محمد صالح اور مولوی اسد اللہ اور فلاں فلاں لوگ دہلی گئے اور علم حاصل کر کے آئے۔ اور تو وہاں دیگچیاں چاٹتا رہا۔

ہمارے آٹھ دن قیام کے بعد شاہ نور محمد نے روایت کی اجازت مانگی۔ والدین نے مجبوراً اجازت دے دی۔ آپ پاک پٹن پہنچے۔ شاہ فخر صاحب محبت سے ملے گھر کا اور والدہ کا حال دریافت کیا۔ اس کے بعد ”برج نظامی“ میں مشغول عبادت ہو جانے کا حکم دیا۔ اس زمانے میں شاہ فخر صاحب نے اپنا یہ دستور بنالیا تھا کہ جو شخص مرید ہونے کے لئے حاضر ہوتا اس کو شاہ نور محمد کے پاس بھیج دیتے۔ چنانچہ اس

صاحب نے فرمایا ”تم علم ظاہری میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ جتنا پڑھ لیا ہے وہ ضرورت کے لئے کافی ہے۔ اب اس علم میں مشغول ہو جاؤ جس کے تم لائق ہو۔“ لے اس بیان سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے علوم ظاہری کا خاتمہ قطعی ہی کر دیا تھا، لیکن تکملہ سیر الاولیاء سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ نور محمد صاحب نے اور زیادہ اکتسابِ علوم کیا تھا اور حدیث کی سند ملی تھی لے

بعیت | شاہ نور محمد صاحب نے ۱۱۶۵ھ میں شاہ فخر صاحب کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ شاہ فخر صاحب کے دہلی تشریف لانے کے بعد وہ پہلے شخص تھے جس نے ان سے بیعت کی۔ بیعت ہونے کا فصل واقعہ خود انھوں نے اپنی مجلس میں ایک مرتبہ بیان کیا تھا۔ شاہ صاحب سے مرید کرنے کے لئے جب استدعا کی تو فرمایا: پیچھے آگاہ کر لو۔ جیسا اشارہ ہو گا ویسا کیا جائے گا، شاہ صاحب نے استخارہ کیا۔ خواب میں دیکھا کہ کھانے کا طبق ان کے ہاتھ پر ہے اور شاہ فخر صاحب کا جبہ اُن کی گردن میں پڑا ہے۔ شاہ فخر صاحب آگے آگے جارہے ہیں۔ اور وہ اُن کے پیچھے چل رہے ہیں صبح کو یہ خواب شاہ فخر صاحب سے بیان کیا۔ فرمایا۔ چند روز استغفار پڑھو۔ پھر حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے عرس کے دن حضرت قطب صاحب کے مزار مبارک پر لے جا کر اُن کو مرید کر لیا۔ لے

پاک پٹن اور ہمارے قیام | بیعت کرنے کے کچھ عرصہ بعد شاہ فخر صاحب نے پاک پٹن کا قصد کیا۔ شاہ نور محمد صاحب اس سفر میں اُن کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جب دونوں پاک پٹن پہنچ گئے تو شاہ فخر صاحب نے شاہ نور محمد کو ہار جا کر اپنی والدہ سے ملنے کا حکم دیا۔ تعمیل ارشاد میں وہ وطن روانہ ہو گئے۔ اس زمانے میں اُن کا حلیہ اور لباس درویشانہ تھا۔ ہمارے پہنچ کر وہ سب سے پہلے اپنے استاد محمد مسعود

نواب غازی الدین خاں نے ان اشعار میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

شیخ درحق او چنیں فسر مود
کیں زما ہر چہ بودہ است ر بود
نیز ارشاد ز آل شاہ دین است
کایں زماں قطب وقت خود است

مہار میں قیام خانقاہ | مہار پہونچ کر شاہ نور محمد صاحب نے مسند ارشاد بچھائی۔
خلوص اور حقانیت کا اثر یہ ہوا کہ بہت ہی جلد خلقت کا ہجوم لگنے لگا۔ ایک مرتبہ
ایک شخص مہار سے دہلی آ رہا تھا۔ شاہ نور محمد نے اس سے کہا کہ شاہ فخر صاحب کی
خدمت میں حاضر ہونا، سلام عرض کرنا اور کہنا کہ آنجناب کی توجہ سے یہاں خوب
روشنی دیکھی۔ وہ شخص دہلی آیا اور جب شاہ فخر الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر پنجابی
میں کہا:

”حضرت جی پٹیاں پڑیو اور کہیو آسان روشنی اچھی ڈٹی“

اپنے مرید کی کوششوں کی کامیابی کا حال سن کر شاہ فخر صاحب پر ایک عجیب
کیفیت طاری ہو گئی۔ کئی مرتبہ یہ جلد دہر واکر سنا اور پھر فرمایا:

”میاں نور محمد مردے خوب است۔ و نسبت شائستہ بہم رسانیدہ“
شاہ نور محمد صاحب کی خانقاہ کے متعلق نافع السالکین میں لکھا ہے:

”ہزاراں گروہ مردماں می آیند ہزاروں آدمی وہاں حاضر ہوتے اور
وزارت می کنند“ یہ زیارت کرتے ہیں۔

جب وہ پاک پن جاتے تھے تو ۵۰۰، ۵۰۰ درویش ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔ اور

طرح سینکڑوں آدمی شاہ صاحب کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے۔ عرس ختم ہونے
کے بعد شاہ فخر صاحب نے ان سے کہا میرا ابھی دو مہینے یہاں قیام کا ارادہ ہے
تم اپنی والدہ کے پاس ہواؤ۔ مولانا نور محمد وطن چلے گئے۔ قبلہ عالم کے بھائی ملک سلطان
برہان اور ان کے بچا لکھنؤ اور استاد محمد مسعود، شاہ فخر صاحب کے حلقہ مریدین میں شامل
ہونے کے لئے ساتھ آئے تھے۔ یہ سب لوگ شاہ نور محمد کے خلوص اور اعتقاد سے
متاثر ہو کر شاہ فخر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔
کچھ دن یہ قافلہ پاک پن میں مقیم رہا۔ اس کے بعد شاہ فخر صاحب دہلی تشریف
لے آئے اور یہ لوگ وطن واپس ہو گئے۔

مہار میں قیام کی ہدایت | ایک دن شاہ فخر صاحب نے شاہ نور محمد سے فرمایا:
”اے نور محمد! خلق را با تو کار خواہد بود“

یہ سن کر آپ کی حیرت اور استعجاب کی انتہا نہ رہی۔ عرض کیا: ”میں ایک کترین پنجابی
ہوں، کس طرح اس اعلیٰ مرتبہ کے لائق سمجھا گیا“ لیکن وہ مرث کا مل جس کی نظر
میں کیمیا کا اثر تھا اس ”پنجابی“ کی صلاحیتوں سے واقف تھا۔ اُس نے اپنے مرید کے
استعجاب کو دیکھا اور خاموش ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد خلافت عطا فرما کر مہار ان قیام
کرنے کا حکم دیا۔ مرید نے فوراً تعمیل کی اور مہار ان روانہ ہو گئے۔

لکھا ہے کہ قبلہ عالم کے مہار ان چلے جانے کے بعد شاہ فخر الدین صاحب یہ دوہہ
اکثر پڑھا کرتے تھے۔

تن شکے من چھیر ناسرت ملوؤں بار
مکھن لے گیا پنجابی چھا چھیر یوسنسا

۱ مناقب المجوبین ص ۷۷

۲ شجرۃ الانوار قلمی

۳ نافع السالکین ص ۸

۴ مناقب المجوبین ص ۱۲۹

۱ ”دریاست نواب بھاول خاں بہ قریہ مہار ان کہ از پاک پن بجانب غرب بفاصلہ چل کردہ
واقع است رشت افامت انداخت“ خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۵۰۴

۲ مناقب المجوبین ص ۷۷، نیز سلسلہ عالیہ چشتیہ ص ۳۱

۲۶۲
ہمارا کایہ قافلہ درویشانہ شان کے ساتھ بابا صاحب کے عرس میں شریک ہوتا تھا۔
شاہ نور محمد کی صحبت میں اس قدر کشش اور تعلیم میں اس قدر تاثیر تھی کہ جو
وہاں جاتا ماثراً ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا، جو ان کے دست حق پرست پر بیعت ہو
جاتا، اس کی زندگی میں حیرت انگیز تغیر ہو جاتا۔ شاہ محمد سلیمان تونسوی فرمایا
کرتے تھے:

”عجیب تاثیر بود کہ دست ایشان گرفتے اور اتا تاثیر شدے“

شاہ نور محمد کا زیادہ وقت تلقین و ارشاد میں صرف ہوتا تھا۔ ان کی مجلس ہر وقت
گرم رہتی تھی۔ جو شخص آتا تھا اس کی وضع، استعداد، لیاقت اور مذاق کے مطابق
گفتگو فرماتے تھے۔ کبھی کسی کی گفتگو سے مکدر خاطر نہ ہوتے تھے۔ گفتگو سے انحراف
نہ فرماتے تھے۔ جو شخص سوال کرتا اس کا شافی جواب دیتے۔ خانقاہ میں امیر و مرید
سب ہی آتے تھے۔ امر و اہل دول کا اکثر جھگڑا رہتا تھا۔ بعض لوگوں کو اس سے
غلط فہمی بھی ہوتی تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاہ نور محمد کو دنیا داروں سے کوئی خاص
لگاؤ یا تعلق نہیں تھا۔ ان کے مشہور مرید اور خلیفہ شاہ محمد سلیمان تونسوی کا بیان ہے:
”قبلہ عالم راقدس سرہ از صحبت قبلہ عالم (شاہ نور محمد) کو دنیا داروں
دنیا داراں بسیار نفرت بودے“ کی صحبت سے سخت نفرت تھی۔
شاہ نور محمد کے ملفوظات قاضی محمد عمر سید پوری نے خلاصۃ الفوائد کے نام سے
اور مولوی محمد گہلوی نے خیر الافکار کے نام سے جمع کئے ہیں۔

- ۱۔ نثر الالکین ص ۹۹ ۱۲۶
- ۲۔ تذکرہ سیر الاولیاء ص ۱۲۰
- ۳۔ مناقب المحبوبین ص ۸۶
- ۴۔ تذکرہ سیر الاولیاء ص
- ۵۔ مولوی محمد گہلوی حضرت نور محمد ناردوالہ کے مرید تھے۔ انھوں نے یہ ملفوظ (باقی اگلے صفحہ پر)

۲۶۳
اصلاح و تربیت مریدین [شاہ نور محمد] اپنے عام مریدوں کی اصلاح و تربیت
میں بڑی دل چسپی لیتے تھے۔ خلفاء کو تو وہ تعلیم و تربیت کے بعد مکمل کر دیتے تھے۔ یہ
وہ ہر مرید کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق توجہ فرماتے تھے، بالکل ایک طبیب
کی مانند، جو مریض کے مزاج اور مرض کی نوعیت کو دیکھ کر دوائیں دیتا اور علاج
کرتا ہے۔ ایک مرتبہ حکیم مولوی محمد عرس فرماتے لگے کہ ہمارا دارالشفاء ہے۔ یہاں حکیم
موجود ہے۔ حکیم صاحب نے فوراً جواب دیا:

”شفابخش امراض ظاہری و باطنی ذات شریف حضور است کہ
ہر آئندہ را از زیارت حضور شفا صوری و معنوی حاصل می شود“

شاہ نور محمد اپنے مریدوں کو درستی اخلاق اور اتباع شریعت کا درس دیتے تھے۔
ان کے ملفوظات میں ان ہی دو چیزوں پر جگہ جگہ زور دیا گیا ہے۔ اخلاقی تعلیم
میں خاص طور سے ان باتوں پر زور دیتے تھے

- (۱) یکے آنکہ غصہ برکے اول یہ کہ کسی پر غصہ نہ کریں غصہ
نکند کہ غصہ جو ہرے است باطن میں جو ہرے اس کے اظہار
در باطن، و اظہار آں نور غصہ سے نور معرفت ختم ہو جاتا ہے۔
را میراند

- (۲) دویم آنکہ اگر کسے در دوسرے یہ کہ اگر کوئی کسی کی شکایت
حق احدے شکایت کنڈاں را کرے تو اس کو خیر کی طرف مائل کرنا
ماول باخیر باید نمود چاہئے۔

- (۳) محاسبہ در امور نباید کرد امور میں محاسبہ نہیں کرنا چاہئے
ان تینوں ہدایتوں میں اخلاقی اصلاح کا راز مضمر تھا۔ اور تمام اخلاقی زندگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اپنے پیر اور قبلہ عالم کے ذکر میں جمع کیا تھا۔ مناقب المحبوبین ص ۶۴

تذکرہ سیر الاولیاء ص ۱۲۲

ان ہی کے گرد گھومتی تھی۔ خواجہ گل محمد احمد پوری نے ان اصولوں کی تشریح کی ہے
ان کی حقیقت و ماہیت کو سمجھایا ہے۔

شاہ نور محمد اتباع شریعت کی بھی خاص تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اُن کے
دل میں شریعت کا بڑا احترام تھا۔ فرمایا کرتے تھے:

”قالب را موافق شریعت کردن و انضمام قلب با اتباع شریعت
است۔ و عوام را پریش ازین خواہد بود“

اتباع سنت کا یہ حال تھا کہ کہا کرتے تھے:

”چیزے کہ مروی از جناب است جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم مروی
ماب صلم نہ باشد بغیر ضرورت چگونہ نہ ہو اس پر بغیر ضرورت کیوں عمل
بکا بردہ شود“ کیا جائے۔

وہ اپنے مریدوں کو خلق خدا کے درمیان رہ کر اصلاحی جدوجہد کرنے کی ہدایت فرمایا
کرتے تھے: ”افاضہ خلق“ اُن کی نظر میں اہم ترین کام تھا۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ کا
قصہ سنایا کہ اُن کے دل پر عنایات الہی نازل ہونی شروع ہوئیں، تو اس خیال سے
کہ تنہائی میں شاید اس میں اور ترقی ہو، گوشہ نشین ہو گئے۔ فوراً قلبی کیفیات بست
ہو گئیں۔ شاہ صاحب اپنے مریدوں کو سمجھایا کرتے تھے کہ عوام میں رہ کر اُن کی اصلاح
کی کوشش کرنا سب سے بڑی عبادت ہے۔

وحدت وجود کے متعلق شاہ صاحب کا مسلک وہی تھا۔ جو شاہ کلیم اللہ

- ۱۔ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۷
- ۲۔ مناقب المجوبین ص ۹۴
- ۳۔ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۶
- ۴۔ مناقب المجوبین ص ۹۲
- ۵۔ مناقب المجوبین ص ۹۴

صاحب کا تھا۔ اس مسئلہ پر عوام میں گفتگو کو ناپسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے:

”برائے ماضیہ کہ حوادث واقع
می شدند محض برائے اظہار
وہ صرف وحدت وجود کے اظہار کے
باعث ہوئے۔“

قبل عالم کے ارشاد و تلقین کا اثر مریدوں پر بہت گہرا ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا ہے تھے کہ جو کسی
نافوس ہوا سے خوش کرنا چاہیے۔ حافظ محمد جمال پران کے کلمات کا ایسا اثر ہوا کہ
انہوں نے فوراً وہاں سے اٹھ کر اپنے دشمن کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ مناقب المجوبین
میں ایک عورت کا واقعہ درج ہے کہ تھوڑی دیر اُن کی مجلس میں بیٹھ کر اس کی یہ
حالت ہو گئی کہ وہ ”کلام عرفان و توحید“ بیان کرنے لگی۔

مرشد کی نظر میں شاہ فخر صاحب کو شاہ نور محمد سے بڑی محبت تھی۔ ف دایا
کرتے تھے کہ نور محمد نے تمام عمر میری مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کیا اور نہ کبھی کسی
تکلیف کا موقع دیا۔

وہ اپنے پیرومرشد کا اتباع اس طرح کرتے تھے کہ بقول مولانا گل محمد
احمد پوری:

”از خصائل آل حضرت بود کہ بیچ حالت از احوال حضرت مولانا
مولوی صاحب رضی اللہ عنہ ذکر نمی فرمودند مگر کہ باں حالت خود
موصوف می بودند“

- ۱۔ مناقب المجوبین ص ۹۷
- ۲۔ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۷
- ۳۔ مناقب المجوبین ص ۶۶-۶۵
- ۴۔ فخر الطالین ص ۱۵ (قلبی)
- ۵۔ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۴

اپنے ہم عصروں کی نگاہ میں بڑی عزت اور وقعت رکھتے تھے۔ لکھنؤ کے مشہور بزرگ مولانا عبدالرحمن صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ان سے استفادہ کیا تھا۔ مناقب فخریہ کا مصنف ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

”و منظر اتم و مرید مراد اں حضرت مقبول حضرت اللہ و محبوب جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرشد آفاق و ہادی اقوام و مامور از

حضرت رسالت بتربیت خلافت مشغول بحق۔ فارغ از علاقہ بنجد و منا

و مولانا خواجہ نور محمد است مدظلہ العالی کہ چندیں ہزار کس نعمت از خوا

اودریافتہ ولذت از ماندہ او چشمیدہ“

دوسرے معاصر، یعنی مصنف فخر الطالبین نے انہیں

”افتخار درویشاں، مرہم دل ریشاں سرآمد اتقیا، جامع علوم جبار، صفقا

چہرہ محبوباں، کہرباے دل معشوقاں، مستنشین مسکنات و دانائے

سر حلقہ درمندان الہی“

لکھا ہے

حسین بخش فخری نے ان کی تبلیغی مساعی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

حضرت مولانا صاحب نے اپنے اُن

مخصوص مرید کو خلافت دے کر پاک

پٹن کی طرف روانہ فرمادیا جو ہی

میاں نور محمد نے وہاں پہنچ کر سکونت

اختیار کی۔ اس علاقے کے لوگ خاص

اور عام، ہزاروں کی تعداد میں اُن کے

حضرت مولانا صاحب اُن مخصوص

خود خلافت دادہ طرف سر زمین

پاک پٹن روانہ نمود، ہر گاہیک

میاں نور محمد در آں جہارفتہ

سکونت ورزید۔ مردماں آں

نواحی از خاص و عام، ہزار و

۱۰ انوار الرحمن ص ۸۰

۱۱ مناقب فخریہ ص ۲۶ دہلی

پیر سے اُن کی عقیدت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ جب تک وہ زندہ رہے، ۶۰ پٹن میں رہتے تھے، اور پٹن دہلی میں شاہ فخر بھی ان پر انتہائی شفقت و مہربانی فرماتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ اگر یہ پنجابی میرے پاس نہ آتا تو میں دل میں ارمان لے کر دنیا سے جاتا۔ ایک مرتبہ اُن کی مجلس میں حضرت سید رسول نما کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمانے لگے۔ حق تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسا مرید دیا ہے جو ”خدا نما“ ہے شاہ فخر صاحب کا یہ دستور تھا کہ جب شاہ نور محمد صاحب وطن کو روانگی کا قصد کرتے تو اپنے مریدوں کو اُن کی دعوتیں کرنے کا حکم دیتے اور فرماتے کہ ان کی خدمت میں نذر نیاز پیش کرو۔ چنانچہ جب شاہ نور محمد وطن جاتے تو صد ہا روپیہ فتوح کا اُن کے پاس جمع ہو جاتا تھا۔

ایک دن شاہ فخر صاحب ان کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: ”اے نور محمد۔ سبحان اللہ۔ کہاں دکن، کہاں پاک پٹن۔ پروردگار کی قدرت دیکھ کہ مجھے دکن سے بلایا اور تجھے پاک پٹن سے بھیجا“ پھر یہ شعر پڑھا ہے

حسن زبیر، بلال از حبش صہیب از شام

ز خاک مکہ ابو جہل اس چہ بواجبی است

معاصرین کی نظر میں شاہ نور محمد صاحب ان ممتاز بزرگوں میں سے تھے جن کے تعبد، ریاضت اور تبلیغی جدوجہد کی تعریف معاصرین تک نے کی ہے۔ ان کے پیر بھائی جس طرح تذکروں میں ان کا ذکر کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ

۱۰ مناقب المہدیین ص ۶۰

۱۱ مناقب المہدیین ص ۶۱

۱۲ مناقب المہدیین ص ۶۸

۱۳ مناقب المہدیین ص ۷۱

۱۴ مناقب المہدیین ص ۹۰

کہی ہے

حیف و اویلا جہاں بے نور گشت ہے

۵۰ ۱۲ ھ

مزار مبارک تاج سرور میں ہے۔ وہاں حضرت بابا فریدؒ کے پوتے اور شیخ بدر الدین سلیمانؒ کے بیٹے تاج الدین سرورؒ آسودہ ہیں اور ان ہی کی نسبت سے ان کا جگہ کا نام تاج سرور پڑ گیا ہے۔ فریدی خاندان کے لوگ بکثرت وہاں آباد ہیں۔ اس بنا پر اسے ”بستی چشتیان“ بھی کہا جاتا ہے۔ شاہ نور محمد صاحبؒ کو تاج سرور صاحبؒ کے مزار سے بڑی عقیدت تھی۔ ہر جمعہ کو وہاں جلتے تھے، اور وہیں خانقاہ بھی قائم کر لی تھی۔ اُن کے متعلق ایک مرتبہ اپنی مجلس میں فرمایا تھا کہ:

”شیخ تاج الدین سرور کامل مکمل اند، اما صاحب ارشاد نیستند“

اولاد | شاہ نور محمد صاحبؒ کی ایک زوجہ عظمت بی بی تھیں۔ اُن کے بطن سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ لڑکوں کے نام یہ تھے:

شیخ نور الصمد

شیخ نور احمد

شیخ نور الحسن

لڑکیوں کے نام یہ تھے: زینب بی بی اور صاحب بی بی۔ دونوں لڑکیوں کی شادی ہو گئی تھی۔ لیکن کسی نے اولاد نہیں چھوڑی تھی۔

شیخ نور الصمد، شاہ فخر صاحبؒ کے مرید تھے۔ شیخ نور احمد اپنے والد ماجد

۱۰ مہر کا سچ تھا ”نور محمد جہاں روشن است“

مناقب المحبوبین ص ۹۱

۱۱ مناقب المحبوبین ص ۹۲

۱۲ مناقب المحبوبین ص ۱۰۳

ہزار از میاں نور محمدؒ تو لا نمودند
و مرید شدند و اکثر از آنہا خلافت
نمودہ فیض رسان خاص و عام
گشتند“
سلسلے میں منسلک ہونے لگے اور اُن
میں سے بہت سے مریدوں نے خلا
پائی۔ خاص و عام کی رہنمائی اور فیض
رسانی کا کام کیا۔

علامت اور وصال | شاہ نور محمدؒ کو اپنے پیر و مرشد شاہ فخر صاحبؒ سے عشق تھا۔ اُن کی وفات کا ان پر بے حد اثر ہوا۔ پیر کے بعد گودہ ۴۰ سال تک زندہ رہے۔ لیکن طبیعت کبھی خوش اور بحال نہ رہی۔ شاہ صاحبؒ کے وصال کے بعد فوراً ہی اُن کو کاست بدنی کی شکایت ہو گئی تھی۔ کچھ دنوں بعد اُن کے عزیز مرید اور خلیفہ حضرت نار و والہ صاحبؒ نے وصال فرمایا۔ صدمہ دگنا ہو گیا پیر اور مرید کے غم میں اُن کا مرض ترقی کر گیا۔ وصال سے ایک سال قبل، انھوں نے تمام اعزاز و اقربا سے بے تعلقی اختیار کر لی۔ جب خاموشی کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا:

کلام من تفسیر و حدیث است

بحکام گفتہ شود، و کہ می فہمید

جب شاہ نور محمد صاحبؒ کی حالت نازک ہوئی تو مریدوں کو مزار کے متعلق اُن کی مرضی دریافت کرنے کا خیال ہوا۔ خواجہ محمد عاقل نے لوگوں کے اصرار پر دریافت کیا کہ حضور کا مزار کہاں بنایا جائے؟ جواب میں ارشاد ہوا

”من غیب داں شیم، حق تعالیٰ

می داند کہ کجا خواہم مرد“

حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ میں کہاں
مردں گا۔

سہرزی الحجۃ ۱۲۰۹ھ کو ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، کسی نے تاریخ وفات

۱۳ مناقب المحبوبین

۱۴ تذکرہ سیر الاولیاء ص ۲۹ - ۱۲۸

شیخ نور احمدؒ کے بعد اُن کے بڑے صاحبزادے میاں خواجہ محمودؒ مسند نشین ہوئے اُن کے بعد اُن کے لڑکے نور بخش سجادہ پر بیٹھے۔ اُن کے بعد میاں نور جہانیاںؒ اور خواجہ محمد یوسفؒ نے مسند سجادگی کو رونق بخشی۔ آج کل میاں محمود بخش صاحب سجادہ نشین ہیں۔ خواجہ نظام الدین صاحب اُن کے متعلق فرماتے ہیں:

وہ ایک نہایت برگزیدہ ہستی، صوم و صلوة کے پابند۔ احکام شرعی کے پورے عامل، عابد اور متقی ہیں۔ تمام اوقات نیک کاموں میں بسر فرماتے ہیں، اور حالات حاضرہ سے باخبر“ ۱۔

سے بیعت تھے۔ شیخ نور الحسن، قاضی عاقل محمد کے حلقہ مریدین میں شامل تھے۔ ۱۔
شاہ نور محمدؒ کے بعد اُن کے بڑے لڑکے شیخ نور احمدؒ مسند سجادگی پر بیٹھے۔ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ قوم ہمارا ان نے اُن کو شہید کر دیا۔ اُن کے بھی تین لڑکے تھے۔

شیخ نور حسین

شیخ غلام نبی

شیخ غلام مصطفیٰ

تینوں علم و عمل، زہد و ورع میں اپنے دادا کی مخصوص روایات کے حامل تھے۔ شیخ نور احمد صاحب کی شہادت کے بعد شیخ نور احمدؒ مسند نشین ہوئے۔ خواجہ گل محمد اچاری کا بیان ہے:

”خاص وعام از شرق تا غرب از
فیض وجود ایشان بہرہ یابانند“
۱۔ اُن سے متفیض ہوتے ہیں۔

شیخ نور احمدؒ کے کچھ لڑکے تھے:

- ① — میاں خواجہ محمود
- ② — حافظ غلام فرید
- ③ — حافظ نبی بخش
- ④ — حافظ خدا بخش
- ⑤ — حافظ قادر بخش
- ⑥ — حافظ گنج بخش

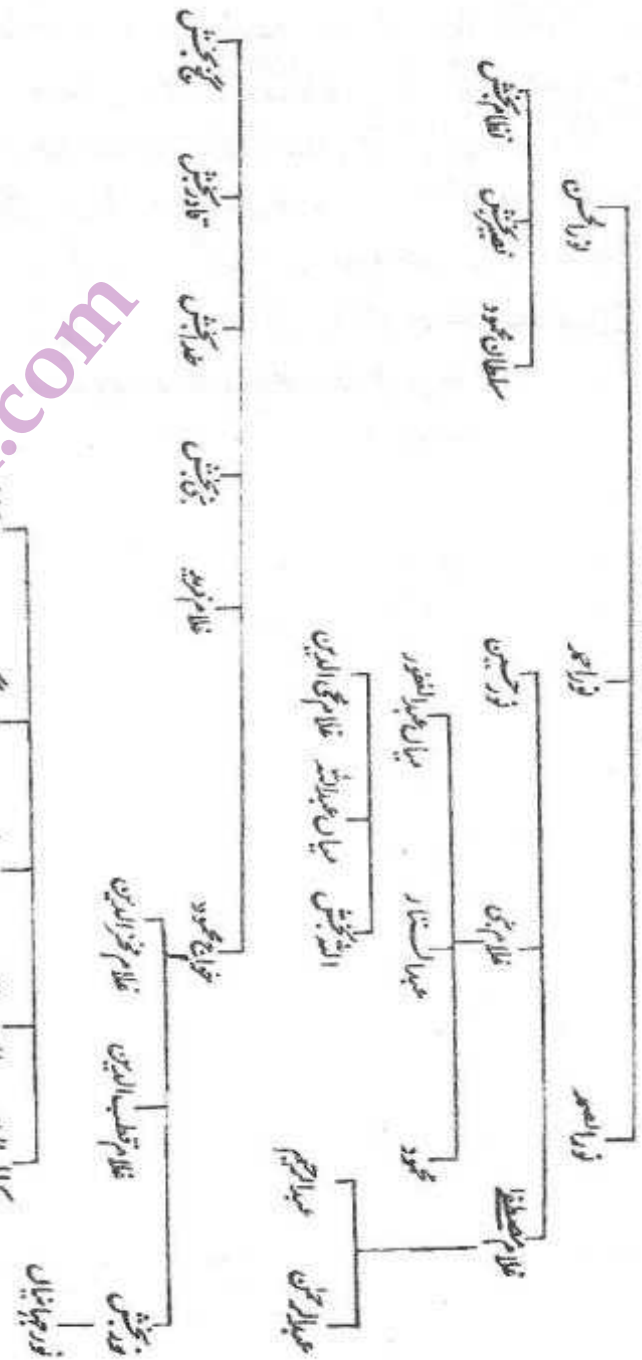
۱۔ مناقب المحبوبین ص ۴۱

۲۔ نافع السالکین ص ۱۰

۳۔ سیر الاولیاء ص ۱۳۰

۴۔ حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ مناقب فریدی ص ۲۳ وغیرہ

خواجہ نور محمد مہارویؒ



خلفاء و مریدین | خواجہ نور محمد صاحبؒ کے خلفاء نے تو نسبہ شریف، حاجی پور، چابڑا وغیرہ مقامات پر نظامیہ سلسلہ کی خاتقاہیں قائم کیں اور سلسلہ کا فیض تمام پنجاب میں پھیلا دیا۔ ان کے مریدوں کی تعداد کافی تھی بلکہ بعض خلفاء کے نام یہ ہیں:

- | | | | |
|----|-----------------------------|----|-------------------------------|
| ۱ | شاہ محمد سلیمان تونسویؒ | ۱۷ | نواب لطف اللہ خاں |
| ۲ | حضرت نارووالہ صاحبؒ | ۱۸ | مولوی نور محمد سکھہ نواح |
| ۳ | قاری عزیز اللہ | | بھاول پور |
| ۴ | نواب غازی الدین | ۱۹ | مولوی محمد حسین |
| ۵ | حافظ غلام حسین | ۲۰ | حافظ بنی |
| ۶ | قاری صبغتہ اللہ | ۲۱ | مولوی محمد اکرم ڈیرہ غازی خان |
| ۷ | میاں محمد فاضل نیوکوکارہ | ۲۲ | مولوی محمد عجیب |
| ۸ | میاں غلام حسین بھٹی | ۲۳ | اختیار خاں |
| ۹ | غلام محمد کبری | ۲۴ | مخدوم نور بہار اوجی صاحب |
| ۱۰ | حافظ ناصر | ۲۵ | عبدالوہاب اوجی |
| ۱۱ | مولوی محمد مسعود جہانگ والا | ۲۶ | مخدوم عبدالکریم |
| ۱۲ | نور الحق | ۲۷ | مخدوم محبوب جہانیاں |
| ۱۳ | غلام محمد سکھہ میرادالی | ۲۸ | مولوی تاج محمود ساکن گڑھی |
| ۱۴ | محمد خوش بختیاری | ۲۹ | شیخ جمال ہشتی، فیروز پوری |
| ۱۵ | محمد بخش ہشتی | ۳۰ | حافظ عظمت میرن شاہ |
| ۱۶ | اصالت خاں | ۳۱ | سید صالح محمد شاہ |

شیخ نور محمد نارووالہ صاحبؒ | نارووالہ صاحبؒ شاہ نور محمدؒ کے عزیز ترین اور قدیم ترین خلیفہ تھے۔ پیر نے سب سے پہلے ان ہی کو خلافت عطا فرمائی تھی۔ وہ بڑے جید عالم اور

صاحب ذوق بزرگ تھے۔ شاہ فخر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میاں نارووالہ سے
”بوسے شکر بار“ آتی ہے پہلی بار جب وہ شاہ فخر صاحب کی خدمت میں اپنے
پیر کے ہمراہ حاضر ہوئے تھے تو شاہ صاحب نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا تھا:
مارا از چشمان ایشان عشق نظر ہم کو ان کی آنکھوں سے عشق ٹپکتا

می آید“ ۱۷

مصنف مناقب فخریہ اُن کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”مولانا نور محمد ساکن نارووالہ سے است کہ در شان او ایں آیت کریمہ
کافی است۔ حاشا للہ ما ہذا ابشوا ان ہذا اللہ ملک حقیم“ ۱۸

جس وقت وہ قبلہ عالم سے مرید ہوئے تھے۔ اس وقت وہ خود بڑے اعلیٰ پیمانہ پر درس
تدریس کے کام میں مشغول تھے۔ لیکن جب قبلہ عالم کی خدمت میں پہنچے تو بزرگوں
کی روایات کے مطابق اُن سے تصوف کی کچھ کتابوں کا درس لیا۔ رسالہ اسرار الکمالیہ
میں لکھا ہے کہ شیخ جمال الدین ملتانی فرمایا کرتے تھے کہ ہم تین آدمی (خود، نارووالہ
صاحب اور قاضی عاقل محمد) قبلہ عالم کی خدمت میں لوہج، سوار اسیل، تسنیم وغیرہ
پڑھا کرتے تھے۔ جب پڑھ کر اپنے مقام پر واپس آتے تھے تو پھر نارووالہ صاحب سے
اس کی تحقیق کرتے تھے۔

واگر در ظاہر ایں فیض از قبلہ عالم

بودے امداد حقیقت ایں فیض

ادراک مسائل و فہم اں کما حقہ

از میاں صاحب نارووالہ بود

کہ ما ہمہ را بہ بیان واضحی قہائد

نارووالہ صاحب شریعت و سنت کے بے حد پابند تھے۔ خیرالذکار میں لکھا ہے:

”اں حضرت جامع شریعت و

حضرت شیخ شریعت، طریقت حقیقت

۱۷ مناقب فخریہ ص ۲۹ (ظہری)

۱۸ مناقب المحبوبین ص ۱۱۶

طریقت و حقیقت بود و پاس

مراعات ظاہر شریعت بدرجہ

اتم بود کہ پیچ مستجب فوت نمی شد

و ہر دم با وضوئی بودند در مراتب

طریقت و آداب و مجاہدہ و ریاضت

چنان مصروف بودند کہ پیچ کسی

یارائے ذکر امور دنیاوی نبودے

اُن کے سینے میں عشق حقیقی کی آگ فروزاں رہتی تھی اور وہ ان ہی بھرتے ہوئے شعلوں
سے اپنا دل بہلایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مرید نے نواب غازی الدین خاں کے
باغ میں رنگ برنگ کے پھولوں کو دیکھنے کی درخواست کی فرمایا ہے

ما اسیراں را تماشاے چمن در کار نیست

داغہائے سینہ ما کستہ از گلزار نیست ۱۹

نارووالہ صاحب بے حد منکسر المزاج بزرگ تھے۔ باوجود جید عالم ہونے کے اُن میں
علمی غرور قطعاً نہ تھا۔ لکھا ہے:

باوجوداں کمالیت خود را چنان

قاصر می دانستند کہ گویا مبتدی

اندر“ ۲۰

اپنے مریدوں کی اصلاح و بیت میں خاص دل چسپی لیتے تھے۔ اُن کے اوقات

۱۷ یہ باغ بہار میں نواب غازی الدین خاں نے بنوایا تھا۔ نواب موصوف کو قبلہ عالم سے
بڑی عقیدت تھی اور ان سے خلافت پائی تھی۔

۱۸ مناقب المحبوبین ص ۱۰۹

۱۹ مناقب المحبوبین ص ۱۱۰

کے متعلق دریافت فرماتے اور مناسب موقع ہدایات دیتے تھے — ایک مرید کو لکھتے ہیں:

اوقات شریفہ را موزع دارند۔ وقت تعلیم تعلیم، وقت ذکر ذکر۔
شاہ نارووالہ صاحب نے ہرجادی الاولیٰ ۱۲۰۹ھ کو وصال فرمایا۔ لفظ "جراغ" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ ان کا مزار حاجی پور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ انھوں نے وصیت کی تھی کہ اُن کی قبر پر کسی قسم کا سایہ نہ ہو "تاملن نور اسمانی نگر دد"۔ اُن کے مریدوں نے یہ اطلاع شاہ نور محمد صاحب کو کی۔ انھوں نے نہایت اصرار کے ساتھ اُن کے مزار پر عمارت بنوادی۔ شاہ نور محمد کو اُن کے وصال سے سخت صدمہ ہوا۔ فرمایا:

"اگر میاں صاحب چندے جہلت یافتہ، عالے انایشال روشن می شد" سے
اگر میاں صاحب کچھ اور جہلت پاتے تو ایک عالم ان سے روشن ہو جاتا۔

اور ان کے مریدوں کو ہدایت فرمائی کہ جب کوئی حاجت ہو تو بے تکلف ان سے کہہ دیا کریں۔

شاہ نارووالہ صاحب کے ملفوظات مولوی محمد صاحب نے خیر الافکار کے نام سے مرتب کئے ہیں۔

شاہ نارووالہ صاحب کے ایک فرزند تھے جن کا نام حافظ محمد تھا۔ شاہ صاحب کے بعد وہی مسند نشین ہوئے۔ اُن کے تین بیٹے تھے۔ مولانا عبدالرحمن،

۱۔ تکریر الاولیاء ص ۱۳۱

۲۔ مناقب المجوبین ص ۱۱۳

۳۔ خلاصۃ الغوائد (ملفوظات خواجہ نور محمد) بحوالہ تکریر الاولیاء ص ۱۳۱

۴۔ تکریر الاولیاء ص ۱۳۲ - مناقب المجوبین ص ۱۱۴

مولانا عبدالرحیم اور مولانا غلام رسول

نارووالہ صاحب کے مشہور خلفاء کے نام یہ ہیں:

①	عبداللہ خاں	ذیرہ غازی خاں
②	مولوی محمد حسن	راجن پور
③	نور محمد بدرہ	محمد پور
④	مولوی ابوبکر	حاجی پور
⑤	مولوی محمد کہلوی	(جامع خیر الافکار)

مولوی حافظ غلام حسین | قبلہ عالم کے مرید اور خلیفہ تھے۔ "تجربہ، تفرید، توحید، میں بیکٹائے زمانہ تھے تمام عمر آستانہ شیخ پر گزار دی۔ ۹ رزی قعدہ ۱۲۴۰ھ کو وصال فرمایا۔ شاہ نور محمد صاحب کے قریب سپرد خاک کئے گئے۔ اُن کے خلفاء میں غلام مرتضیٰ صاحب بہت شہرت اور عظمت کے مالک تھے۔

نواب غازی الدین خاں | نواب غازی الدین خاں، شاہ فخر صاحب کے مرید تھے اور قبلہ عالم سے خلافت پائی تھی۔ قبلہ عالم کے مناقب میں ایک مثنوی لکھی ہے جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ذکر نور محمد آں ہمہ نور	گر نو لیم جہاں شود پر شور
وہست نسبت عیان کشید اورا	جذب دل سوئے جاں کشید اورا
پیکر اوتھام پیکر جاں	ہست معینش زگو ہر جاں

کارش از خردیں گرامی شد	وارث نسبت نظامی شد
شیخ در حق او چنین فرمود	زما ہر چہ بودہ است ربود
ہم بگفتا کزین جہاں آرا	شدہ امید مغفرت مارا

ہست امروز او مراد جہاں مرجع خاص و عام شیخ زمان

بابِ پنجم

حضرت شاہ نیاز احمد بریلویؒ

حضرت شاہ نیاز احمدؒ شاہ فخر صاحب کے مشہور ترین خلفاء میں تھے، علم و فضل میں یکتناے عصر، زہد و تقویٰ میں بے مثال۔ بریلی میں ان کی خانقاہ مرجع خلافت تھی۔ تشنگان معرفت اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے دور دور سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ مولانا غلام سرور کا بیان ہے:

خلق بے شمار بہ حلقہ ارادت	بے شمار خلق ان کے حلقہ ارادت میں
و سے درآمد و مردماں از اقالیم	شامل تھی۔ اور لوگ دور واز ملکوں
دور و واز یعنی از کابل و قندہار	سے یعنی کابل، قندہار، شیراز، اور
و شیراز و بدخشاں بہ خدمت	بدخشاں سے ان کی خدمت میں حاضر
با برکت و سے حاضر آمدہ مستفید	ہو کر فیض اٹھاتے اور فائدہ حاصل
و مستفیض شمرندہ	کرتے تھے۔

خود شاہ صاحب کا عالم یہ تھا کہ عشقِ حقیقی کے نشے میں چور رہتے تھے۔ درویشِ ان کا

سرمایہ حیات تھا۔ یہ آگ ہر وقت ان کے سینے میں سلگتی تھی۔ کبھی کبھی اس کے شرارے شعر کی صورت میں نمودار ہوتے تھے۔ وہ شعر بہت کم کہتے تھے۔ لیکن جب کبھی کہتے تھے اپنا دل نکال کر رکھ دیتے تھے۔ ان کے لفظ لفظ سے اثر ٹپکتا تھا۔ ان کا شعر اعماقِ روح سے نکلتا اور سننے والے کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا کلام اس زمانہ کے صوفیوں میں بہت مقبول ہوا۔ صاحبِ نثر الاصفیا نے لکھا ہے:

حضرت شاہ دل آگاہ بہ شعر
رغبت تمام داشت. و اشعار
آب دار متضمن حقایق و معارف
گفتے چنانچہ دیوان نیاز کراز
تصانیف آل حضرت است
بسیار مرغوب و مطبوع طبع عجم
اصفیاء است۔ ۱۰

ولادت اور ابتدائی حالات | شاہ نیاز احمد صاحب کی ولادت سرہند میں ہوئی تھی۔ غلام سرور نے سال ولادت ۱۱۹۳ھ دیا ہے لیکن خانقاہی تذکروں میں ۱۱۹۲ھ درج ہے۔ اور اسی سے ان کی زندگی کے اہم واقعات کی تطبیق ہوتی ہے والد ماجد شاہ رحمۃ اللہ صاحب طبیب تھے۔ بیٹے کے ساتھ بریلی آگئے تھے۔ اور یہیں ان کا مزار ہے۔ شاہ نیاز احمد صاحب جب سرہند کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو دہلی میں شاہ فخر الدین صاحب کی خدمت بابرکت میں علوم ظاہری کی تکمیل کے لئے حاضر ہوئے اور اپنی ذہانت اور دل جمعی کے باعث، اس سال کی عمر میں معقول و منقول، فروع و اصول، حدیث و تفسیر میں کمال حاصل کر لیا۔ اسناد

میں شاہ فخر صاحب کے علاوہ دو نام اور ملتے ہیں: مولوی خواجہ احمد خاں اور حکیم قدرت اللہ قاسم۔ علوم ظاہری سے فراغت کے بعد شاہ فخر الدین دہلوی کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی، اور علوم باطنی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ دن رات اسی میں غرق رہنے لگے۔ آپ کی لیاقت، استعداد اور سعیِ پیہم سے پیر بہت متاثر ہوئے۔ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اور بریلی میں اقامت کی ہدایت کی۔ بریلی پہنچ کر انھوں نے اپنی خانقاہ قائم کی، جو بہت جلد، بقول مولانا غلام سرور ”معدن فیوض ربانی“ اور ”مطلع انوار سبحانی“ بن گئی۔ جگہ جگہ سے لوگ آپ کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اٹھارہویں صدی میں چشتیہ نظامیہ سلسلے کو ہندوستان میں جو کچھ فروغ ہوا، وہ مولانا شاہ فخر الدین صاحب دہلوی کے دوسریوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ شاہ نور محمد صاحب نے پنجاب میں اور شاہ نیاز احمد صاحب نے یوپی میں سلسلے کو خوب پروان چڑھایا۔

دہلی میں درس و تدریس | اس زمانہ کے صوفیہ نے درس و تدریس کا کام اپنے پروگرام کا ایک لازمی جز بنالیا تھا۔ چنانچہ شاہ نیاز احمد صاحب نے بھی کافی عرصہ تک دہلی میں درس و تدریس کا کام انجام دیا۔ مصحفی نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ان کی ”شانِ علم“ اور ”وجاہت“ دیکھی تھی۔ ریاض الفصحاء کے ایک بیان سے دہلی میں ان کی تعلیمی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔ درس و تدریس کا سلسلہ بریلی میں بھی جاری رہا۔ اور یہاں ہندوؤں نے بھی ان سے تلمذ حاصل کیا۔ راجہ کندن لال اشکی، راجہ رتن سنگھ زخمی اور راجہ منوں لال کے نام اس سلسلہ میں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مصحفی اور شاہ صاحب | مصحفی نے دہلی میں شاہ نیاز احمد صاحب سے شرفِ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تلمذ حاصل کیا تھا۔ ریاض الفصحار میں لکھتے ہیں:

چند روز میزان ہم از ایشان در میں نے چند روز شاہ جہاں آباد میں
شاہ جہاں آباد خواندہ بود" اے ان سے میزان بھی پڑھی تھی۔
جب مصحفی لکھنؤ چلے گئے اور ان کے شاعرانہ کمالات کا شہرہ شاہ صاحب کے
کانوں تک پہنچا تو اپنی ایک غزل مصحفی کو لکھ کر بھیجی ہے۔

کیسک سر نہاں است دور علن کہ ہماوست
عروس خلوت و ہم شمع انجمن ہماوست
زم مصحف رخنخواباں ہمیں نمود ر قسم
کہ خط و خال و رخ و زلف پر شکن ہماوست
منظر بہ عیب مکن در طیور بارغ وجود
کہ طوطیاں چمن زائغ و ہم زغن ہماوست
از سہر عشق چو واقع شوی یقیس دانی
کہ قیس و لیلا و شیریں و کوہ کن ہماوست
شبنیدہ ام بہ صنم خانہ از زبان جسم
صنم پرست، و صنم ہم صنم شکن ہماوست
رساند مطرب خوش گو ہمیں نداد رکوش
کہ چوب و تار صدائے سخن تن ہماوست

شاہ صاحب بحیثیت اردو شاعر شاہ نیاز احمد صاحب کو سوز و گداز سے بھری ہوئی
طبیعت قدام ازل سے ولایت کی گئی تھی۔ عشق ان کے ضمیر میں تھا۔ جذبات عشق
و محبت کبھی کبھی شعری صورت اختیار کر لیتے تھے۔ شاہ صاحب شعر بہت کم کہتے تھے۔
اسی وجہ سے ان کے اردو اور فارسی دونوں دیوان بہت مختصر ہیں۔ لیکن جو کچھ

۱۰ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۱ ریاض الفصحار ص ۳۲۸

بھی ہے وہ اپنی جامعیت اور افادیت میں کم نہیں۔ ان کی فکر رسائے تصوف کے
نہایت باریک نکات کو انتہائی حسن اور دل کشی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے
کلام میں آورد نہیں۔ وہ قلبی واردات کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔
سوز و گداز، درد، علوم معانی کے علاوہ نفاست، سلاست اور روانی ان کے کلام کے خاص
جوہر ہیں۔ انھوں نے فکر رسائی بھی۔ اور اس پر خود ان کو ناز تھا۔ کہتے ہیں ہے

رکھتے ہیں نیازیہ اہل دل ترے شعر سننے کا اشتیاق
غزل ایک دوسری اور کہہ تجھے حق نے فکر رسادیا
ایک جگہ اپنی فصیح البیانی کا ذکر کرتے ہیں ہے

بھلا ایک غزل اور بھی ایسی کیسو
تجھے میں فصیح البیان دیکھتا ہوں

سلاست اور روانی حضرت نیاز کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔ وہ نہایت بلند خیالات کو
انتہائی سادگی، نفاست اور دل کشی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اس سادگی میں ادبیت کوٹ
کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ یہاں آمدی آمد ہے، آورد کا نام نہیں چند شعر ملاحظہ ہوں:

روان آنکھوں سے ہے سیلاب گل گوں الہی چشم ہے یا چشمہ خوں

اک تو ہی نہیں میں بھی ہوں آنکھوں کا مارا اے اہل نظر زنگں بیمار سے کہہ دو

کروں کیا بیاں ہم نشین شمس کے لطف نگاہ کا کہ تعینات کی قید سے مجھے ایک دم میں چھڑا دیا

فرش زمیں ہے خاک نشینوں کا استرا بے خان و ماہر عشق کا نگہ ہے خشت رنگ
مجھ سے مہجین کو طیب ہاتھ تو اپناست لگا اس کو خدا پہ چھوڑے بہر خدا جو ہو سو ہو

۱۲ ۱۳۶۵ھ میں مطبع قطیف الاخبار سے شائع ہوا تھا۔

غم جلدائی کو ہم جانیں یا خراجا نے بلاکشوں پہ جو گزری تری بلا جانے

بعض چھوٹی بھر کی غزلیں اپنی روانی، سادگی اور شگفتگی میں بے نظیر ہیں۔

ستارے نہیں یہ شب تار کے شرارت ہیں آہ شہر بار کے

مبارک رہے تجھ کو واغظ بہشت میاں ہم تو طالب ہیں دیدار کے

جو دیکھے تجھے بلبل اے رشک گل نہ پھٹکے کبھی گرد گشتار کے

صفائی ترے سلک دنیا کی دیکھ ہوئے عسرق دریا گہر بار کے

کہاں فصل گل ہے کہاں وہ بہا چلو مل کے روویں گلے خار کے

غزل اور ایسی ہی کہیوں نیاز کہ مشتاق ہیں تیرے اشعار کے

حضرت نیاز کو زبان پر بڑی قدرت تھی۔ وہ نہایت ہی سنگلاخ زمین میں بہت ہی بے تکلف شعر کہتے تھے اور کمال یہ ہے کہ ان اشعار میں بھی اور دکا شبہ نہیں ہوتا۔ ایک غزل کا مطلع ہے۔

شکر غم آ پڑا تسلیم دل پر ٹوٹ ٹوٹ

یاں نہ آ امان تھی واں صدائے ٹوٹ ٹوٹ

اس زمین میں تقریباً ۲۰ شعر کہے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

چشم بد سے دور رہو کیا ہی آبت تاب ہے ہوں گی یہ آنکھیں بنائی موتوں کوٹ کوٹ

دیکھ میرا خون اشک اس نے کہا شب گھم کو دیکھ تیری آنکھوں میں گئی میری جناسب چھو چھوٹ

شفقت نے گلشن بے خار میں ان کے یہ اشعار منتخب کئے ہیں۔

وہ نقش پا کی طرح رہی تھی نمود اپنے وجود کی کشش نے دامن ناز کی اسے بھی زیرِ مٹایا

مجھے جین خوابِ مہم میں تھا تھا لطف یا کچھ خیال یہ جگہ کے شور نہ ہونے مجھے کس بلا میں پھنسیا

صبر و قرار و شکست طاقت و تاب و تواں اور تو سب چل بسے رہ گئی اک جان تو

ہجر کی جو صبتیں عسر و حزن کیں اس کے روبرو ناز و اداسے شکرا کہنے لگا جو ہو سو ہو

لے گلشن بے خار ص ۲۳۳ ذیل کشور ۱۹۵۷ء

وحدت وجود | شاہ نیاز احمد صاحب کے دیوان کا اصل موضوع وحدت وجود ہے۔

انھوں نے اٹھارویں صدی میں اس نظریہ کی اشاعت میں نہایت سرگرمی سے

حصہ لیا۔ ان کا سارا کلام اسی سے لبریز ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

وحدت کے ہیں یہ جلوئے نقش و نگار کثرت مگر سب معرفت کو پاوے شعور تیسرا

عمور پور ہا ہے عالم میں نور تیرا ازماہ تا بہ ما ہی سب ہے ظہور تیرا

عالم کہے جس کو جہاں معنی جہاں جسم جہاں شائیں ہیں سب بس ذات کی جس کو کہے سنا ایک

بے امتیاز بیش و کم دانے میں ہیں یہ سب بہم بیخ و درخت و شاخ و گل انبوہ برگ و بار ایک

طوطی موجب استناں سرا سو سوطر سے کونوا ہر دم نئی بوئے صدا اور ہے وہاں نقار ایک

نیرنگیوں سے یا رکی حیراں نہ ہو جیو ہر رنگ میں اسی کو نمودار دیکھنا

جسے ذات بے رنگ بے چوں کہیں ہیں بہ ہر رنگ جلوہ کناں دیکھتا ہوں

صورت گل میں کھل کھلا کے ہنسا شکل بلبل میں چھپا دیکھا

شمع ہو کر کے اور پروانہ آپ میں آپ کو جلا دیکھا

کر کے دعویٰ کہیں انا الحق کا برسرِ دار وہ کھینچا دیکھا

کائنات ان کے نزدیک ایک بحر رواں ہے مسلسل اور متواتر۔

اگر کوئی جانے جہاں غمیر حق ہے سو میں اس کو دھوکا گماں دیکھتا ہوں

جو کچھ کہ پیدا ہے سب عین حق ہے کہ ایک بحر ہستی رواں دیکھتا ہوں

کے بندے تھے، عشق کی دنیا میں رہتے تھے۔ عارفِ روم کی طرح اُن کے قلب کی دھڑکنوں میں یہ آواز پوشیدہ تھی ۛ

شاد باش اے عشقِ خوش سوداے ما
اے طیبِ جملہ علتِ ہائے ما

عشق کے ان پرانے احسان ہیں کہ کہتے ہیں ۛ

کہاں تک کہوں لطف و احسانِ عشق
کہ جوں جوں گھٹا میں بڑھایا مجھے
یہاں تک دیا مجھ کو حُسنِ عروج
کہ بندے سے مولا بنا یا مجھے

عشق کی دنیا میں پہنچ کر وہ عقل و ہوش کو الوداع کہتے ہیں ۛ

جو نہی آمد آمدِ عشق کا مجھے دل نے خردہ سُنا دیا
خرد و عواس و شکیب نے وہیں کوس کو بیج بکادیا
جب بردِ دل حضرتِ عشق آن پکارے
گوشے ہوئی عقل اور ہوئے اوسان کنارے

جب شاہِ فخر الدین صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ۛ

جھبی جا کے مکتبِ عشق میں سبقِ مقامِ فنا لیا
جو کچھ لکھا پڑھا تھا نیاز نے سو وہ قضا دل سے بھلا لیا

علومِ ظاہری کو خیر باد کہہ کر وہ اس شان سے عشق کے میدان میں قدم رکھتے ہیں ۛ

عشق کے میدان میں آ صورتِ انسان بنا
عاشقِ مولا ہوا چاند کا جیسے چمکورا

جذباتِ عشق ان کے سینے میں متلاطم ہوتے ہیں۔ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں ۛ

جوشِ زن ہے عشق کی ۛ اب خمِ دل میں نیاز
گہا بل کر وہ گہرے خم سے نکلے بھوٹ پھوٹ

ازل سے لے کے اب تک وہی جو ہے سو ہے بہ رنگِ بحرِ رواں جس میں ہے نہ توڑ جوڑ
اسی مسئلے کو ریاضی سے بھی ثابت کرتے ہیں۔ جو رشتہ ایک (مبتداء الاعداد)
اور دوسرے اعداد میں ہے وہی رشتہ خدا اور کائنات کے درمیان ہے۔

تعیّنات کے نقطوں سے ہے کشیدہ احد
وہی ہے ایک یہ دس سو ہزار لاکھ کروڑ

ہیں دیدہ بینا میں ہم سارے کم و بسیار ایک
کثرتِ نمایاں اتنی ہو جتنا کرے تکرار ایک
مسکین شاہِ صاحبؒ سے روایت ہے کہ شاہِ نیاز احمد صاحبؒ کی مجلس میں ایک بار
حسین بن منصور کا ذکر تھا۔ فرمایا:

حضرت غوث الاعظم فرمود نہ کہ اگر
وہ در وقتِ مابودے بیکِ توجہ
تھے کہ اگر وہ حسین بن منصور ہمارے
وقت میں ہوتے تو ہم ایک توجہ میں
مقامیکہ ویرا بود میگزار نیاریم ۛ

وحدتِ ادیان | شاہِ نیاز احمد صاحبؒ وحدتِ ادیان کے قائل تھے۔ ان کی حریتِ فکر

و ضمیر کا یہ عالم ہے کہ کہتے ہیں ۛ

یہ بے یان و مل ہیں شاخِ ہائے یک درخت
ایک جڑ سے ہیں یہ نکلی ڈالیاں سب بھوٹ پھوٹ

گر بادۂ توحید پسینِ اہلِ مشارب
ہفتاد و دو ملت، کی ہو تکرارِ فراموش

جورب الحرم ہے محرم بھی وہی ہے
اسے برہمن اور اُسے شیخ مانے
حسرم و دیر میں یکساں دیکھتا ہوں
یہ آپس کا جھگڑا۔ یہاں دیکھتا ہوں

عشقِ حقیقی | شاہِ نیاز احمد صاحبؒ صوفی تھے، عشقِ الہی ان کے خمیر میں تھا۔ وہ عشق

کیا جوش میں ہے اب مئے وحدت خم دل میں

ایٹے ہے پڑی رومی و عطار سے کہہ دو

آتش عشق ان کے سینے کو جلا دیتی ہے ۔

کہیں عاشق نیاز کی صورت

سینہ بریاں و دل جلا دیکھا

طوفان اشک امنڈتا ہے۔ بے اختیار نیاز کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھتے ہیں نہ

یا الہی زور قی گردوں سنبھال

بے طرح امنڈا ہے یہ طوفان اشک

ایک لمحہ رکتا ہے۔ سوچتا ہے کہ حقیقتاً اشکوں نے اس کی یاوری کی ہے ۔

پھٹک چکے تھے ہم تو اسے یار و ابھی

گرتہ ہوتا اس گھڑی احسان اشک

عشق نے شاہ صاحب کی شاعری میں ایک درد، سوز اور گرمی پیدا کر دی ہے جو

جو کچھ کہتے ہیں وہ محسوس بھی کرتے ہیں، اس لئے اس کی آتش انگیزی بھی بے پناہ ہوتی

ہے۔ ہر لفظ جوان کی زبان سے نکلتا ہے، گرمی اور تاثیر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔

تجربہ علی اور تصانیف | شاہ نیاز احمد صاحب بڑے جید عالم تھے۔ ان کی تصانیف ان کی

علیت کی شاہد ہیں۔ عزیز میاں صاحب نے خاکسار مصنف کو ایک مکتوب میں تحریر

فرمایا تھا۔ ”حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی

کتابیں ہیں۔ جن میں سے چند نام کے حسب ذیل ہیں :

شمس العین

رسالہ راز و نیاز

تحفہ نیاز بر حضرت بے نیاز

رسالہ التسمیۃ المراتب

مجموعہ قصائد عربیہ

①

②

③

④

⑤

شرح قصائد عربیہ

⑥

حاشیہ شرح چمنی، ۱۷

⑦

رسالہ شمس العین ان کی زندگی میں ہی علمی حلقوں میں مقبول ہو گیا تھا۔ ۱۷۹۹ء میں

جب اس پر نظر ثانی کا ارادہ کیا تو اس خیال سے

از بس کہ اس رسالہ در اکثر اکناف

و اطراف منتشر گشتہ و از نظر بسیاری

بزرگان صاحب حال گذشتہ

و قبولیت یافتہ و تحریف و اصلاح

اصلاح کار ندیدہ بر حال خود

اور ویسے ہی رہنے دیا۔

داشت

شمس العین کی کئی شرحیں بھی شاہ صاحب نے لکھی تھیں جو کشف العین اور نور العین کے نام سے مشہور ہیں۔

رسالہ راز و نیاز مختصر رسالہ ہے جس میں تصوف کے مسائل نیز اشغال وغیرہ سے

بحث ہے۔ تحفہ نیاز تصوف کے مسائل سے منتہی طلباء کو روشناس کرانے کے لئے لکھا گیا تھا

رسالہ التسمیۃ المراتب کا موضوع بھی تصوف ہے۔ شاہ صاحب نے منطق پر ایک

رسالہ شاہ آل رسول مارہروی کے واسطے املا کرایا تھا۔ بعض چھوٹے چھوٹے رسائل عربیہ

لیعبدون، حاشیہ الاملا وغیرہ بھی ملتے ہیں۔ ان تصانیف میں شمس العین شاہ صاحب

کے افکار کی بہترین ترجمان ہے۔

شاہ صاحب کے اشعار سے بھی تجربہ علمی کا پتہ چلتا ہے۔ فلسفہ و منطق وغیرہ کی

۱۷ مکتوب حضرت عزیز میاں بنام مصنف

(۳۰) شاہ شمس الحق لکھنؤ

(۳۵) مولوی مستان خاں شاہ جہاں پور

(۳۱) شاہ نور الدین بریلوی

(۳۶) خلیفہ عبدالرسول کابل

(۳۷) مخدوم جی بدخشان

سجاد نشین | شاہ نیاز احمد صاحب نے ۶ جمادی الاخریٰ ۱۲۵۴ھ کو بمقام بریلی وصال فرمایا۔ ان کے بعد ان کے خلف اکبر حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے چھوٹے بھائی شاہ نصیر الدین بدایوں تشریف لے گئے تھے، اور وہیں ان کا اولاد انتقال ہوا۔ شاہ نظام الدین بڑے پایہ کے بزرگ تھے بہاروں عقیدہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ شاہ محمد سلیمان پھلواریؒ کا بیان ہے کہ شاہ نظام الدین صاحب باوجود ضعف و نقاہت ان کے مواظب میں شرکت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ عرض کیا کہ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ جواب میں فرمایا: ”بھئی یہ زمانہ اب لامذہبیت اور بے دینی کا آگیا ہے اور دینی دروہانی بیانات کی قدر لوگ کم کرنے لگے ہیں۔ اس لئے میں خاص کر آٹاپاہوں تاکہ اور لوگ بھی شرماشرمی شریک ہو جائیں اور مجالس و عظ کی رونق زیادہ ہو“ ان کے مریدوں میں دو بزرگ خاص طور سے قابل ذکر ہیں (۱) مولانا عبدالسلام صاحب نیاززی دہلویؒ اور (۲) مولوی عبدالرحمن صاحب مرحوم بھجراپوتی، مولانا عبدالسلام صاحب جید عالم تھے۔ فلسفہ، ریاضی اور الہیات پر خاص نظر رکھتے تھے۔ وحدت وجود پر ان کی گفتگو بڑی پرورش اور عالمانہ ہوتی تھی۔ ان کا ایک مختصر رسالہ کاشف الاسرار (فاتحہ الکتاب) سورہ فاتحہ کی تفسیر میں شائع ہو چکا ہے۔ مولوی عبدالرحمن صاحب مرحوم بزرگوں کی دیرینہ روایات کے حامل تھے اور اپنے سلسلہ کے مشائخ سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔

شاہ نظام الدینؒ کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ جی الدین صاحب سجادہ نشین ہوئے پھر شاہ صاحبؒ کے نوادے حضرت عزیز میاں صاحب سجادہ پور

۱۔ خاتم سلیمانی حصہ چہارم ص ۶۶

اصطلاحات جگہ جگہ اپنے اشعار میں استعمال کرتے ہیں۔ لے

خلفاء و مریدین | شاہ نیاز احمد صاحبؒ کے خلفاء کی تعداد کثیر تھی۔ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر ان کے سلسلہ کی خانقاہیں قائم تھیں۔ حضرت عزیز میاں صاحبؒ نے ایک مکتوب میں ان کے خلفاء کی مندرجہ ذیل فہرست ارسال فرمائی تھی:

- ۱۔ تاج الاولیاء شاہ نظام الدین صاحب
- ۲۔ مولوی عبداللطیف صاحب سمنڈی
- ۳۔ مولوی نعمت اللہ خاں بخاری کابل
- ۴۔ حافظ وزیر خواجہ کابل
- ۵۔ مولوی محمد حسین مکہ معظمہ
- ۶۔ میر محمد سمیع صاحب بدخشان
- ۷۔ مسکین شاہ صاحب ولایتی
- ۸۔ ملا عوض محمد بدخشان
- ۹۔ مولوی یار محمد کابل
- ۱۰۔ محمد عثمان وزیر خلی کابل
- ۱۱۔ ملا جان محمد خاں اخوان کابل
- ۱۲۔ مخدوم عبدالشہید صاحب یارقندی
- ۱۳۔ حاجی ہاشم صاحب کابل
- ۱۴۔ محمد فخر عالم شاہ جہاں پوری
- ۱۵۔ سید احمد علی شاہ آبادی
- ۱۶۔ سید حشمت علی شاہ آبادی
- ۱۷۔ میاں فخر الدین صاحب
- ۱۸۔ خلیفہ وجلیہ الدین
- ۱۹۔ مرزا اسد اللہ شیک بریلوی
- ۲۰۔ حاجی شرف الدین برولی
- ۲۱۔ سید رضا شاہ زادہ کیرا کیر شریف
- ۲۲۔ سید ضیاء الدین
- ۲۳۔ محمد عبداللہ خاں صاحب شاہ جہاں پور
- ۲۴۔ مولاداد خاں شاہ جہاں پور
- ۲۵۔ مولوی محمود عالم بھجراپوتی
- ۲۶۔ بخش اللہ شاہ آبادی
- ۲۷۔ حکیم رحیم اللہ بھجراپوتی
- ۲۸۔ مولوی عبدالرحمان جاوہر
- ۲۹۔ غلام مولی اکبر آبادی
- ۳۰۔ محمد کفایت اللہ
- ۳۱۔ مولوی عبید اللہ جی پھلی
- ۳۲۔ مولوی عبدالرحمان

۱۔ ملاحظہ ہو مصنف کا مضمون ”حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی بر حثیت اردو شاعر“

مطبوعہ رسالہ ”اردو“ اکتوبر ۱۹۷۳ء ص ۳۰۴

بایں ہمہ ان کی شہرت شاہ نیاز احمد صاحب ہی سے تعلق کی بنا پر ہوئی شاہ صاحب نے ان کو بچہ پور روانہ فرمایا۔ جہاں ہندو اور مسلمان سب ہی آپ سے عقیدت رکھنے لگے۔ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۸ھ کو وصال فرمایا۔ خزینۃ الاصفیاء میں تاریخ وفات لکھی ہے۔

شاہ مسکین چوں بختی شد واصل
رفت نزد خدا خدا آگاہ
گفت تاریخ حلتش سرور
کہ امام بہشت مسکین شاہ

۱۱۲۵ھ

ان کے خلیفہ سیکر میں شاہ ولی محمد صاحب، فتح پور میں محبوب علی شاہ صاحب، کرنال میں فیض اللہ شاہ صاحب، الہ آباد میں مولانا سکندر علی صاحب، گھنٹوں میں گل محمد بچہ پور میں مولانا صادق علی شاہ صاحب تھے۔ خانقاہ میں سجادہ نشین ان کی اولاد میں رہی اور ان کے بیٹے ظیر الدین شاہ مسند نشین ہوئے۔ پھر منظر الحق شاہ اور مولانا فضل حق شاہ سجادہ نشین ہوئے۔ ۱۲۵۳ھ میں مولانا فضل حق شاہ کا انتقال ہوا اور ان کے بیٹے اکرام الحق شاہ صاحب خانقاہ کے سجادہ نشین ہوئے۔ آج کل خانقاہ مسکین شاہ ان ہی کے زیر نگرانی چل رہی ہے۔ انھوں نے ۱۲۵۳ھ میں اپنے بڑے بیٹے انعام الحق صاحب کی سجادگی کا اعلان کر دیا تھا۔ انعام الحق صاحب میں تصوف کا ذوق اور خانقاہی زندگی کی ضروریات کا احساس ہے۔ مسکین شاہ صاحب کے ملفوظات حکیم محمد شاہ کشمیری نے سراج السالکین کے نام سے جمع کئے ہیں۔

ان کے حالات میں ایک مختصر تذکرہ حکیم سید اکرام حسین صاحب رضوی سیکری نے ۱۲۹۲ھ میں سعید آرٹ پریس حیدرآباد سے شائع کیا تھا۔

بیٹے۔ وہ راز تخلص کرتے تھے۔ شعر میں درد، ترنم اور سوز کی فراوانی پائی جاتی ہے انھوں نے شاہ نیاز احمد صاحب کے کچھ اشعار کی تفسیر کی ہے۔ جن میں رازو نیاز کی باتیں بڑے انداز سے کہی ہیں۔ ان کے خلفاء میں ایک بزرگ مولوی سید انوار الرحمن صاحب تسلیم تھے جو بڑے زاہد، عالم، اور شگفتہ مزاج بزرگ تھے۔ ۱۰ غریز میاں صاحب نے، اجنوری ۱۲۵۸ھ کو وصال فرمایا۔ ان کے بڑے بھائی حسن میاں سجادہ نشین ہوئے۔ انھوں نے کل ۵۶ سال کی عمر پائی اور ۱۲۵۸ھ میں سجادہ کو رحلت کی۔ اب ان کے بڑے بیٹے حسن میاں سجادہ نشین ہیں۔ شاہ نیاز احمد صاحب کی خانقاہ کو غریز میاں کے زمانہ میں بڑی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ ان کی شخصیت میں بڑی کشش تھی متعلقین اور سالکین سلسلہ سے ان کے روابط بہت گہرے اور جفاکدہ نہ تھے۔

مسکین شاہ صاحب | شاہ نیاز احمد صاحب کے خلفاء میں ایک خاص مرتبہ کے مالک تھے۔ قصبہ کشتورواؤں کشمیر میں آپ کی ولادت ہوئی۔ بزرگ عہدہ قضا پر مامور تھے۔ آپ بھی کچھ غرض قاضی رہے۔ پھر سب سرمایہ راہ خدا میں لٹا کر دنیا سے کنارہ کش ہو گئے۔ سب سے پہلے قادریہ سلسلہ میں حضرت کنگال شاہ سے بیعت کی پھر نقشبندیہ سلسلہ میں حضرت شاہ غلام علی صاحب کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ سلسلہ وحدت وجود پر کچھ اطمینان چاہتے تھے۔ بالآخر شاہ نیاز احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ان ہی کے ہو گئے۔ حکیم محمد شاہ کشمیری نے ملفوظات مسکین ثناء میں ان کا یہ بیان نقل کیا ہے:

”ملفوظات تاج الشفقین حضرت مولانا نیاز احمد دامت برکاتہ فرام
نکردم بہش آنست کہ از ایشان خرقة تبرکاً یافته بودم نہ خلافتاً نہ

۱۔ ان کا کلام جو تصوف اور ادب کا گنجینہ ہے ”وجدان و عرفان“ کے نام سے ان کے صاحبزادہ سید صلیح الرحمن صاحب بخاری نے شائع کیا ہے۔ بڑا کراستان ہے پور، نیز ملاحظہ ہو تذکرہ سہل مرتبہ سید صلیح الرحمن بخاری (راجستھا بکٹ پور)۔ جے پور ۱۲۵۸ھ سراج السالکین، جلی ۱۳۵۸ھ اس کا کسی نسخہ انعام الحق صاحب کے لطف و کرم سے صحت حاصل ہوا۔

بائشتم

حضرت خواجہ محمد عاقلؒ

خواجہ محمد عاقلؒ، حضرت خواجہ نور محمد ہارویؒ کے ممتاز ترین خلفاء میں تھے۔ پنجاب میں نظامیہ سلسلہ کی اشاعت میں انھوں نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ چاچستان، کوٹ مٹھن، احمد پور وغیرہ مقامات کی خانقاہیں ان ہی کی کوششوں سے وجود میں آئیں۔
حاجی نجم الدین کا بیان ہے:

ہزار ہا مخلوق از دروازہ ایشاں
فیض یاب شدند، و صد ہا حبیب
ہزار ہا مخلوق نے ان کے دروازے
سے فیض پایا اور سینکڑوں صاحب
خانقاہ از ایشاں مبعوث شدند
خانقاہ ان سے مبعوث ہوئے۔

ان کے علمی تجربہ، پابندی شرع، بزرگانہ شفقت، اخلاق و مروت کا دور دورہ شہرہ تھا۔ لوگ بڑی عقیدت سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ یہ ان ہی کی پُر خلوص جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ پنجاب کے نہایت ہی دور افتادہ اور غیر معروف علاقوں میں مذہبی اور روحانی تعلیم کا پرچا ہو گیا اور ان کے خرم کمال کے خوشہ چین دور دور بھیل گئے۔

خاندان و نسب | خواجہ محمد عاقلؒ ایک معزز فاروقی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے اجداد کو شاہان مغلیہ اور امرا وقت کی نظروں میں خاص عزت حاصل تھی۔ اُن کے ایک بزرگ حضرت محبوب اللہ الصمد مخدوم نور محمد کا ارادت خاں (وزیر شاہ جہاں) مرید تھا۔ شاہ جہاں نے اُن کو پانچ ہزار سیکہ اراضی اخراجات کے واسطے دی تھی اور اس مضمون کا ایک فرمان عطا کیا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ
یَاْیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ
مورخہ بست و پنجم شہر ربیع الاول ۱۰۳۰
جلوس مطابق ۱۰۳۰ھ

بدین مضمون کہ

دریں زمان فرمان سعادت نشان فرخند
عنوان بغرض اینکہ موازی پنج ہزار سیکہ زمین
قابل زراعت از پرگنہ منگلوٹ سرکار صوبہ
دارالامان ملتان در وجہ مدد معاش بنام
خادمان کرامت نشان پیر و مرشد طریقت
ہادی راہ حقیقت را بہر راہ شریعت و معرفت
خواص بحر عرفان، زبدۃ خدا پرستان حضرت
قبلہ میاں صاحب مخدوم نور محمد کو رنجہ
دام اللہ ظلہ و شرفہ معہ فرزند ان از ابتدائے
فصل خریف بازگشت اری بہشت ۹۹۹ھ

فصلی مقرر است امر رفع القدر شرف
صدر دریافت کہ زمین مذکورہ بر میاں
صاحب معزالیہ عنایت فرمودیم کہ حاصل
آہنا فصل فیصل سال بسال صرف مایحتاج
خود نمودہ دعائے خیر دولت ابدیوند اشتغال
می فرمودہ باشند، باید کہ حکام و عمال و
جاگیرداران و کرداریاں حال و استقبال
و اہل پرگنہ اراضی مذکور در محل یہ جوہر حکم
اشرف الاعلیٰ ایں امر جلیل القدر را مستمر
دانستہ در زمین مذکور از مالیہ سرکار یک
صد و چہل چاہ چک بستہ و یک مسجد مبارک
و سرائے رنگین پختہ درس خواندن طالب
علمان ساختہ بتصرف میاں صاحب معز
الیہ و ہندو بوجہات و سائر حیات اخراجات
مثل مغلیہ پیش کش و جرمانہ و خالصانہ و
محصولانہ و دروغ گانہ و مہرانہ و دہائی مقدمی
و صدودی و قانوگوئی و ضبط ہر سال و تکرار
زراعت و کل تکالیف دیوانی و مطالبات
سلطانی مزاحمت فرمائند و در ہر سال و ہر
فصل سند مجدد و طلب بند واجب الارشاد عمل
نمودہ تخلف نوازند۔ تحریر بتاریخ

مناقب فریدی میں عالمگیر اور شاہان مابعد کے فرامین بھی درج ہیں جن سے
معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس جاگیر کو برقرار رکھا اور شاہ نور محمد کو رنجہ سے اپنی عقیدت

کا اظہار کیا۔

نور محمد کوریجہ کے تین فرزند تھے: (۱) سلطان مخدوم (۲) مخدوم محمد یعقوب (۳) حاجی محمد اسحق اول الذکر نے لاولد وصال فرمایا، موخر الذکر کی اولاد بہرون شعل ڈیرہ غازی خان میں آباد ہو گئی۔ محمد یعقوب کے دو بیٹے ہوئے:

(۱) مخدوم غلام حیدر۔ ان کا مزار دریائے سندھ کے کنارے یاراولی میں ہے۔

(۲) مخدوم محمد شریف۔ ان کے دو بیٹے تھے: ایک قاضی نور محمد، دوسرے قاضی محمد عاقل۔ لے

مخدوم محمد شریف یاراولی میں مقیم ہو گئے تھے اور وہاں ان کے کثیر تعداد میں مرید ہو گئے تھے۔ وہ بڑے متراس بزرگ تھے۔ زہد و ورع، قناعت و توکل میں یگانہ روزگار تھے۔ حاجی نجم الدینؒ نے لکھا ہے کہ وہ ”عالم باعمل“ اور ”صاحب برکت“ تھے۔ خواجہ گل محمد احمد پوری نے ان کو زہد و ورع میں لاثانی بتایا ہے۔

کوٹ مٹھن | مناقب فریدی میں کوٹ مٹھن کے آباد ہونے کے متعلق یہ روایت درج ہے کہ جب مخدوم محمد شریف یاراولی میں آکر آباد ہوئے تو مٹھن خاں بلوچ رئیس یاراولی ان کا مرید و معتقد ہو گیا۔ ایک دن آپ کا گذر اس جگہ سے ہوا جہاں اب کوٹ مٹھن آباد ہے۔ دریائے کنائے پر پرفضا مقام دیکھ کر آپ نے خان موصوف سے کہا کہ اس جگہ ایک شہر آباد کیا جائے اور وہ اللہ والوں کا مسکن ہو۔ خان نے یہ تجویز قبول کر لی۔ اور مخدوم سے گزارش کی کہ وہ خود اس مقام کو اپنا مستقر بنائیں۔ اس طرح کوٹ مٹھن جو جو میں آیا۔ مخدوم محمد شریف کی صحبت کی کشش نے دور دور سے علماء و مشائخ کو کھینچ لایا۔

اور اس کی حیثیت بہت جلد ایک روحانی مرکز کی ہو گئی۔

کوریجہ لقب | شاہ محمد عاقلؒ کا خاندانی لقب کوریجہ تھا۔ شاہی فرامین میں ان کے بزرگوں کے نام کے ساتھ یہ لقب ملتا ہے۔ حاجی نجم الدینؒ نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ خواجہ صاحب کے خاندان کے ایک بزرگ ایک دن مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گئے اور پوچھا کہ کیا کسی نے اذان کہہ دی ہے؟ لوگوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے مٹی کے ایک برتن کو جو قریب ہی رکھا تھا اٹھایا اور کہا کہ اے کوزہ تو اذان کہہ اس وقت سے ان کو ”کوریجہ“ کہنے لگے۔ کوزہ کو سندھی زبان میں ”کورا“ کہتے ہیں اور کہنے کے لئے ”جوا“ استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ لفظ کورا جو ہو گیا۔ جس کے معنی ہوئے کوزہ ہو گئے۔ رفتہ رفتہ کورا جو سے کوریجہ ہو گیا۔ لے

تعلیم | خواجہ محمد عاقلؒ نے بہت تھوڑی عمر میں کلام پاک حفظ کر لیا تھا۔ ان کے والد ماجد مخدوم محمد شریف جو ”حدث دوراں“ تھے خود ان کو تعلیم دیتے تھے۔ فاضل باپنے اپنے ہونہار بیٹے میں علم و ادب کا وہ ذوق و شوق پیدا کر دیا جو آخر عمر تک ان کا طرہ امتیاز رہا۔ اور جس سے ہزاروں شائقین علم و ادب نے فائدہ اٹھایا۔

خواجہ صاحب نے اپنے والد کے علاوہ شاہ فخر صاحبؒ اور خواجہ مہارویؒ سے بھی علمی استفادہ کیا تھا۔ شاہ فخر صاحبؒ نے ان کو شرح عبدالحق اور سوار السبیل کا درس دیا تھا۔ خواجہ مہارویؒ سے انھوں نے حدیث کی سند حاصل کی تھی۔

۱۔ مناقب المجاہدین ص ۱۱۹-۱۱۸ ۲۔ مناقب فریدی ص ۵۰

۳۔ شمس السیر الاولیاء ص ۱۳۹ ۴۔ مناقب المجاہدین ص ۱۲۱

۵۔ شمس السیر الاولیاء ص ۱۸۰-۱۷۹ پر سلسلہ حدیث اس طرح درج ہے:

شیخ محمد عاقلؒ، شیخ نور محمدؒ، شیخ فخر الدین دہلویؒ، شیخ نظام الغوریؒ ثم اورنگ آبادیؒ
شیخ حافظ محمد اسماعیل انصاریؒ اگلی ثم اورنگ آبادیؒ، شیخ محمد ابراہیم کردیؒ شہر اوزیؒ،
شیخ محمد ابراہیم کردیؒ

۱۔ مناقب فریدی ص ۳۸ ۲۔ مناقب المجاہدین ص ۱۱۹

۳۔ شمس السیر الاولیاء ص ۱۳۸ ۴۔ مناقب فریدی ص ۳۹

خواجہ صاحب کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ جزوی مسائل تک صحت اور حوالوں کے ساتھ یاد رہتے تھے۔ خواجہ گل محمد پوری کا بیان ہے کہ:

در عمر خود شرفاً نامثال آنحضرت
شرق و غرب میں ان جیسا اس زمانہ
در علم ظاہری ہم کسے نبود
میں علم ظاہری میں کوئی نہ تھا۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:

”خلوص علم از اصول و فروع بالمشابہ
بود کہ بدرجہ اجتہاد رسیدہ بود“

قیام مدارس اور سلسلہ درس و تدریس | خواجہ محمد عاقل کو ابتدائی سے درس و تدریس کا بڑا شوق تھا انھوں نے کوٹ مٹھن میں نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ایک مدرسہ قائم کیا۔ بڑے بڑے عالم اس مدرسہ میں درس و تدریس کے لئے مقرر کئے۔ وہ خود سو سے زیادہ طلباء کو درس دیتے تھے۔ مدرسہ کے ساتھ ہی ایک ننگر خانہ بھی تھا۔ جب آپ کوٹ مٹھن سے شرفی تشریف لے گئے تو وہاں بھی مدارس قائم کئے اور طلباء و اساتذہ کے لئے ننگر کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ ان کے قائم کئے ہوئے مدارس میں جن کتابوں کی تعلیم کا خصوصی ذکر ملتا ہے وہ یہ ہیں:

مشکوٰۃ شریف، احیاء العلوم، صحیح بخاری، لوائح و شرح قصیدہ، سو پہل
تسلیم، فصوص الحکم، شرح وقایع حواشی، ہدایہ، شرح مواقف، شرح
ہدایت الحکمۃ، میرا شتم، شرح عقاید، خیالی، مطول وغیرہ۔

خواجہ بہاروی کی خدمت میں | تحصیل علم کے بعد خواجہ محمد عاقل اور ان کے بڑے بھائی میاں نور محمد کو اصلاح باطن اور تزکیہ نفس کے لئے مرشد کامل کی تلاش اور جستجو پیدا ہوئی۔ اگرچہ خدان کے والد ماجد بڑے صاحب کمال بزرگ تھے لیکن

بقول خواجہ گل محمد

”اعیہ آنجناب شہباز بلند پر واز بود“

اسی اثنا میں خواجہ بہاروی کی شہرت سنی۔ اتفاقاً ان کے بڑے بھائی کی موضع یارن والی میں خواجہ بہاروی سے ملاقات بھی ہو گئی۔ پہلی ہی نظر میں یہ عالم ہو گیا:

”صوت و ہیبت آن بادشاہ گدا

لباس در گرفت“

اور زبان حال سے بے اختیار یہ اشعار پڑھنے لگے

بشہبائے سیہ کے بدامیدم

کہ روزے گرد دایں روز سفیدم

ششم را صبح فنیس روزی بر آید!

غم و رنج شبانہ روزی سرا آید

کہ بودم مگر ہی در ظلمت شب

رسیدہ جان ز گمراہیم بر لب

برآمد از افق رخشنده ماسے

بکوسے دوستم بنمود را ہے

اسی رات کو ایک قاصد خواجہ محمد عاقل کو بلانے کے لئے کوٹ مٹھن بھیجا گیا وہ فوراً آگئے اور اوج میں خواجہ نور محمد کے دست خن پرست پر بیعت ہو گئے۔

دہلی کا سفر اور شاہ فخر صاحب کی خدمت میں حاضری | خواجہ محمد عاقل کو کئی مرتبہ

۱۳۵ھ تک سیر الاولیاء ص ۱۳۴ ۱۳۵ھ تک سیر الاولیاء ص ۱۳۴

۱۳۵ھ مناقب فریدی میں ان کے تین مرتبہ دہلی تشریف لانے کا ذکر ہے۔ ۱۳۵ھ میں لکھا ہے کہ دو مرتبہ دہلی گئے (ص ۱۳۵)

مناقب المحبیین نے فیصلہ نہیں کیا ہے بلکہ لکھا ہے کہ دو مرتبہ رفتہ آمد۔ ص ۵۹/۶۰

۱۳۹ھ تک سیر الاولیاء ص ۱۳۹ ۱۳۹ھ ایضاً

۱۴۰ھ تک سیر الاولیاء ص ۱۴۰ ۱۴۰ھ ایضاً

شاہ فخر صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی پہلی بار جب وہ خواجہ مہارویؒ کی ہمراہی میں مہار سے دہلی تشریف لائے تھے تو سارا سفر پیادہ کیا تھا۔ جب مرشد نے اس کا سبب دریافت کیا تو عرض کیا "میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ حضرت شاہ فخر صاحبؒ کی زیارت کو پیادہ جاؤں گا" دوسری مرتبہ وہ دہلی اس طرح آئے کہ پہلے اپنے وطن سے مہار خواجہ مہارویؒ کی خدمت میں گئے، وہاں معلوم ہوا کہ خواجہ صاحبؒ دہلی تشریف لے گئے ہیں چنانچہ فوراً دہلی کا رخ کر دیا۔ دہلی پہنچے تو شاہ فخر صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے کچھ پاس نہ تھا۔ صرف ایک لوٹا تھا اس کو فروخت کر کے مٹھائی خریدی۔ خواجہ مہارویؒ کو اس کا علم ہوا تو دواشر فیاں دیں کہ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر دو۔

مناقب فریدی میں لکھا ہے کہ دوسری بار جب وہ شاہ فخر صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تھے، تو علاوہ فیض باطنی کے کچھ مسائل تصوف بھی سمجھتے تھے، مناقب المجویں کا بیان ہے کہ انھوں نے شاہ فخر صاحبؒ سے شرح عبدالحق اور سوار اسبیل پڑھی تھیں آخری بار جب وہ مولانا فخر صاحبؒ سے رخصت ہوئے تو انھوں نے چار کتابیں عنایت فرمائی تھیں۔ (۱) مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اس پر مولانا کے ہاتھ کا حاشیہ لکھا ہوا تھا۔ مناقب المجویں کے مصنف نے اس نسخہ کی زیارت کی تھی۔ (۲) کتاب مطول۔ (۳) سوار اسبیل۔ (۴) ایک مجموعہ جس میں لوانج جامی، شرح رباعیات جامی وغیرہ تھی۔

۱۔ وہ تخلص ۱۳۷ مناقب المجویں میں لکھا ہے کہ خواجہ مہارویؒ نے ۱۲۴۲ شریاں پیش کرنے کے لئے دی تھیں۔ (ص ۱۱۲)

۲۔ مناقب فریدی ص ۵۸

۳۔ وہ مناقب المجویں ص ۱۲۱

قاضی صاحبؒ نے جتنے مجاہدے کئے ہیں مشکل سے کوئی دوسرا شخص کر سکتا ہے۔ ذکر جہ میں ان کو بڑی دلچسپی تھی۔ آخر زمانہ میں بھی، جب ان کا بدن پرانہ سالی کے باعث کمزور اور نحیف ہو گیا تھا، وہ نہایت پابندی سے ذکر جہ کرتے تھے۔ ان کے ذکر کی آواز میلوں تک جاتی تھی۔ نواب غازی الدین خاں نے اسماء الابرار میں لکھا ہے کہ قاضی صاحبؒ کے ذکر کی آواز مہار سے شہر فرید تک (جو تین چار میل کے فاصلہ پر ہے) جاتی تھی۔

قاضی صاحبؒ "حبس دم" کی بھی مشق کرتے تھے۔ خواجہ گل محمد کا بیان ہے کہ انھوں نے مجاہدہ حبس دم کو کمال تک پہنچا دیا تھا۔ فرمایا کرتے تھے:

شغل حبس مثل مار بنج است ہر کہ شغل حبس دم خزانے پر سانپ کی نڈ

از گزند او تر سد گنج می رسد۔

ہے جو اس کے نقصان سے نہیں ڈرتا وہ خزانہ تک پہنچ جاتا ہے۔

عبادت میں مشغولیت کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات ان لوگوں سے جو لاناغہ حاضر خدمت ہوتے تھے، یہ دریافت فرماتے تھے کہ اتنے دنوں کہاں رہے۔ کوئی جواب میں عرض کرتا کہ بندہ تو روزانہ حاضر ہوتا ہے تو فرماتے "من ندیدہ ام"۔

فیدو بند کے مصائب قاضی محمد عاقل کے بڑے بھائی قاضی نور محمد ڈیرہ غازی خاں میں بھیکے لیتے تھے۔ ایک مرتبہ بھیکے کی رقم ادا نہ ہوئی تو ناظم ڈیرہ نے شاہ محمد عاقلؒ کو جو ضامن تھے، حراست میں لے لیا۔ ۹ مہینے تک شاہ صاحبؒ نے قید و بند کے مصائب برداشت کئے۔ اس زمانہ میں بھی انھوں نے اپنا سارا وقت عبادت اور ریاضت میں صرف کیا۔ رہائی کے بعد فرمایا کرتے تھے۔

۱۔ تخلص سیر الاولیاء ص ۱۳۷

۲۔ تخلص سیر الاولیاء ص ۱۳۸

۳۔ بحوالہ مناقب المجویں ص ۱۱۹

۴۔ تخلص سیر الاولیاء ص ۱۳۵

اگر آں نہ ماہ مرا بدست نمی آمد
اگر وہ تو ہمیں (قید و بند کے) مجھے میسر
شاید از نتیجہ شغل بنصیب نمی فتم
نہ آتے تو شاید شغل کے ثمرہ سے محروم رہتا۔

قید کے زمانہ میں پیر و مرشد کی جانب سے حضرت نارووال صاحبؒ نے
متعدد بار رہائی کے لئے اعمال ان کے پاس بھیجے۔ لیکن انھوں نے کوئی عمل نہیں
پڑھا۔ بعد کو جب لوگوں نے عمل نہ پڑھنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

”برائے خلاص نفس خود عمل کردن حیادامن گیر می شد“^۱
مقبولیت | خلافت ملنے کے بعد کچھ عرصہ تک خواجہ محمد اقلؒ نے سلسلہ کی اشاعت
کی طرف توجہ نہیں کی۔ شیخ ہارونیؒ کو علم ہوا تو نہایت سختی کے ساتھ لکھا کہ ”تم
فیض کو عام کیوں نہیں کرتے اور خلق اللہ کو داخل سلسلہ کیوں نہیں کرتے میں
اس کی اطلاع شاہ فخر صاحبؒ کو کروں گا۔“ یہ سن کر خواجہ صاحب لرز گئے اور
نہایت ادب سے عرض کیا:

کہرام کس پیش من آمده است
کون شخص ایسا ہے جو میرے پاس آیا
کہ آں رد نمود۔ اگر مرضی مبارک
ہوا و میں نے اسے رد کر دیا ہو۔ اگر
باشد خود بہ خود بگویم“
آنجناب کی مرضی ہو تو خود بخود اس
کی تحریک کر دیا کروں۔ ذکر وہ میرا

مرید ہو جائے۔

اپنے مرید کا یہ انگسار اور عجز دیکھ کر خواجہ ہارونیؒ کو جوش آگیا۔ فرمانے لگے:

اے میاں صاحب! روزے
میاں صاحب! ایک دن آئے گا
باشد کہ ملائک آسمان بناں شما
کہ آسمان کے فرشتے تمہارے نام کی بنا
منادی دہند، و حلائق از شرق
کریں گے اور خلقت مشرق اور غرب سے

و غرب بر آستان شما جہہ ساینند
تمہارے آستان پر جہہ سانی کرے گی
سبحان اللہ! شما می فرمایند کہ
سبحان اللہ! تم کہتے ہو کہ میرے پاس
پیش من کسے نمی آید۔
کوئی نہیں آتا۔

تھوڑے ہی دنوں بعد پیر کی پیشین گوئی صحیح ہوئی اور عقیدت مندوں کے
ہجوم ان کے گرد لگ گئے۔

فتوح اور لنگر | قاضی صاحب کا لنگر ابتدائی زمانہ سے ہی جاری تھا۔ طلباء
اور فقرا کو اس سے کھانا ملتا تھا۔ لیکن ایک زمانہ شاہ صاحبؒ پر ایسا بھی گذرنا تھا
کہ مسلسل فاقہ رہتا تھا اور لنگر کے سب متعلقین، فقرا اور طلباء کو یہ مصائب برداشت
کرنے پڑتے تھے۔

خواجہ گل محمد احمد پوریؒ اس تنگی اور عسرت کے زمانہ میں قاضی صاحبؒ کی
خانقاہ میں رہتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب فتوح میسر نہ آتی تو کچھ نہ پکاتا تھا۔
بب کچھ آجاتا تو کھانے کا انتظام ہو جاتا۔ لیکن خود خواجہ صاحب کا عالم یہ تھا کہ
جب تک تمام متعلقین، درویش اور طالب علم کھانا نہ کھا لیتے، خود کھانے کو ہاتھ
تک نہ لگاتے تھے۔

خواجہ گل محمدؒ ہی نے لکھا ہے کہ ان کے متعلقین وغیرہ کی تعداد پانچ سو تھی اور یہ
تعداد اس وقت تھی جب فقر و فاقہ کے مصائب بھی برداشت کرنے پڑتے تھے۔ جب
باب فتوح کھل گیا تو لنگر سے کھانے والوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ اندازہ لگانا
مشکل ہو گیا۔ لکھا ہے:

در آں وقت نہ وار دین را تعداد
اس وقت دینے والوں کا شمار تھا،
بود، نہ طعام را انداز، یکے دربار
نہ کھانے کا انداز۔ ایک شامی دربار
شا منشی بود۔
تھا (جو چلتا رہتا تھا)

اتباع سنت | خواجہ محمد عاقلؒ اتباع سنت کا خاص لحاظ رکھتے تھے ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ احکام شریعت اور سنت نبویؐ پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ صال سے کچھ پہلے حضور سرور کائناتؐ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں :
”تو مارا بسیار خوش کردی کہ ہمیں سنتہائے مارا زندہ کردی“

خواجہ جلال پوری فرمایا کرتے تھے کہ ان کو درجہ فنا فی الرسولؐ حاصل تھا۔
توزیع اوقات | خواجہ محمد عاقلؒ اپنے اوقات کے بہت پابند تھے۔ مغرب کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد شغل و ذکر میں مصروف ہو جاتے تھے۔ پھر کھانا کھا کر عشر کی نماز باجماعت پڑھتے تھے۔ اس کے بعد مہربانوں کی تعلیم و تربیت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ آدھی رات تک یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔ تہجد کی نماز پڑھ کر ذکر جہ کرتے تھے اور قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے۔ طلباء کو درس شام کے وقت دیتے تھے۔ ڈیڑھ پہر دن باقی ہوتا تھا کہ ان کا حلقہ درس شروع ہو جاتا تھا۔

لباس و خوراک | خواجہ صاحبؒ عمدہ لباس زیب تن فرماتے تھے۔ شاہ فخر حسنؒ نے ہدایت کی تھی کہ لطیف لباس اور لطیف غذا استعمال کرنا۔ یہ نصیحت سن کر ان کو بہت تعجب ہوا تھا لیکن پھر جب انھوں نے رسالہ خواجہ عبید اللہؒ حرار میں لکھا دیکھا کہ

سائل کو چاہیے کہ غذا اور لباس
لطیف استعمال کن۔ کہ انوار
لطیف وار دمی شود۔
سائل را باید کہ غذا و لباس
لطیف استعمال کرے اس طرح
لطیف انوار قلب پر وارد ہوتے ہیں۔

۱ مناقب المہجوبین ص ۱۲۳

۲ ذکر حبیب ص ۸۰-۷۹

۳ مناقب فریدی ص ۵۵-۵۴ ؛ تکریم الاولیاء ص ۱۲۲

۴ تکریم سیر الاولیاء ص ۱۲۲ ؛ مناقب فریدی ص ۵۵

نوشاہ فخر صاحبؒ کی نصیحت کی حکمت ان کے ذہن نشین ہو گئی۔
خواجہ صاحبؒ کا مقصد سینے پر سے چاک رہتا تھا۔ کلاہ قادری سر پہ ہوتی تھی۔ جب باہر تشریف لے جاتے تو سر مبارک پر دستار یا سلاخی انگلی باندھ لیتے تھے۔ تکملہ میں ان کے لباس کے متعلق لکھا ہے :

پا جامہ از توسیلہ سیاہ و یا تہ بند سیاہ
مستقل می شد و بر دوش لوگی تھریا الاچہ
یاد و پیہ یا سلاخی بہر کیف می مستقل می شد

ریشمین کپڑا کبھی استعمال نہ کرتے تھے۔

خواجہ صاحبؒ بہت قلیل الطعام تھے۔ تکملہ میں لکھا ہے :
در اکل و شرب آل حضرت از شصت و ہشت درم ارد ہفت
نان تنک و نرم تیار کردہ می شد بایں طریق کہ بر تباہ نیم چختہ
نمودہ بعد ازاں برا خگرہ با تمام پختہ می شد بایں صورت نان
تمام نرم می شود۔ ازاں نانہاد و نیم نان گہے
سر بشور بہ چوزہ یا دال مونگ یا شلغم تناول می فرمودند و ہم
چہین وقت شب می کردند

اخلاق | شاہ صاحبؒ کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔ امیر و غریب، بوڑھے اور جوان سب ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور وہ سب سے یکساں شفقت اور انکساری ملتے تھے۔ ہر ملنے والا یہ سمجھتا تھا کہ جس قدر التفات و اکرام اس پر ہے کسی پر نہیں۔ اکثر اوقات ایسا دیکھا گیا کہ بعض لوگوں نے بازو پکڑ کر اپنی طرف رجوع کیا، لیکن آپ نے نہایت خندہ پیشانی اور محبت سے ان کو جواب دیا۔ لوگ زور زور سے گفتگو کرتے لیکن

۱ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۳ ؛ مناقب فریدی ص ۵۵

۲ تکملہ ص ۱۲۳

اسی دن شاہ صاحبؒ نے انتقال فرمایا۔ شہزادی سے کوٹ ٹھن کے لاکر سپرد خاک کیا گیا۔ ۱۷

۸ رجب ۱۲۲۹ھ کو یہ واقعہ پیش آیا۔ تاریخ وصال ہے ۱۷

دل ز داغ درد پر سوز و لہب

جاں بلب شد چوں سخن گوید بلب

رفت از دارفتا سوئے بقا

رہبر دین ہدیٰ عالی نسب

منظر نور محمد، خضر دین

شہ محمد عاقل، محبوب رب

ہادی خلق خدا رفت از یہاں

حسرتا درد اورینا صد عجب

آہ و اویلا و صدا فسوس و درد

کز جہاں نور جہاں شد محتجب

نہم ہی گشت و نماندہ صاف درد

درد باقی بہر مست و مضطرب

چونکہ تاریخ و مہ سال وصال

از دل پُر درد خود کردم طلب

۱۷ خواجہ صاحبؒ کا حجاز ابتدا میں کوٹ ٹھن کے قدیم شہر میں تھا۔ ۱۹۱۹ء میں دریائے

سندھ کے سیلاب میں قدیم شہر غرق ہو گیا اور حجاز کو بھی نقصان پہنچا۔ جس مبارک کو

اس کے موجودہ مقام پر لاکر دفن کر دیا گیا۔ دیکھئے

At A. Rose, Glossary of the tribes and
Castes of the Punjab and North-West
Frontier Province, I p. 599

آپ نہایت آہستگی اور خندہ روئی سے ان کو مطمئن کرتے۔ بعض مرتبہ خود ہنس کر فرمایا
کرتے تھے کہ لوگ میرے بازو پکڑ کر اور زور زور سے چیخ کر مخاطب کرتے ہیں، گویا میں
بہرا ہوں۔ ۱۷

اصلاح مریدین | شاہ محمد عاقلؒ اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف
خاص توجہ فرماتے تھے۔ وہ ان میں صحیح مذہبی جذبات، خدا پر بھروسہ اور اس سے
ہر مشکل میں مدد مانگنے کا صحیح جذبہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ایک مرتبہ چچک کے عمل کے
متعلق ذکر پورہا تھا۔ فرمانے لگے:

نسبت اثر بخود کردن عین شرک است

موثر حقیقی حق تعالیٰ است ۱۷

شامان مغلیہ کی عقیدت | اکبر شاہ ثانی نے شاہزادہ جہاں خسرو اور کاؤس شکوہ کو
قاضی محمد عاقل صاحبؒ کا مرید کرایا تھا۔ بہادر شاہ ظفر کو ان سے بہت عقیدت تھی۔
ایک شعر میں کہتا ہے ۱۷

دل فدا کرتے ہیں نام فخر دین پرانے ظفر

ہم ہیں عاقل ربط عاقل سے دلی رکھتے ہیں ہم

وصال | قاضی صاحبؒ تقریباً چار مہینے تک علیل رہے۔ ایک دن فرمانے لگے:

امروز در تمام ہرج سفر کشیدیم خوب شد

کہ بہ منزل رسیدیم ۱۷

حاضرین حیران ہو گئے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ خواجہ گل محمد احمد پوریؒ یہ الفاظ سن کر رونے لگے

۱۷ تذکرہ سیر الاولیاء ص ۱۲۴

۱۷ تذکرہ ص ۱۹۵

۱۷ مناقب فریدی ص ۳۶

۱۷ تذکرہ سیر الاولیاء ص ۱۵۱

سرسر جیب بخودی برگردو گفت

روز ہشتم بود از ماہ رجب

سجادہ نشین قاضی محمد عاقل صاحب کے بعد ان کے صاحبزادے میاں احمد علی سجادہ نشین ہوئے۔ وہ بڑے پایہ کے عالم تھے۔ طبیعت سادہ پائی تھی۔ فطرتاً خلق تھے۔ ۹ شعبان ۱۲۳۱ھ کو وصال فرمایا۔ کوٹ ٹھن میں سپرد خاک کئے گئے میاں احمد علی کے دولٹر کے تھے:

(۱) میاں خدا بخش

(۲) خواجہ تاج محمد

میاں احمد علی کے بعد میاں خدا بخش مسند نشین ہوئے۔ کچھ دنوں کوٹ ٹھن میں رہے، پھر چاچڑان کو اپنا مستقر بنا لیا۔ مصنف تکملہ نے ان کی نسبت لکھا ہے:

انوار اسرار از ناصیہ مبارک او ہویدا است

کہ مثل ایں وجود شریف کم کسے دیدہ باشد۔

در علم و حلم و جاہ و سخا دریں زمانہ عدیل او کسے

نیست، و قدم بر قدم جہ خود حضرت سلطان

الاولیاری رود۔ و ترک یک مستحب ازالہ ات

فائز البرکات نیامدہ باشد۔

مرزا محمود شاہ کے دو شعرا کے متعلق بہت مشہور ہیں۔

فقر گر خواہی برودر چاچڑان ہست محکم فیض حق سرکار ما

بن گیا کامل جو پہونچا چاچڑان میرے مرشد کا عجب دربار ہے

میاں خدا بخش مرجع خلائق بزرگ تھے۔ لوگ بہت عقیدت سے ان کی خدمت

میں حاضر ہوتے تھے۔ ننگر سے نفیس کھانے آنے والوں کو ملتے تھے۔ لیکن خود ان کی گذراوقات سوکھی روٹی پر تھی۔ بیماریوں کی دیکھ بھال کے لئے ایک طبیب ملازم تھا۔ دواخانہ کا پورا اہتمام تھا، خود مریضوں کی دیکھ بھال اور عیادت فرمایا کرتے تھے۔ لکھا ہے کہ ان کے یہاں آنے والوں کی اس قدر کثرت تھی اور اس قدر زمیندار اور رئیس ان کی آستانہ بوسی کو حاضر ہوتے تھے کہ بارہ بارہ من عند روزانہ گھوڑوں کے خرچ میں آتا تھا۔

اتباع شریعت کا بڑا خیال رہتا تھا۔ مصنف مناقب فریدی کا بیان ہے کہ ذات بابرکات سے کبھی کوئی سنت ترک نہیں ہوئی۔

اس زمانہ میں سکھوں کے مظالم کی خبریں ڈیرہ غازی خاں سے ان تک پہنچیں۔ مسلمانوں نے خود ان کے مظالم بیان کئے اور کہا کہ وہ نماز پڑھنے، اذان دینے اور تلاوت قرآن کرنے کو منع کرتے ہیں۔ اور عدول حکمی پر قتل کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی دردناک داستانیں سن کر ان کا دل بھرا یا اور فرمانے لگے: ”مسلمان بھائیوں پر ظلم نہیں دیکھا جاتا“ لکھا ہے کہ انھوں نے ان مظالم سے تنگ آکر ہجرت کا ارادہ کر لیا تھا۔

میاں صاحب نے کبھی نواب راجاؤں سے جاگیریں قبول نہیں کیں۔ نواب بھاول پور نے چند موضع پیش کئے تو فرمایا: میرے پیروں نے کبھی کسی کی ایسی چیز قبول نہیں کی۔ دو مرتبے یہ کہ جب ریاست اور زمینداری ہوئی تو مال گزاری وغیرہ کو پیش آئیں گے اور کبھی نہ کبھی عدالت تک جانا ہوگا۔ جب ان کاموں میں مصروف ہو تو پھر فقیر کی کہاں۔ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔

۱ مناقب فریدی ص ۷۷

۲ مناقب فریدی ص ۸۱

۳ مناقب فریدی ص ۷۵ ۷۶ مناقب فریدی ص ۷۵

۴ مناقب فریدی ص ۷۶ - ۷۵، ۷۶، ۷۸

۱ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۵۳

۲ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۵۵

میاں صاحب درس کے معاملہ میں نہایت سختی اور پابندی سے کام لیتے تھے ان کے زمانہ میں کئی مدرسے جاری رہے۔ وہ خود صبح کے وقت حدیث وفقہ و تصوف کا درس دیتے تھے۔ ان کے ملفوظات ”سرولہان“ حقائق و معارف کا گنجینہ ہیں۔
میاں خدابخش صاحب نے ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ کو وصال فرمایا۔ مزار کوٹ ٹھن میں ہے۔ خلفاء میں یہ بزرگ مشہور ہیں:

- | | | | |
|---|------------------------|---|----------------------|
| ① | غلام فخر الدین | ⑥ | مخدوم عنایت شاہ |
| ② | صاحبزادہ نصیر بخش | ⑦ | حیدر بخش |
| ③ | کریم حیدر | ⑧ | قاضی فتح محمد ملتانی |
| ④ | مولوی غلام کبریا | ⑨ | سید لال شاہ |
| ⑤ | مولوی محمد صالح ملتانی | | |

میاں خدابخش صاحب کے دو صاحبزادے تھے:

- | | | | |
|---|-----------------------|---|------------------|
| ① | مولانا غلام فخر الدین | ② | مولانا غلام فرید |
|---|-----------------------|---|------------------|

میاں صاحب کے بعد مولانا غلام فخر الدین مسند نشین ہوئے۔ وہ نہایت درجہ شرع کے پابند تھے۔ بڑا قوی حافظہ تھا۔ احادیث نبوی نوک زبان پر رہتی تھیں۔ آراضی جو دالیان ریاست بھاؤل پور نے حضرت میاں خدابخش صاحب کو پیش کی تھی اور انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا وہ انھوں نے قبول کر لی تھی۔ چاوی الاولیٰ ۱۲۸۱ھ کو وصال فرمایا اور اپنے والد کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے۔ ان کے بعد مولانا غلام فرید بجاہ نشین ہوئے۔ خاتم سلیمانی میں لکھا ہے:
خواجہ غلام فرید جشتی چاچڑان شریف وائے بڑے ولی کامل گذرے

- | | | | |
|---|------------------------------|---|---------------------------|
| ۱ | مناقب فریدی ص ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳ | ۲ | مطبع مصطفائی، لاہور ۱۳۸۷ھ |
| ۳ | مناقب فریدی ص ۸۹-۹۲-۹۴ | ۴ | ایضاً ص ۸۹-۹۲-۹۴ |
| ۵ | ایضاً ص ۸۹-۹۲-۹۴ | | |

ہیں ہمیشہ عشق الہی میں محو رہتے تھے۔ ان کی پنجابی، فارسی اور اردو شاعری میں بے کشش اور تاثیر ہے۔ پنجاب میں اسکے ذریعہ تصوف کے افکار و نظریات کی ترویج میں بڑی مدد ملی۔ خلافت کے معاملہ میں نہایت سخت گیر تھے۔ انھوں نے صرف ان لوگوں کو خلافت دی جو عارف کے اصولوں پر عامل تھے۔ ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء کو وصال فرمایا۔
میاں تاج محمود | میاں احمد علی کے دوسرے صاحبزادے، میاں تاج محمود سے بھی نظامیہ سلسلہ کی خوب ترویج ہوئی۔ ان کے پانچ صاحبزادے تھے:

- | | | | |
|---|-----------------|---|----------------|
| ① | خواجہ محمد شریف | ④ | خواجہ شیر محمد |
| ② | خواجہ گل محمد | ⑤ | خواجہ غوث بخش |
| ③ | خواجہ خیر محمد | | |

ان پانچوں صاحبزادوں نے سلسلہ کو فروغ دیا۔ میاں غوث بخش کے ایک صاحبزادے میاں ہوت تھے۔ ان کے صاحبزادے میاں عبداللہ تھے۔ ان سے بھی سلسلہ کو خوب ترقی ہوئی۔

میاں تاج محمود کے مشہور خلفاء یہ تھے۔

- | | | | |
|---|------------------|-------|--------------|
| ① | میاں فضل علی خاں | _____ | مزار سکھانی |
| ② | میاں محمد | _____ | مزار کوٹ ٹھن |
| ③ | مولوی محمد حامد | _____ | ساکن شدانی |
| ④ | مولوی چندودہ | _____ | مزار سید پور |

خلیفہ اکبر | خواجہ محمد عاقل کے سب سے پہلے خلیفہ تھے۔ خواجہ صاحب ہر معاملہ میں ان سے مشورہ کرتے تھے اور ان ہی کی سفارش پر خلافت عطا فرمایا کرتے تھے۔ قاضی صاحب کے مریدوں کی اصلاح و تربیت بھی فرماتے تھے۔ خواجہ گل محمد چوہدری

- | | |
|---|------------------------|
| ۱ | خاتم سلیمانی ص ۱۴۳ |
| ۲ | مناقب الجوبین ص ۹۴ |
| ۳ | نگار سیرالاولیاء ص ۱۵۸ |

انہوں نے کشکول پڑھائی تھی۔ انہوں نے ۳۰ رجب الآخر ۱۲۳۹ھ کو وصال فرمایا۔
مولوی عبد اللہ ^{۱۲۳۹ھ} خواجہ محمد عاقلؒ کے خلیفہ تھے۔ بے حد مجاہدہ کیا تھا۔ سیاحت بھی
کافی کی تھی۔ جید عالم تھے۔ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کی مشہور کتاب نسیم کی شرح نسیم کے
نام سے لکھی تھی۔ ایسا غوجی پران کا حاشیہ بہت مشہور تھا۔ ان کا مزار احمد پور میں ہے۔
مولوی محمد اعظم ^{۱۲۳۹ھ} قاضی صاحب کے عزیز ترین خلفاء میں تھے سفر و حضر میں شیخ کے ساتھ
رہتے تھے۔ خواجہ گل محمد اور ان میں بڑی محبت تھی۔ ایک پیالہ میں کھاتے اور ایک
لحاف میں سوتے تھے۔ ۲۰ رجب الآخر ۱۲۳۹ھ کو وصال فرمایا۔
میاں شریف ^{۱۲۳۹ھ} قاضی صاحب کے خلیفہ تھے۔ انہوں نے سلسلہ کی اشاعت میں
خاص حصہ لیا۔ تکملہ میں لکھا ہے:

ازاں حضرت خلافت یافتہ و بسیار خلق اللہ از دست
مبارک ایشان در سلسلہ سلطان الاولیاء داخل شدہ
ومی شوند، اللہ تبارک و تعالیٰ بکرم و فضل خود روز افزوں
دارد و در سلوک مریدان روشن غریب و منط عجیب دارند
و از مشاہدہ و کاشفہ او نشان بسیار معاملہ شہرہ آفاق
است۔“

ان کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے میاں بشیر الدین نے پھر میاں محکم الدین
اور میاں محمد غوث وغیرہ نے سلسلہ کو جاری رکھا۔
مولوی گل حسن ^{۱۲۳۹ھ} قاضی محمد عاقلؒ کے مرید تھے۔ شاعر خوش گو تھے۔ قاضی صاحب کو
ان کا کلام بہت پسند تھا۔ وحدت وجود ان کا خاص موضوع تھا۔ اُن کی ایک غزل
یہ ہے۔

چوں زخود بیرون شدم خود آں شدم
چوں زجاں بالاشدم جاناں شدم

تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۵۸

زندہ بودم پیش ازیں ازجاں کنوں
جاں ز من شد زندہ من جاناں شدم
عشق بودم عشق مارا محو کرد
ذات پاک از جملہ الوان شدم
نیستم در خود کہ میگویم ز خود
من بری از کفر و از ایمان شدم
گل حسن در کسوت بلبل نگر
منغمہ ہائے عشق را گویاں شدم

خواجہ گل محمد احمد پوری ^{۱۲۳۹ھ} بڑے عالم تھے۔ قاضی صاحب کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔
۹ محرم ۱۲۳۹ھ کو احمد پور علاقہ بھاؤل پور میں وصال فرمایا تھا۔ بزرگان سلسلہ کے
حالات میں ایک کتاب تکملہ سیر الاولیاء تصنیف کی تھی۔ تکملہ کے خاتمہ پر محمد نجیم الدین
سجاد نشین خانقاہ نے ایک تتمہ کا اضافہ کیا تھا، اس میں خواجہ احمد پوریؒ کے حالات درج
ہیں۔

بافتہ

حضرت حافظ محمد جمال ملتانیؒ

ملتان، اسلامی ہند کی ابتدا سے سہروردیہ سلسلہ کا مرکز رہا ہے۔ حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانیؒ نے یہاں سہروردیہ سلسلہ کی ایسی عظیم الشان خانقاہ قائم کی تھی کہ ملتان و منصورہ کا سارا علاقہ ان کا حلقہ بگوش ہو گیا تھا۔ صدیوں تک اس خطہ میں سہروردیہ سلسلہ کے علاوہ کسی دوسرے سلسلہ کو اقتدار حاصل نہیں ہوا۔ اٹھارویں صدی میں وہاں جس شخص نے چشتیہ سلسلہ کا کام سب سے پہلے شروع کیا وہ حضرت خواجہ نور محمد بہارویؒ کے ایک عظیم المرتبت خلیفہ حافظ محمد جمالؒ تھے۔ وہ علم و عمل کی بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اگر ایک طرف روحانی اور علمی اعتبار سے ان کا پایہ بلند تھا، تو دوسری طرف شجاعت و تہور، مجاہدانہ جذبات اور سرفروشی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ حضرت بہارویؒ نے ان کو ملتان میں چشتیہ سلسلہ کی ترویج و تبلیغ کی غرض سے شاہ فخر صاحبؒ کے اشارہ پر تعین کیا تھا۔ لکھا ہے —

ایک دن حضرت شاہ فخر صاحبؒ کی	روزے در مجلس حضرت مولانا
مجلس میں حضرت بہاروی بیٹھے ہوئے	صاحبؒ حضرت قبلہ عالم نمائندہ
تھے۔ حافظ صاحبؒ بھی وہاں تھے۔	بودند و حافظ صاحبؒ ہم در آنجا

فوراً ہمارے کوروانہ ہو گئے اور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید کرنے کی درخواست قبلہ عالم نے پوچھا "تم نے کچھ ظاہری علم بھی حاصل کیا ہے؟" کثر نفسی سے عرض قرآن پاک اور نماز روزہ سے متعلق کچھ مسائل پڑھے ہیں۔ قبلہ عالم کا یہ اصول تھا کہ علماء کو اپنے ساتھ کھانا کھلاتے تھے۔ کھانے کے وقت جب مولوی محمد حسین نے (جو قبلہ عالم کے عزیز مرید اور محرم راز تھے) حافظ صاحب کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے، معانقہ کیا اور حالات دریافت کئے۔ قبلہ عالم نے یہ دیکھا تو فوراً دریافت کیا "کیا تم ان کو جانتے ہو؟" مولوی محمد حسین نے عرض کیا "ہم دونوں نے ایک ہی استاد سے پڑھا ہے۔ یہ بڑے جید عالم ہیں۔ ہم لوگ جو ان کے ہم جماعت تھے ان کو اپنی طالب علمی کے زمانہ میں "علامۃ العصر" کہا کرتے تھے۔ یہ سن کر قبلہ عالم حافظ صاحب کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ آپ نے اپنا علم ہم سے کیوں چھپایا تھا عرض کیا:

"قبلہ من، شنیدہ ام گروہ فقہار
از فرقہ علماء نفرت دارند لهذا
علم خود را از حضور پنهان داشتیم
قبلہ عالم نے جواب دیا:

"حافظ صاحب! مایاں طالبان
عالمائیم ما را علماء می شناسند،
جابل چه خواہ ساخت، مایاں
از فرقہ علماء بسیار خوشیم"

اسی دن سے حافظ صاحب! قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر رہنے لگے۔ پیر سے تعلق رفتہ رفتہ عشق کی حد تک پہنچ گیا اور سفر و حضر تک میں اپنے شیخ سے جدا نہ ہوتے تھے۔ عرصہ تک انھوں نے آفتاب برداری اور وضو کرانے کی خدمت انجام

نہشتہ بودند تذکرہ ایں افتاد کہ
در ملتان تصرف بیج دلی عظمت
بہاؤ الدین زکریا ملتانی پیش
نمی رود۔ و بیج شیخ در آنجا کئے
بیعت نمی کند۔ مولانا صاحب
فرمودند میاں نور محمد صاحب! تا ہنوز بہ ملتان ولایت بہاؤ الحق بود۔ لهذا تصرف ولی دیگر کارگر نمی شد، اماں حال ملتان جوالہ مایاں شدہ است کہ مریدے از مریدان خود در آنجا فرسند و بگویند کہ در بیج خانقاہ بہاؤ الحق زکریا غلق رام بد، تصرف خود کند

قبلہ عالم نے دہلی سے واپسی پر حجتہ اسب کو ملتان پہنچ دیا۔ انھوں نے مولوی خدابخش کو خانقاہ بہاؤ الحق میں بیٹھ کر دیکھا۔

قبلہ عالم کی خدمت میں حاضری | حافظ محمد جمال صاحب کا ابتدائی زمانہ تھا کہ مرشد کی تلاش شروع ہوئی۔ اسی جستجو اور فکر میں حضرت شیخ رکن الدین ملتانی کے مزار مقدس پر حاضر ہوئے، اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ ہر شب کو ایک کلام پاک ختم کرتے تھے، اور پیر کامل کے لئے دعا مانگ کر سو جاتے تھے۔ ایک رات کو خواب میں اشارہ پایا کہ حضرت شیخ نور محمد بہاروی کی خدمت میں حاضر ہو، چنانچہ

15

حافظ صاحب کے علمی تیجر اور علمی دھیمیوں کا اندازہ

مریدوں سے معنی پوچھتے تھے اور خود سمجھاتے تھے۔

میں اپنا مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ یہ مدرسہ علم و

اخلاق بزرگ تھے۔ مناقب فخریہ میں ان کے متعلق

ملین
حافظ محمد جمال ملتانی باطنی خوبیوں

تہذیب اخلاق اور دوسرے کمالات

سے آراستہ تھے۔

غریبوں کی دل جوئی کو وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ غریب اور امیر سب کے یہاں دعوتوں

میں جاتے لیکن غریب کے یہاں اس طرح جاتے کہ خوشی کا اثر چہرہ پر ظاہر ہونے لگتا۔

کبھی کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے بلکہ اگر کوئی ایسی حرکت کرتا تو اس کو ملامت کرتے

تھے۔ ان کا دستور تھا کہ جب تک سب مریدین اور متعلقین کھانے سے فارغ نہ ہو جاتے تھے

خود کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔ بچوں سے بڑی خوشی سے باتیں کرتے تھے۔ اگر کوئی بات

ناگوار ہوتی تو صراحتاً منع نہیں کرتے تھے بلکہ ”تعریض و تمثیل“ سے سمجھاتے تھے۔ اپنے پیسے

بھائیوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ہر دکھ درد میں ان کی امداد کے لئے تیار رہتے

تھے۔ قاضی محمد عاقل صاحب جب قیام میں تھے تو انھوں نے پریشان ہو کر حافظ صاحب

کو خط لکھا تھا جس میں یہ شعر اور ایک مصرع لکھا تھا۔

بیم رسیده جا نم تو بیا که زنده مانم

پس از آنکه من ناختم بچه کار خواہی آمد

ع بجنارہ گرنیائی بمزار خواہی آمد۔

بظاہر جیسے ہی حافظ صاحب ننگے پاؤں کھڑے ہو گئے اور قاضی صاحب سے جا کر

سکھایا۔ یہ مقابلہ جس زمانہ میں حافظ صاحب نے ملتان میں ارشاد و تلقین کا

کام شروع کیا تھا۔ نواب بریکھوں کا تسلط تھا۔ اور مسلمانوں کو طرح طرح کے آلام و مصائب

کاسامنڈا کرنا پڑ رہا تھا۔ حافظ صاحب کے قیام کے زمانہ میں سکھوں نے کئی بار ملتان

۱۳۵ مناقب المہجوبین ص ۱۳۵

۱۳۶ مناقب المحبوبین ص ۱۳۶

مناقب المحبوبین ص ۱۳۷

۱۳۷ - مناقب المحبتین ص ۲۸ - ۱۳۸

۱ مناقب المجتوبین ص ۱۲۴

۵۲ مناقب المجتوبین ص ۱۲۶

۵۳ مناقب المحبوبین ص ۱۳۵

۵۴ تکمیل سیر الاولیاء ص ۱۳۵

۵۴ مناقب مخزیه ص ۳۰

رحلہ کیا لیکن حافظ صاحب کی زندگی میں ملتان پر ان کا قبضہ نہ ہو سکا۔ حافظ صاحب اگر ایک طرف عبادت اور درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے تو دوسری طرف وہ عملی جہاد سے بھی خوب واقف تھے۔ ان کی شجاعت، ہمت اور استقلال نے مسلمانوں کے مضحک اعضاء میں نئی روح پھونک دی تھی۔ سکھوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ انھوں نے انتہائی مردانگی اور عالی ہمتی سے کیا۔ جب حالات بہت خراب ہو گئے تو خود میدان جنگ میں اتر آئے۔ سکھوں کے حملہ کی اطلاع ملی تو

”حضرت حافظ صاحب، در قلعہ تیر و کمان گرفتہ موجود بودند“ لکھ کر ان کے لئے ہونے لگا۔

پھر ایک دوسرے موقع پر

”می گویند کہ در آن وقت جنگ

حافظ صاحب مرتبہ در برج قلعہ

ملتان تیر و کمان بدست خود گرفتہ

تیر بر کافران می انداختند“ لکھ کر

۱۲۲۶ھ میں ایک مرتبہ پھر سکھوں نے ملتان پر حملہ کیا۔ حافظ صاحب اس وقت ملتان میں نہ تھے۔ جب اطلاع ملی تو چناب کو جلدی سے عبور کر کے معرکہ میں حصہ لینے کے لئے ملتان پہنچ گئے۔ لکھ کر

ایک مرتبہ سکھوں نے بڑے ساز و سامان اور قوت کے ساتھ ملتان پر حملہ کیا۔ لوگوں میں پریشانی پھیل گئی۔ بعض لوگوں نے گھبرا کر ”ہجرت“ کر جانے کا ارادہ کیا۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا

آواز جنگ بکفار عام است و انکوں جنگ بایشان

فرض عین کرد۔ پس الحال بیرون نمی رویم کہ مارا دو

درجہ است یکے درجہ غزا، دوم درجہ شہادت“ لکھ کر

یہ فرمانے کے بعد آپ نے مقابلہ میں خود سبقت فرمائی۔ خوف و ہراس سے وہ بالکل نا آشنا تھے۔ اللہ پران کو کامل اعتماد تھا۔ اور اسی تقویت پر وہ میدان جنگ میں کود جاتے تھے۔ تیر اندازی میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ اور اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ لکھا ہے

”آں حضرت در پیشہ تیر اندازی

یگانہ بودند حتی کہ ایں پیشہ تیر

اندازی تعلیم می کردند“ لکھ کر

اصلاح رسوم اور اتباع شریعت

حافظ صاحب غیر شرعی رسوم کو ناپسند کرتے

تھے۔ ایک مرتبہ زاہد شاہ سے پوچھا کہ تم کہیں

شادی کرنا چاہتے ہو۔ انھوں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ مگر وہ لوگ سادات سے نہیں

ہیں اور ہماری برادری کے لوگ کہتے ہیں کہ شادی سادات میں کرنی چاہئے۔ فرمایا:

”کناج سادات یا غیر سادات

در شرع جائز است تو گفتہ جاہلان

”سکاج سادات یا غیر سادات

در شرع جائز ہے۔ تو جاہلوں کے

باجا اعتبار می کنی“ لکھ کر

شریعت کا خاص احترام کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے

معرفت حق کا بہترین طریقہ وہ ہے

جو شاخ کلہ ہے اور جو رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے

اں آراستگی ظاہر شریعت است اور وہ ظاہر کو شریعت سے آراستہ
و مستقیم بودن برآں و پاک کردن رکھنے کا ہے اور اس پر قائم رہنے کا ہے
باطن است از اوصاف و میرہ اور باطن کو خراب عادتوں سے صاف
کرنے کا۔

لباس حافظ صاحب اچھا لباس پہنتے تھے۔ تہ بند کم باندھتے تھے۔ اکثر یا جام پہنتے تھے
کلاہ قادری اور پٹے تھے۔ کرتے ساگر بیان چاک رہتا تھا لکھا ہے
”دراکثر اوقات وگا ہے می پوشید قلندری کہ نوے
است از انکہ کہ کشادہ بغیر حسین بر کم و اندک
می بود کہ دستار سپیدی بندیدند، بلکہ بطریق عمامہ
می بست چادر معلوم را کہ در ہندی لنگی می نامند و در
سفر موزہ یا جرموق می پوشیدند و دوست می داشتند“ ۳۳

ملفوظات حافظ محمد جمالؒ کے ملفوظات بہت کثرت سے مرتب کئے گئے تھے مندرجہ
ذیل ملفوظات خاص طور سے مشہور ہیں۔

- | | | |
|---|----------------|---|
| ۱ | فضائل رضیہ | مرتبہ مولوی عبدالعزیز سکند قصبہ بڑھپار ان |
| ۲ | انوار جالیہ | مرتبہ منشی غلام حسن شہید ملتانی |
| ۳ | اسرار الکمالیہ | مرتبہ زاہد شاہ میٹھی |

وصال حافظ صاحب نے ۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۶ھ کو وصال فرمایا۔ کسی نے تاریخ
وصال کہی ہے۔

خرد ز سال وصالش چو جست وجوئے کرد

ندائے داد سر و ششم کہ یافت خوب وصال
۱۲۶ ————— ۱۲

- | | | | |
|----|----------------------|---|-----------------------------------|
| ۱۴ | مناقب المہدیین ص ۱۲۰ | ۵ | اس کو کلاہ چار ترکہ بھی کہتے ہیں۔ |
| ۱۵ | مناقب المہدیین ص ۱۳۶ | | |

حافظ صاحب نے دوشادیاں کی تھیں لیکن کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔
خلفار حافظ صاحب چاروں سلسلوں میں مرید کرتے تھے لیکن
”طریقہ خاص ایشاں چشتیہ بود“ ۳۴
مریدوں کی تعداد بہت تھی۔ لکھا ہے —————
میدان ایشاں نیز جائے کثیر اند“ ۳۵

بعض خلفار کے نام یہ ہیں:

- | | | | |
|---|----------------------|---|-------------------------|
| ۱ | مولانا خدابخش ملتانی | ۵ | مولوی عبید اللہ ملتانی |
| ۲ | زاہد شاہ | ۶ | مولوی حامد |
| ۳ | مولوی غلام حسن | ۷ | صاحبزادہ غلام فرید |
| ۴ | قاضی عیسیٰ خان پوری | ۸ | مولوی عبدالعزیز بڑھپاری |

مولوی خدابخش ملتانیؒ حافظ صاحب کے وصال کے بعد مولوی خدابخش صاحبؒ
سجادہ نشین ہوئے وہ بڑے عالم تھے۔ توحید پر ایک رسالہ

”رسالہ توفیقیہ“ لکھا تھا۔ تھک سیرالاولیا میں ان کے متعلق لکھا ہے:

یک نسیم است از گلزار معانی بیان او شان
کردن قطرات امطار یا امواج بحار شمسردن
است“ ۳۶

مناقب فقیر میں ان کو مردے نظیر تیا گیا ہے۔ انھوں نے چشتیہ نظامیہ سلسلہ
کی توسیع و اشاعت میں بڑی جدوجہد کی۔ حاجی نجم الدین صاحب کا بیان ہے کہ

- | | | | |
|----|----------------------|----|-----------------------|
| ۱۴ | مناقب المہدیین ص ۱۳۸ | ۱۵ | مناقب فقیرہ (طی) ص ۳۰ |
| ۱۶ | تھک سیرالاولیا ص ۱۳۵ | ۱۷ | مناقب فقیرہ (طی) ص ۳۰ |

بائشتم

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ

پنجاب میں حضرت شاہ محمد الدین صاحب کا فیض اور چشتیہ نظامیہ سلسلہ کا نام شاہ نور محمد صاحب جہارویؒ کے ذریعہ پہنچا، اور شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کے ذریعہ اس کی تکمیل ہوئی۔ شاہ محمد سلیمان بڑے برگزیدہ بزرگ تھے۔ ان کے ارشاد و تلقین سے پنجاب اور افغانستان کے ہزاروں گمراہان بادیہ ضلالت نے ہدایت پائی۔ ان کے خلفاء ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے اور رشد و ہدایت کے وہ چراغ روشن کئے کہ ایک بار پھر صوفیہ متقدمین کی خانقاہوں کے نقشے آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ وہ سلسلہ نظامیہ کے آخری عظیم الشان بزرگ تھے۔ ان کا تبحر، تقدس، اسلامی سوسائٹی کی اصلاح کیلئے جدوجہد اپنی نظیر آپ تھی۔

سابلہا گوشش جہاں زمر زرا خواہد بود

زیں نواہاکہ دریں گنبد گردوں زدہ است

شاہ محمد سلیمان نے جس وقت پنجاب میں مسند ارشاد بچھائی تھی اس وقت سلاطین کے قتل میں تھا۔ سلطنت مغلیہ کی تجہیز و تکفین کے آخری منازل طے ہو چکے تھے۔ انگریزوں کا اقتدار سرعت کے ساتھ بڑھ رہا تھا اور تمام ملک کو گھیر

”صمد ہامردم را از ایشان فیض شد“ ۱۔

ان کے ملفوظات سر دلبران کے نام سے شایع ہوئے تھے۔ ۲۔

معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے انداز تلقین و ارشاد کو اپنایا تھا۔ لکھا ہے:

”عادت آنحضرت رضی اللہ عنہ

چنان بود کہ فعل ولا تفعل صریح

نکھتے بلکہ غالباً در ضمن قصص اشعار

و حکایات بیان فرمودی“ ۳۔

تلقین فرماتے تھے۔

۳/۸

۱۔ مناقب المجدین ص ۱۳۳

۲۔ مطبع مصطفائی واقع لاہور ۱۳۸۵ھ

۳۔ سر دلبران ص ۴

ہی لیا چاہتا تھا۔ ہندوستان کی تاریخ کا یہ عبوری دور تھا۔ ایک حکومت ختم ہو رہی تھی دوسری حکومت کی دلغابیل پڑ رہی تھی مسلمانوں پر غلو بیت اور افسردگی طاری تھی۔ قوائے عمل شل ہو چکے تھے۔

اسی زمانہ میں حضرت سید احمد شہید اپنی عظیم الشان تحریک کو چالانے میں مصروف تھے۔ سکھوں کے مظالم اور چیرہ دستیوں سے تنگ آکر وہ جہاد پر مجبور ہو گئے تھے۔ اور مسلمانوں کی عسکری اصلاح و تنظیم کی کوشش میں منہمک تھے۔ شاہ محمد سلیمان بھی اسی ماحول میں سانس لے رہے تھے۔ انھوں نے گو علمی جہاد میں حصہ نہیں لیا لیکن شریعت و سنت کی تلقین میں برابر سرگرم رہے۔ وہ سلطنت کے واپس لے لینے کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ان کی نظر میں ”اسلامی شعائر“ کے احیاء کی ضرورت سب سے زیادہ مقدم تھی کہ اس کے بغیر حکومت اگر حاصل بھی کر لی جاتی تو اس کا قائم رکھنا ناممکن تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ

ع دین جڑ ہے یہ کٹی تو نخل دنیا پھل چکا

چنانچہ انھوں نے اعلان کیا کہ جب تک اتباع سنت و شریعت کا التزام نہ ہوگا حکومت کا خواب منت کش تعبیر نہ ہو سکے گا اور مسلمانوں کی پریشانیوں کم نہ ہوں گی۔ فرماتے ہیں:

چوں مسلماناں اعمال حسنہ را

ترک کردہ اندحق تعالیٰ برایشا

کافراں را مسلط کردہ است

مسلمانوں نے اچھے اعمال چھوڑ دئے

ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو

ان پر مسلط کر دیا ہے۔

وہ مسلمانوں کے تمام آلام و مصائب، ابتلا و پریشانی، دکھا اور درد کا علاج دینی اعمال میں پاتے تھے۔ اس لئے انھوں نے اپنی کوشش کا مرکز بھی اعمال کی اصلاح کو قرار دیا تھا وہ مسلمانوں کو صحیح طور پر اخلاق محمدی کا پیرو دیکھنا چاہتے تھے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر کو وہ سب چیزوں سے مقدم تصور کرتے

تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس ہی کوشش اور جدوجہد میں صرف کر دیا۔ جب حکومت اور سلطنت جاتی ہے تو قوموں کے اخلاق و اطوار اور کردار بگڑ جاتے ہیں۔ ان کا اجتماعی شیرازہ منتشر ہونے لگتا ہے اور انتشار و بتری کے ہولناک جرائم زندگی کے ہر شعبہ میں سراپت کر جاتے ہیں۔ ذہن و فکر کی ابتری جسمانی انتشار سے زیادہ مہلک ہوتی ہے۔ حضرت شاہ محمد سلیمان نے ان حالات گرویش میں جس طرح سرمایہ ملت کی حفاظت کی وہ اسلامی ہند کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ انھوں نے حضرت احمد بریلویؒ کی تحریک کو ناکامیاب ہوتے ہوئے دیکھا تھا اس لئے اب انھوں نے اس تحریک سے قطع نظر حوادث کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنا نیا پروگرام بنایا۔ ان کی کوششوں کا محور مختلف تھا۔ انھوں نے کسی موقع پر بھی جنگ و جہاد کی صراحتاً تلقین نہیں کی کہ اس کا وقت گزر چکا تھا۔ لیکن انھوں نے مسلمانوں کی قومی زندگی میں ان صلاحیتوں کو ابھارنے اور سیدار کرنے کی کوشش کی جن میں مستقبل کی تشکیل و تجدید کا سامان موجود تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کو شریعت و سنت پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت فرمائی کہ اسی میں ان کے درد کا درماں اور مصائب کا علاج تھا۔

شاہ صاحبؒ کی جلائی ہوئی اس شہر و سنت کی شمع کے گرد دور دور سے پروانے جمع ہوئے۔ ان کے خرم کمال سے ہزاروں نے فیض حاصل کیا، سنگھڑاؤ تو نہ کا غیر آباد و غیر معروف علاقہ علم و عرفان کا مرکز بن گیا۔ جہاں سے ہزاروں عقیدت مند تربیت پا کر ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔ علامہ اقبالؒ نے صحیح لکھا ہے کہ ”جس قوم سے خواجہ سلیمان تونسوی، شاہ فضل الرحمن گج مراد آبادی اور خواجہ فرید چاچڑاں شریف والے اب اس زمانہ میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں اس کی روحانیت کا خزانہ ابھی ختم نہیں ہوا۔“ سیال، گولڑہ، جلال پور، حیدر آباد، شیخاوالی، راجپوتانہ میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم ہو گئیں اور ایک بار پھر پرانی مغللوں کی یاد تازہ ہو گئی۔

خاتم سلیمانی کا مصنف لکھتا ہے: "اس نقارہ کی آواز پنجاب، ممالک متحدہ، راجپوتانہ سے گزر کر جزیرہ سراندیپ اور عدن تک پہنچی اور افغانستان، بلوچستان، ترکستان، سب اس نقارہ کی آواز سے چونک اٹھے اور ہزاروں طالبان حق، سینکڑوں کوس طے کر کے تحصیل فیض کے واسطے سنگھڑ پہنچے۔ یہ نام ہی کچھ غیر موزوں تھا مگر یہ

آہن کہ پارس آشنا شد

فی الفور بصورت طلا شد

شہزادہ محمد سلیمان کی ولادت باسعادت ۱۱۴۲ھ میں بمقام گڑگنجی ہوئی۔ والد کا نام گرامی زکریا بن عبدالوہاب بن عمر خاں تھا۔ یہ خاندان افغان قوم کے جعفریہ قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ آپ چونکہ افغان تھے اس لئے اس علاقہ میں رومیہ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

شاہ صاحب کے والد کا وصال ان کی شیر خوارگی کے زمانہ میں ہو گیا تھا۔ والدہ نے بچے کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ ان کو اپنے بچے کے روشن مستقبل کا یقین ایک خواب سے ہو گیا تھا۔ ولادت سے پہلے انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ آفتاب آسمان سے اتر کر ان کی گود میں آگیا ہے اور تمام گھر منور ہو گیا ہے اور سینکڑوں آدمی مبارک باد دے رہے ہیں۔

شہزادہ محمد سلیمان کے ایک بھائی خواجہ یوسف اور چار بہنیں تھیں۔ خواجہ یوسف جوانی میں انتقال کر گئے تھے۔ بہنوں کی شادیاں ہوئیں اور ان سے کثیر اولاد ہوئی۔

۱۔ خاتم سلیمانی ص ۹

۲۔ "خانہ نوادہ در کوہ است و اسم آن کر کوچی است کہ مسافت از توشہ سر کردہ می شود"

ناخ السالکین ص ۱۱

۳۔ خاتم سلیمانی ص ۱۱۵ جعفریہ قبیلہ، رمدانی، رحیم دانی، قبیلہ کی صلاح تھا۔

۴۔ خاتم سلیمانی ص ۱۰

تعلیم و تربیت جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ نے ملا یوسف جعفر کے پاس قرآن پاک پڑھنے کے لئے بھیجا۔ ان سے ۵ پارے

پڑھنے کے بعد وہ اپنے ایک ہم قوم حاجی صاحب سے پڑھنے لگے۔ حاجی صاحب کی بیوی بہت تیز مزاج اور بد خوئی تھی۔ وہاں زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکے اور حاجی صاحب کے ارشاد کے مطابق وہ تولد میں میاں حسن علی کے پاس چلے گئے۔ وہاں ہی مسجد

میں (جو توشہ بازار کے پاس تھی) پڑھنا شروع کیا۔ میاں حسن علی کا کہ مدرسہ کے طلبہ کو گدائی یا مزدوری پر مجبور کرتے تھے۔ شاہ محمد سلیمان کو بھی گدائی کر کے پیٹ پالنے کا حکم ہوا۔ وہ اس حکم سے بہت گھبرائے لیکن بجز تعمیل چارہ نہ تھا۔ بھیک مانگنے کے لئے نکلے۔ ایک ہندو بقال کو روٹی پکاتے ہوئے دیکھا اور اس کے چوکے سے بغیر

اجازت روٹی اٹھا لائے۔ بقال نے اگر میاں حسن علی سے شکایت کی۔ میاں صاحب نے باز پرس کی اور بالآخر ان کو گدائی کے قابل نہ پا کر مزدوری کا حکم دیا تاکہ کپڑوں، روٹی اور کتابوں کا خرچ چل جائے۔ دوسرے دن ۲ پویمہ پر ایک جگہ مزدوری پر

لگ گئے۔ لیکن دن بھر پتھر پڑھتے رہے مزدوروں نے مالک کے شکایت کی لیکن مالک نے آپ کو پوری مزدوری دی۔ میاں حسن علی کو یہ حال معلوم ہوا تو کہا کہ اب تم میرے گھر سے کھالیا کرو۔

شاہ صاحب، میاں حسن علی کے پاس رہنے لگے اور علم حاصل کرتے رہے۔ ایک دن وہ تولد شریف سے ۲ کوس جنوب کی طرف ایک موضع سوکرہ میں ایک

کتاب خریدنے کے لئے گئے۔ وہاں مولوی نور محمد نارووالہ صاحب سے ملاقات ہوئی مولوی صاحب نے ان کی بہت تعظیم کی اور باوجود دیرانہ سالی خود پیدل چلے اور شاہ

صاحب کو گھوڑے پر سوار کرایا۔ میاں حسن علی سے خواجہ صاحب نے قرآن پاک پورا کیا۔ اس کے علاوہ پند نامہ خواجہ فرید الدین عطار، گلستان سعدی، بوستان سعدی

۱۔ یہ مسجد ۱۲۴۲ھ میں رود سنگھ سے منہم ہو گئی۔ خاتم سلیمانی ص ۲۰

۲۔ خاتم سلیمانی ص ۲۱-۲۲ ۳۔ خاتم سلیمانی ص ۲۵-۲۶ ۴۔ ناخ السالکین ص ۱۲۳

وغیرہ کتابیں بھی ان ہی سے پڑھیں۔

میاں حسن علی سے پڑھنے کے بعد آپ الگ پینچے۔ یہاں ایک عمدہ گنبد دار مسجد تھی جس میں مولوی ولی محمد درس دیتے تھے۔ خواجہ صاحب نے ان ہی سے فارسی درسیات کی تکمیل کی۔ کچھ عرصہ بعد کوٹ مٹھن تشریف لے گئے اور وہاں قاضی محمد عاقل کے مدرسہ میں عربی پڑھنی شروع کی۔ خواجہ اللہ بخش کے شجرہ میں جو ۱۸۸۲ء میں شائع ہوا ہے، خواجہ محمد سلیمان کے متعلق لکھا ہے

درمبادی حال درکوٹ مٹھن بہ مدرسہ

قاضی محمد عاقل صاحب بہ تحصیل علم

کتب درسیہ توجہ فرمودند۔ ۱۹

یہاں آپ نے منطق کی مشہور کتاب قطبی پڑھی، اور فقہ پر پورا عبور حاصل کیا۔ کوٹ مٹھن ہی میں قیام کے زمانہ میں آپ کو خواجہ نور محمد مہاروی کے اوج تشریف لانے کی خبر ملی۔ اس زمانہ میں آپ کو اتباع شریعت کی تلقین کا بڑا خیال تھا۔ شاہ نور محمد سے سماع پر بحث کرنے اور اس پر تنبیہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ لیکن ان کی خدمت میں پہنچکر دنیا ہی بدل گئی۔ اس قدر مہوت ہو گئے کہ فوراً ان کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔ اپنے پیر سے انھوں نے آداب الطالبین، فقرات، الواح، عشرہ کاملہ، فصوص الحکم وغیرہ کا درس لیا۔

۱۰ خاتم سلیمانی ص ۲۹۱۱

۱۱ یہ مقام تونسہ سے پانچ کوس مشرق کی جانب دریائے سندھ کے کنارے واقع تھا۔

۱۲ یہ مسجد ۱۲۹۱ھ تک تھی، اس کے بعد دریا کی طغیانی سے برباد ہو گئی۔ خاتم سلیمانی ص ۲۰

۱۳ شجرہ خواجہ اللہ بخش ص ۱۹۔ ۱۴ خاتم سلیمانی ص ۲۹۔ ۱۵ خود ایک مجلس میں فرمانے لگے جب میں

کوٹ مٹھن میں تحصیل علم کرتا تھا تو اس وقت مجھے قدرتی طور پر دنیا کی طرف زیادہ خیال تھا اور ام

معرفہ کے لئے گرد و نواح کے مواضع میں چلا گیا کرتا تھا، مناقب سلیمانہ جوال خاتم سلیمانی ص ۱۲۰۔ ۱۶ خاتم سلیمانی ص

بیعت مشہور ہے کہ شاہ فخر صاحب نے خواجہ نور محمد مہاروی کو ایک شہباز کو مقید کرنے کی بشارت دی تھی اور فرمایا تھا کہ اس سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی تبلیغ و اشاعت میں چار چاند لگ جائیں گے۔ چنانچہ شاہ نور محمد ہر سال اوج اور کوٹ مٹھن اس بازی کی تلاش میں آتے تھے۔ آخری بار جب اوج آئے تو اپنے ایک عزیز محمد حسین سے فرمانے لگے ”اے محمد حسین آپ کو معلوم ہے کہ میں ہر سال اس ملک میں کیوں آتا ہوں؟ عرض کیا ”آپ خود ارشاد فرمائیں“ اس پر خواجہ نور محمد نے فرمایا کہ میں ایک شہباز کے شکار کرنے کے لئے آتا ہوں اور یہ شاہ فخر صاحب کا حکم ہے۔ ۲

جب شاہ محمد سلیمان، شاہ نور محمد کی خدمت میں پہنچے تو ان کا عالم ہی بدل گیا۔ فوراً مرید ہونے کی درخواست کی۔ شاہ نور محمد نے ان کو حضرت سید جلال کے مزار کے سرہانے لے جا کر مرید کر لیا۔ یہ شاہ محمد سلیمان کی نوعمری کا زمانہ تھا۔ لیکن وہ اپنے پیر سے عقیدت اور ان کے احکام کی بجا آوری میں کہنہ سال مریدوں سے بازی لے گئے۔ شاہ نور محمد صاحب نے اس نوعمر طالب علم کو مرید کرنے کے بعد شاہ فخر درہلی کا سفر صاحب کی خدمت بابرکت میں حاضری کا حکم دیا۔ جس شہباز کو دام میں لانے کی بشارت انھوں نے دی تھی وہ مقید ہو چکا تھا۔ شاہ محمد سلیمان نے تعمیل حکم میں درہلی کا ارادہ کر دیا۔ دلاورا، جودھ پور، جے پور، ریواڑی ہوتے ہوئے ۱۱۹۹ھ میں وہ درہلی پہنچے۔ یہ گری کا زمانہ تھا، آفتاب کی وہ تمازت کہ پرندوں نے درختوں میں پناہ لے لی تھی۔ رنگین کایہ عالم کہ میلوں تک پانی ندارد، نہ کوئی سواری، نہ کوئی دوست لیکن یہ محبوب سبحانی، سلیمان ثانی کمال ذوق و شوق سے قبلہ عالم کا حکم بجالا رہا تھا اور سفر کی صعوبتوں اور

۱۰ ”تحقیق ہے کہ اس کے بعد شاہ نور محمد صاحب پھر کبھی سنگھ نہیں گئے“ خاتم سلیمانی ص ۳۳

۱۱ خاتم سلیمانی ص ۳۰

۱۲ ۱۳ خاتم سلیمانی ص ۳۱-۳۲-۳۳

راستے کی تکلیفوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتا تھا، "عشق و محبت کا یہ متوالا، سفر کی صعوبتیں ذوق و شوق کے ساتھ طے کرتا ہوا دلی پہنچا تو معلوم ہوا کہ شاہ فخر صاحب وصال فرما چکے ع

اے بے آرزو کر خاک شدہ

والدہ کی تشویش جب عرصہ تک شاہ محمد سلیمان کی کچھ خبر نہ ملی تو والدہ کو فکر لاحق ہوئی۔ بیٹے کی تلاش میں گڑگڑی سے سو کر تشریف لائیں جب یہاں بھی بیٹے کا پتہ نہ ملا تو اپنے داماد کو تلاش کے لئے آگے بھیجا۔ وہ تلاش کرتے کرتے آخر شاہ صاحب سے جا ملے اور والدہ کے اضطراب اور بے چینی کی داستان سنائی۔ شاہ محمد سلیمان پیر سے اجازت لے کر والدہ کے پاس گئے۔ پیر سے دور ہٹ کر عشق کی آگ اور بھڑک اٹھی اور وہ مفارقت کی تاب نہ لاسکے۔ ماں کا یہ عالم تھا کہ بیٹے کی جدائی کے خیال سے بھی ان کو تکلیف ہوتی تھی۔ محبت مادر می، اور عشق مرشد میں کشمکش شروع ہوئی۔ والدہ نے ان کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ پہرے دار بٹھائے، کانٹوں کا حصار کیا، لیکن وہ عشق جو بے خطر آتش نمرود میں کود پڑنے کے لئے تیار ہو، اس کی نظر میں یہ تدابیر سب بے معنی تھیں۔ جب عشق نے زور مارا تو یہ سب بندشیں شیم زدن میں ٹوٹ گئیں اور وہ دیوانہ وار پیر کی طرف دوڑ پڑے۔ ابتدائی زمانہ کا یہ واقعہ خود ایک مجلس میں انھوں نے اس طرح بیان فرمایا:

و در آوازل والدہ شریفہ مارا ممانعت نمودے از رفتن در خدمت قبلہ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یک شب میاں بابا دل کہ از قوم جعفر بود بر من پاسباں گماشتند چون دیدم کہ اورا خواب غلبہ کردہ است، از خواب گاہ برخاستم و بردیوار حصار آمدہ از آنجا جستہ در خار نخی

افتادم بگرد حصار بود۔ پا جامہ دریدہ شد و ہر دوپائے بہ زخم مجروح شد و خون روائ شد بخندمت حضرت قبلہ عالم مشرف شدم" ۱۷

اس کے بعد آپ کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ ایک مہینہ جہاں شریف قیام کرتے تھے، پھر کچھ دنوں کے لئے گھر آجاتے تھے۔ والدہ کو ان کا یہ حال دیکھ کر بہت خیال ہوا۔ اس سلسلہ میں تعویذ وغیرہ بھی کرائے۔ ملفوظ میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

ہر گاہ ایں فقیر در حضور حضرت قبلہ عالم بشرف بیعت مشرف شد، امرادر خانہ خود ہرگز قرار نیا مدے، چنانچہ یک ماہ در حضور می بودم و چند روز در خانہ، بریں نمط می گذشت تا وصال مبارک حضرت قبلہ عالم قدس سرہ دہائی صاحب مرحومہ گفتے کہ پسر مرا خیال بد شدہ است کہ در خانہ خود آرام نمی گیرد۔ از علماء و فقہاء چنداں تعویذ ہا گرفتہ کہ او نہ پراساختہ بودند، چونکہ فقیر از کمال جذبہ عشق مستولی شدہ بود لاچار بے قراری حاصل بود۔ بیت ۱۷

"مجھے سست کہ دل را نمی دہد آرام و گر نہ کیست کہ اسودگی نمی خواہد" ۱۷

شاہ محمد سلیمان صاحب کو اپنے پیر و مرشد خواجہ جہاں رومی سے عشق تھا مرشد سے عشق ان سے جب جدا ہوتے پریشان اور بے چین رہتے۔ فرقت میں ذوق و شوق کا یہ عالم ہو جاتا تھا کہ اکثر بیدل ہی جہاں شریف کو روانہ ہو جاتے اور راستے کی تمام صعوبتیں نہایت خوشی سے برداشت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میاں غلام احمد اور میاں عیسیٰ جعفر کو ساتھ لے کر جہاں شریف کو روانہ ہو گئے۔ راستہ میں پیروں سے

خون جاری ہو گیا اور

”ہر دو ناخن از ہر دو پائے من جدا پاؤں کے دسوں ناخن اٹھلیوں
شدند“ لے سے جدا ہو گئے۔

لیکن اسی استقلال اور ہمت کے ساتھ ہم کوس کا سفر طے کیا۔ سفر میں دو،
دو تین تین دن کے فائقے بھی ہوئے، لیکن عقیدت و ارادت کا یہ متوالا، والہانہ انداز
میں یہ سببتیں جھیلتا ہوا اپنے مرشد کے قدموں میں پہنچ گیا۔ غلام حیدر کا بیان ہے:

”من بارہا معانہ نمودم کہ کفش ایشان بخون

پاؤں شد و قطرات ازال برآمد و ایشان

از خود ہم چنناں بے خبر و قدم مبارک مردانہ

در سیر مثل معتادی نہادند و ہرگز از جریان خون

وزخمی شدن پا خبر نہ داشتند، من بخدمت عرض

داشت نمودم کہ در اینجا بنشینیم ہرگز اختیار

نکرد، چوں در بلدہ ملتان رسیدیم نظر بآنیکہ

کفش تنگ است کفش دیگر فراخ خریدنایم،

چوں بغیر یک چادر نو قیمت دیگر موجود نبود، توکم

کہ آنرا فروختہ قیمت کفش ادا نمایم، ہر چند سعی

نمودم جائز نہ داشتند، و بعد از گفتگوئے بسیار

فرمودند کہ مارا از خود بیع خبر نیست، غم مدار کہ

در قطع منزل تفاوت نخواہد شد“ لے

شاہ صاحب اپنے پیر کی اطاعت اور تابعداری میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔

ان کا خیال تھا کہ پیر مشاطہ کی مانند ہوتا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

”شیخ مشاطہ مرید راست معنی چنانچہ مشاطہ

عروس را آراستہ سزاوار صحبت شوئے خود مارڈ

مانند ایں شیخ ظاہر و باطن را بہ شریعت پیر است

مستحق صحبت محبوب حقیقی گرداند“ لے

ایک مرتبہ جہاں شریف میں دیوان حافظ کا مطالعہ کر رہے تھے، اتفاقاً شیخ کا بھی

ادھر سے گذر ہوا۔ پوچھا کیا پڑھتے ہو۔ عرض کیا، خواجہ حافظ، اور ساتھ ہی یہ شعر پڑھا

کمال صنعت مشاطہ باید

کہ روئے زشت را زیبا نماید

شاہ محمد سلیمان صاحب کا عقیدہ تھا کہ

”صحبت شیخ با عقیدہ باید کرد کہ شیخ کی صحبت میں عقیدہ کے ساتھ

بے عقیدہ از صحبت بیخ فائدہ حاضر ہونا چاہئے بے عقیدہ صحبت سے

نیست“ لے

کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

جب بھی وہ اپنے مرشد کی صحبت میں رہے اسی عقیدہ سے رہے۔ اور اپنا سارا وقت

باطنی اصلاح میں صرف کیا۔ شیخ بھی ان پر دوسرے مریدوں کی نسبت زیادہ توجہ

کرتے تھے۔ ایک مرتبہ خواجہ سلیمان جہاں میں مقیم تھے۔ زیادہ وقت میاں خدا بخش ولد

حافظ محمد سعود کی مسجد میں گزارتے تھے اور ذکر و مجاہدہ میں مشغول رہتے تھے۔ مجلس کے

وقت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر کتب تصوف کا درس لے لیا کرتے تھے۔ قبلہ عالم

کوان کا اس قدر خیال تھا کہ خود مسجد میں جا کر ان سے ملتے تھے۔ لے

لے نافع الالکین ص ۹۹

لے نافع الالکین ص ۴۴

لے نافع الالکین ص ۵۰

لے خاتم سلیمانی ص ۴۲ ۴۱

لے نافع الالکین ص ۱۱

لے نافع الالکین ص ۱۸

نواب صاحب نے حضرت خواجہ عبداللہ بخش کورپے بھیجے اور ان سے درخواست کی کہ وہ مسجد تعمیر کرا دیں۔ صاحبزادہ صاحب نے جب سامان مہیا کیا تو خواجہ صاحب کو معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا:

”واہ او بھیر یا جے میرے کول گھل دوں تے

کتیاں مسجد ایں تیار کرا دیندا“

اس طرح رفتہ رفتہ، تونسہ بارون اور پرفضا مقام بن گیا اور دور دور سے لوگ وہاں آنے لگے۔ فارس نے اپنے فیصلہ میں قیام تونسہ کے متعلق لکھا ہے

”خواجہ محمد سلیمان صاحب کے زمانہ میں

جو حالات تونسہ کے تھے، ان سے ظاہر ہے

کہ انھوں نے اور ان کے خلفاء ہی نے اس کو

آباد کیا تھا“

شاہ محمد سلیمان صاحب نے تونسہ میں سکونت پذیر ہونے کے بعد

سب پہلا کام قیام مدارس کیا۔ ان کے مدارس کے تعلق سے تفصیلی

معلومات کسی کتاب میں نہیں ملتیں بلکہ میں خواجہ حامد اور خواجہ محمود کے درمیان

ایک مقدمہ دسترس گٹ ج ملتان کی عدالت میں ہوا تھا، اس میں بعض پڑائے گواہوں

کے بیانات اور عمارتوں کے معائنہ سے ان مدرسوں کے تفصیلی حالات معلوم ہوئے۔

جج نے اپنے فیصلہ میں ان مدارس کی تفصیل دی تھی۔ مناسب ہے کہ یہاں اس

فیصلہ کے اہم اقتباسات درج کئے جائیں:

”انھوں نے (یعنی خواجہ محمد سلیمان ج نے) اغراض

مذہبی کے لئے مدارس جاری کئے تھے اور وہ

خلافت ۱۶۱۵ برس کی عمر میں خواجہ محمد سلیمان، خواجہ تہاروی سے بیعت ہوئے تھے۔ شیخ کی صحبت کا فیض کل ۶ سال تک اٹھایا۔ خود ایک جگہ فرماتے ہیں:

”مارا صحبت ظاہری حضرت قبلہ

عالم شش سال یا کم بود“

۲۲۰۲۱ سال کی عمر میں پیر و مرشد نے خلافت عطا فرمائی اور تونسہ میں قیام کی ہدایت

کی۔ ۶۰ سال تک، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ، وہ تونسہ شریف میں تبلیغ و اشاعت

اور اصلاح و تربیت کے کاموں میں سرگرم رہے۔ اور تونسہ کو ایک عظیم الشان روحانی مرکز

کی شکل دے دی۔

تونسہ میں قیام خانقاہ تونسہ، ڈیرہ غازی خاں سے ۳۰ کوس کے فاصلہ پر ایک غیر

معروف گاؤں تھا۔ پیر و مرشد نے حکم دیا کہ اپنا وطن چھوڑ

کر وہاں آجاؤ۔ شاہ محمد سلیمان نے فوراً گڑگڑی کو الوداع کہا اور تونسہ پہنچ گئے۔

وہاں بقول پیر حیدر علی شاہ صاحب جلال پوری، آپ سرکنڈول کی ایک جھوپڑی

بنا کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ جب اس علاقہ کا رئیس الف خاں حلقہ مدین میں

شامل ہوا تو اس نے شاہ صاحب کی اجازت سے ایک مکان بنوایا۔ جب آپ کی

شہرت بڑھی اور لوگ دور دور سے شرف بیعت کے لئے حاضر ہونے لگے تو نواب

بھاول خاں وائی ریاست بھاول پور بھی سلسلہ خدام میں داخل ہو گئے اور تعمیر مسجد

کے لئے چند ہزار روپے خدمت اقدس میں پیش کئے۔ حضرت نے وہ روپیہ حسب

دستور لنگر کے درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ جو بچا وہ مسکینوں اور درویشوں کو بانٹ دیا۔

نواب بھاول پور نے پھر کو بھیجے۔ وہ بھی ضرورت مندوں میں تقسیم کر دئے گئے آخر لا

۱۱۹۹ھ میں آپ بیعت ہوئے ۱۲۰۰ھ میں شاہ نور محمد صاحب کا وصال ہوا۔

تاریخ الاسکین ص ۱۳۱-۱۳۰

ملفوظات حضرت پیر حیدر شاہ جلال پوری (ذکر حبیب) ص ۲۸۲-۲۸۳

ملفوظات حضرت پیر حیدر شاہ جلال پوری (ذکر حبیب) ص ۲۸۲-۲۸۳

ترجمہ فیصلہ مقدمہ دیوانی مفصلہ ایچ ایف فارس قضاہاورد دسترس گٹ ج ملتان مقدمہ نمبر ۱۹۱۱ء

میں کئی استاد کھڑے رہتے تھے خواجہ محمد
سلیمان صاحب کے لنگر سے ان کو کھانا ملتا
تھا۔" ۱۷

اس فیصلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب نے تولد کو دارالعلوم بنادیا تھا
ان کے دولت کردہ کے چاروں طرف متعدد مدرسے تھے، پچاس استاد وہاں رہتے
تھے۔ تعلیم و تربیت کا کام نہایت وسیع پیمانہ پر جاری تھا۔ علوم دینیہ کی ترقی و ترویج
میں بے حد کوشش کی جا رہی تھی۔ مدرسوں کا اجراء شاہ صاحب کے مقصد کے
مصول کا بہترین ذریعہ تھا۔ صرف اسی طرح سے اسلامی شعار کی ترویج ممکن تھی۔ تولد
جیسی سب سے پہلی پچاس مدرسین کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ تولد اس علاقہ کا تعلیمی
مرکز بن گیا تھا اور دور دور سے شاغفین علم وہاں جمع ہونے لگے تھے۔

شاہ محمد سلیمان صاحب کو خود درس دینے کا بڑا شوق تھا۔ وہ اپنے
درس و تدریس خاص شاگردوں اور مریدوں کو سلوک و احسان کی کتابوں کا
درس دیتے تھے۔ ان کے ملفوظات میں بعض جگہ ان کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کو وہ
اکثر پڑھایا کرتے تھے۔ ایک جگہ جامع ملفوظ لکھتا ہے:

"حضرت قبلہ من قدس سرہ العزیز در اشعار تعلیم

کتاب احیاء العلوم اس عبارت را بر زبان در

شال رانندہ" ۱۸

پھر ایک موقع پر لکھتا ہے:

"کاتب حرہ و فہم پیش شیخ خود قاری کتاب

فتوحات مکی بود" ۱۹

لوگ جو زیارت کرنے کے لئے اور مدینہ
کے لئے آتے، ان کو مذہبی تعلیم دیتے تھے
اور ان کے لئے سہولتیں مہیا کرتے تھے یہ
تمام کارروائی زیرنگرانی شاہ محمد سلیمان صاحب
ہوتی تھی امداد کنندگان ان کے خلفاء تھے۔

بڑے بڑے خلفاء کے نام سے اب تک وہ
مکانات جو مسجد کے ارد گرد ہیں، موسوم ہیں۔
گواہی مکانات سب شہید ہو چکے ہیں۔

احمد یہ بیان کرتا ہے کہ خواجہ الہ بخش صاحب
کے مکانات بنانے سے پہلے یہ زمین خالی
تھی اور وہاں فقیروں کی جھنگیاں تھیں۔
مکھڑی بنگلہ، محمد علی شاہ کا بنگلہ اور نیز اور
بہت سے ناموں سے مکانات نامزد ہیں مثلاً

مدرسہ مولوی محمد عمر مولوی احمد صاحب کا بنگلہ،

مدرسہ مولوی الہی بخش، یہ تمام صاحب خواجہ

سلیمان صاحب کے خلفاء تھے۔ پھر ملاحظہ ہو

بیان نور محمد کا۔ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا دادا یہاں

آیا اور پندرہ سال خواجہ محمد سلیمان صاحب

اور پندرہ سال خواجہ الہ بخش صاحب کی خدمت

کرتا رہا۔ اس کو مولوی شیخ احمد کہتے تھے۔ اس کا

ایک مدرسہ تھا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ خواجہ

محمد سلیمان صاحب کے زمانہ میں پچاس استاد
تھے۔ ان کے مکانات تھے۔ اور بعض مکانات

اجیار العلوم اور فتوحات کے علاوہ شاہ صاحبؒ نے اپنے کچھ مریدوں کو کنز اور کافیہ بھی پڑھایا تھا۔ چنانچہ حاجی چراغ الدین نے کنز اور کافیہ ان ہی سے پڑھا تھا۔
 شاہ صاحبؒ کا علمی تجربہ شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کا مطالعہ نہایت وسیع اور نظر بہت گہری تھی۔ قرآن، حدیث اور فقہ پر ان کو پورا عبور تھا۔ ملاحظہ میں جگہ جگہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی نقل کرتے ہیں۔ تصوف کی اعلیٰ کتابوں کا مطالعہ نہایت بالغ نظری سے کیا تھا۔ عوارف المعارف اور فتوحات مکیہ نوک زبان پر تھیں اور شیخ سہروردیؒ اور امام اکبرؒ کے بنیادی خیالات پر کافی غور کیا تھا۔
 حدیث و فقہ پر عبور کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی مسئلہ آپ سے دریافت کیا جاتا تو برجستہ اسناد نقل کر دیتے۔ ایک مرتبہ قلم عالم کے عرس میں تشریف فرما تھے۔ ایک عالم نے کچھ مسائل دریافت کئے۔ آپ نے برجستان کا شافی و کافی جواب عنایت فرمایا۔ اس مجلس میں مولوی خدابخش صاحبؒ (خلیفہ حافظ محمد جمال ملتانیؒ) بھی موجود تھے۔ انہوں نے اپنے برادر زادہ اور شاگرد مولوی عبدالغفار سے فوراً کہا کہ ان ارشادات کو ایک سالہ کی شکل میں لکھ لو۔ چنانچہ وہ سوالات اور جوابات جمع کر لئے گئے۔ خاتم سلیمانی میں اس رسالہ کا کچھ حصہ نقل کیا گیا ہے۔ اس سے شاہ صاحبؒ کی وقت نظر و وسعت معلومات اور تجربہ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

شاہ صاحبؒ فقہ اسلامی کے مطالعہ پر خاص زور دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ حدیث بغیر مجتہد کے نہیں سمجھی جا سکتی۔ فرماتے ہیں:
 ”فہم حدیث بغیر مجتہد کسی را نیست علما
 عمل بر قول مجتہد است نہ بر حدیث“

وہ ائمہ سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ خواجہ فرید الدین غطار کے یہ اشعار و رد زبان بہتے تھے
 آن امامائے کبرند اجتماد
 رحمت حق بر روان جسد باد
 بو حنیفہ بر امام باصفنا
 آن سراج امتان مصطفیٰ لہ

عسرت کی زندگی شاہ محمد سلیمان صاحبؒ نے اپنا ابتدائی زمانہ بڑی عسرت و تنگی میں بسر کیا تھا۔ جب تونسہ میں وہ ایک طالب علم کی حیثیت سے آئے تھے تو ان کے خورد و نوش کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ ایک شخص رحم کھا کر ان کو کھانا دینے لگا تھا۔ اس میں بھی یہ مصیبت تھی کہ اس کے دروازہ پر ایک کتا رہتا تھا۔ خواجہ صاحبؒ کھانا لیتے جاتے تو اس انتظار میں کھڑے رہتے کہ کتا بیٹے تو اندر جائیں اگر کتا وہیں رہتا تو دن بھر بھوکے رہتے۔ جب خواجہ نور محمد مہارویؒ کے خلیفہ کی حیثیت سے وہ تونسہ شریف پہنچے تو عسرت کا یہ عالم تھا کہ سرکنڈوں کی جھونپڑی میں اپنا سر چھپاتے تھے اور فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ گرگوحی میں ان کی کچھ زمین تھی، لیکن خواجہ نور محمد صاحبؒ کے ارشاد کے بموجب اسے ویسے ہی چھوڑ آئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد فتوح کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دنیا کی ہر نعمت ان کے قدموں میں آگئی۔ لیکن استغنا کا وہی عالم رہا اور انھوں نے کبھی فارغ البالی کی زندگی بسر نہیں کی۔ جو کچھ ان کی خانقاہ میں پہنچتا تھا فوراً تقسیم کر دیتے تھے۔ اپنے لئے کچھ نہ رکھتے تھے۔ لکھا ہے:

”حضرت قبلہ من قدس سرہ العزیز سلطان
 التا کریم بود، مقود و اسپاں و شتران و دیگر

- ۱۔ نافع اس الکیں ص ۱۶۹
- ۲۔ نافع اس الکیں ص ۲۹
- ۳۔ نافع اس الکیں ص ۱۰۵

- ۱۔ خاتم سلیمانی ص ۱۳۰
- ۲۔ خاتم سلیمانی ص ۱۳۹ - ۱۳۲
- ۳۔ نافع اس الکیں ص ۱۳

چیز بازا اسعد نقشہ کہ مریدان در نذر آوردند

ہماں لحظہ عطای نمودند بیچ چیز با خود نمی آشتند ۱۷

ایک مرتبہ ایک شخص محمد و اہل جس نے عرب و عجم کی سیر کی تھی، حضرت کے اس عطا و کرم کی تعریف کی تو فرماتے لگے: ”میاں و اہل! میں تو وہی ہوں جو تونسہ میں کتے والے مکان سے کھانا لے کر کھاتا تھا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے۔“ ۱۸
شاہ صاحب کی طبیعت میں قناعت اور توکل کا جذبہ درجہ کا تھا۔ ہر قسم کی فتوح ان کے دروازے پر آتی تھی۔ لیکن وہ ایک ہاتھ سے لیتے تھے اور دوسرے سے تقسیم کر دیتے تھے۔ مناقب حافظہ میں لکھا ہے: ”ترک و تجرید میں حضرت شیخ اکبر کا کوئی مثل نہ تھا۔ بجز ایک لنگی کوئی چیز شیخ اکبر کے پاس نہ تھی خواہ سفر ہو یا حضر، گرمی ہو یا سردی، حجرہ مبارک میں صرف ایک بوریا تھا۔ اسی پر نماز و نوافل پڑھتے تھے اور اسی کو سونے کے تخت پر بچھا لیتے تھے۔ گرمیوں میں دھلی لنگی سرہانے رکھ کر استراحت فرماتے تھے۔ جاڑوں میں اسی لنگی کو استراحت کے وقت جسم مبارک پر ڈال لیتے تھے۔“ ۱۹

شاہ صاحب اپنے مریدوں کو بھی یہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ وہ صابر و شاکر و قانع بنیں۔ ۲۰

۱۷ شاہ محمد بیگ خان صاحب کا لنگر نہایت وسیع اور باقاعدہ تھا، کھانے کے علاوہ درویشوں اور طلباء کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کی گئی تھیں۔ لنگر کے اہتمام کے لئے ایک پورا حکمہ تھا۔ پیارا نامی بنیا مودی مقرر کیا گیا تھا۔ میاں علی محمد ہوتانی، لاٹگری تھے۔ مستونی حساب پر خور و اراخاں چاک تھے۔ نور خاں گرمائی، وکیل اور صلاح کا کام انجام دیتے تھے۔ منشی گری کا عہدہ صدیق محمد کاسی کو ملا تھا۔ یہ پورا حکمہ لنگر کا

انتظام کرتا تھا۔

لنگر میں کھانے کے علاوہ ضرورت کی ہر چیز موجود رہتی تھی۔ حجام، لوہار، موچی دھوبی، آبکش وغیرہ ماہانہ تنخواہ پالتے تھے اور وہاں موجود رہتے تھے اور بقول مصنف خاتم سلیمانی ”درویشوں کو کسی قسم کی کوئی تکلیف اور احتیاج باقی نہ رہی تھی۔“ ۲۱
ہوتے تو دواؤں لنگر سے مفت ملتی تھیں، مودی کو حکم تھا کہ جو شخص نسخہ لائے، بغیر پوچھے اس کو دوا دے دی جائے۔ ایک مرتبہ خدا بخش لاٹگری نے عرض کیا ”غریب نواز اس مہینہ میں مودی نے پانچ سو روپیہ درویشوں کی دواؤں کے سلسلہ میں خرچ کیا ہے۔“ آپ کو یہ سن کر سخت غصہ آیا۔ فرمایا: ”اگر پانچ ہزار بھی دوا پر خرچ ہو تو مجھے اطلاع نہ کی جائے۔ کیا درویشوں کی جان کے مقابلہ میں روپیہ کی کچھ حقیقت ہے۔“ ۲۲

لنگر کا یہ قاعدہ تھا کہ ہر درویش کو تین پاؤ پختہ روٹی ملا کرتی تھی۔ چھ مہینے کے بعد کپڑے اور جوتیاں ملتی تھیں۔ علاوہ ازیں ایک سیر تیل اور کچھ بھی ملا کرتا تھا۔ ان مدرسین کے لئے جو رات دن درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے، ان کے علاوہ بھی کچھ مراعات حاصل ہوتی تھیں۔ ان کا کام چونکہ دماغی محنت کا تھا اس لئے ان کو ایک سیر پختہ روزانہ سیر بھیگھی ماہانہ اور ایک سیر تیل ملا کرتا تھا۔ لباس ان کو بھی چھ مہینے میں ہی ملتا تھا۔ ایک سفید لنگی اور گو سفند بھی عطا ہوتا تھا ۲۳

خواجہ صاحب کے لنگر کی حیثیت بہت اہمہ گیر تھی۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس لنگر میں زیادہ تر علماء و مدرسین شامل تھے۔ خواجہ صاحب نے ان کو تمام ضروریات زندگی سے بے فکر کر کے پوری ذہنی مرکزیت کے ساتھ درس و تدریس کے کام کے لائق بنادیا تھا۔ علماء کی ایک کثیر تعداد اس طرح دینی کام کے لئے تیار ہو جاتی تھی۔ آج ہم اس عظیم الشان لنگری نظام کے دور رس اثرات اور نتائج پر معلومات کی کمی کی بنا پر،

۱۷ خاتم سلیمانی ص ۴۱

۱۸ خاتم سلیمانی ص ۴۱

۱۷ نافع السائکین ص ۱۷۵ ۱۸ ۱۹

۲۰ مناقب حافظہ ص ۱۵-۱۴ ۲۱ ۲۲

۲۳ نافع السائکین ص ۱۷۵ ۲۴ ۲۵

تفصیلی بحث کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن اس کی افادیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ویسے تو اس زمانہ میں ہندوستان کی کئی خانقاہوں میں بڑے بڑے لشکر قائم تھے اور کئی آدمیوں کا جمع رہتا تھا۔ مثلاً دہلی میں شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ میں پان پانسو فقیر رہتے تھے اور ان کے خورد و نوش کا انتظام ہوتا تھا۔ خواجہ محمود عاقل کی خانقاہ میں بھی لشکر کا بڑا اہتمام تھا۔ لیکن جو باقاعدگی اور جو مقصد شاہ محمد سلیمان صاحب کے لشکر نظام میں ملتا ہے وہ کسی اور جگہ نہیں تھا۔ شاہ محمد سلیمان کا یہ کل نظام ایک مقصد سے ماتحت تھا۔ وہ اس طرح کی سبھو لیتیں ہم پہنچا کر علماء کو درس و تدریس اور شاہ کو تبلیغ و اصلاح کے لئے تیار کرتے تھے۔ شائقین علم و فضل جگہ جگہ سے تونسا کر جمع ہو جاتے تھے اور شاہ صاحب ان کی صلاحیتوں کو کارآمد بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔

شاہ صاحب کی مقبولیت حضرت شاہ محمد سلیمان نہایت ہر دل عزیز بزرگ تھے عقیدت مندوں کا اس قدر ہجوم تھا تھا کہ مکان کے شمالی اور جنوبی دروازے کھول دئے جاتے تھے۔ لوگ ایک دروازے سے داخل ہوتے اور دوسرے سے نکلے رہتے تھے۔ جب شاہ صاحب تونسا سے باہر جاتے تو آئینہ نشینوں پر معتقدین کے ہجوم لگ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ بھٹنڈے کے آئینہ نشینوں پر اس قدر خلقت جمع ہو گئی کہ گاڑی کو بہت دیر تک رکن پڑا۔ ۳۵

شاہ صاحب کی خانقاہ میں جگہ جگہ سے لوگ آتے تھے۔ قریبی ریاستوں کے نواب اور جاگیردار ان کے آستانہ پر اپنی حاضری کو باعث فخر و مباہات سمجھتے تھے۔ افغانستان سے شاہ شجاع ان کی خانقاہ میں عقیدت و ارادت کے ساتھ حاضر ہوا تھا

جاگیرداروں اور ولیان ریاست کا تو یہ معمول تھا کہ گدی پر بیٹھتے وقت ان ہی کے دست مبارک سے پگڑی بندھواتے تھے اور ان کی دعاؤں کو اپنے لئے سعادت دارین سمجھتے تھے سرسید نے جو ان کے ہم عصر تھے، لکھا ہے کہ ان کی شہرت قاف سے قاف تک ہے یہ دہلی سے جو اپنے انحطاط کے زمانہ میں بھی علم و فضل کا مرکز تھا، علماء اور صوفیہ فیض حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ مولوی حیات علی دہلوی اور صاحبزادہ نظام الدین پسر کالے صاحب کو اپنی روحانی پیاس بجھانے کا سامان تونسا ہی میں ملا تھا۔

شاہ صاحب کا نظام اوقات شاہ محمد سلیمان صاحب اپنے اوقات اور عادات کے بہت پابند تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد ایک پہر ذکر جہ میں مشغول رہتے تھے۔ ذکر سے فراغت کے بعد ہر شخص کو حاضری کی اجازت ہوتی تھی جب اس سے فرصت ملتی تو رات کا کھانا نوش فرماتے۔ پھر عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد حجرہ میں چلے جاتے تھے۔ تہجد کے بعد ذکر جہ کرتے تھے۔ اس وقت ایک مخصوص نخل سماع ہوتی تھی جس میں کسی شخص کو حاضری کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ میاں احمد قوال کچھ سنا تھا۔ نماز فجر سے قبل اپنے تخت پر آرام فرماتے تھے۔ جب اذان ہوتی، مسجد میں تشریف لاتے نماز کے بعد حجرہ میں چلے جاتے۔ ایک پہر دن گزرنے پر پھر عام مجلس شروع ہو جاتی۔ اس کے بعد کھانا کھاتے، اور کسی قدر قیلولہ کے بعد نماز ظہر ادا کرتے۔ پھر عصر تک کلام پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے۔ عصر سے مغرب تک مسجد میں قیام فرماتے۔ مناقب حنفیہ میں لکھا ہے کہ شیخ کے ان معمولات میں خواہ حضر ہو یا سفر فرق نہیں ہوتا تھا۔ ۳۶

۱۔ دیکھ آثار الصنادید۔ سرسید احمد خاں ص ۱۸

۱۔ آثار الصنادید۔ سرسید احمد خاں ص ۱۸

۲۔ نافع الالکین میں لکھا ہے "سماع رابعہ از نماز تہجد بسیار بزرگداشتندے" ص ۱۳۴

۲۔ مکتبہ سیر الاولیاء ص ۱۳۹

۳۔ خاتم سلیمانی میں لکھا ہے: "میاں احمد قوال حضرت کا خاص غلام تھا: بچپن سے لے کر آخر عمر تک حضور پر نور کی محبت میں رہا" ص ۸۶

۳۔ خاتم سلیمانی ص ۴۱

۴۔ آپ کا ایک اور قول یہ بخیر تھا۔ نافع الالکین ص ۱۲۵

۴۔ خاتم سلیمانی ص ۱۳

۵۔ مناقب حنفیہ ص ۱۶

شاہ صاحب کی اخلاقی کوششوں کا ہر کوئی نکتہ یہ ہی تھا۔ انھوں نے ہمیشہ اسی جدوجہد میں وقت گزارا کہ عوام کے اعمال درست کئے جائیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں آدمی بہت ہیں لیکن آدمیت نہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

آدمی کم موجود شونکہ اکثر صورت آدمی دارند

وخصال آدمی ندارند آدمیت عبارت از خوب

خصال وحمیدہ افعال است۔ لہ

فرمایا کرتے تھے کہ آدمی ہونا بہت مشکل ہے۔ ”آدمی شدن بسیار مشکل است۔“ انتہای تھی کہ کہا کرتے تھے کہ سلاک السلوک میں آدمی کی جو صفات نکلی ہیں وہ خود میرے اندر بھی نہیں ہیں۔

ملفوظات میں جگہ جگہ بری صحبت، غیبت، غرور، عیب جونی، شراب خوری، عشق بازی اور رشوت خوری سے بچنے کی ہدایت ہے۔ اور بار بار ادب، ایمان، فواری، نیکی، عجز و انکسار اور ایمان داری کا درس دیا گیا ہے۔ نافع السالکین میں شاید ہی کوئی ایسا صفحہ ہو جہاں اصلاح اخلاق پر زور نہ دیا گیا ہو۔ ان سب اصلاحی مشوروں کا خلاصہ یہ ہے:

① بری صحبت سے بچو۔ اس کے اثرات بہت خطرناک ہوتے

ہیں اور جلدی اثر کرتے ہیں۔ جگہ جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

صحبت صالح تراصلح کنت۔

صحبت طالح تراطالح کنت۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مَا آتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَنْ نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا شَاءَ صَاحِبِ كَيْفَ يَهْدِي الْقَلِيلُ

اسی آیت کا ترجمہ ہے۔

۱۔ نافع السالکین ص ۱۰۹۔ ۲۔ نافع السالکین ص ۱۱۱۔ ۳۔

۴۔ فصیح الخشب کی شہور کتاب ہے۔ ۱۳۰ھ میں شیعہ مجتہد دہلی سے شائع ہوئی۔

۵۔ نافع السالکین ص ۱۱۱۔ ۶۔ نافع السالکین ص ۱۱۱۔

تعلیم اخلاق جب کسی قوم کا سیاسی زوال شروع ہوتا ہے تو اس کے افکار و اعمال، عادات و اطوار بھی انحطاط پذیر ہونے لگتے ہیں۔ یہ قومی زوال کی آخری منزل ہوتی ہے۔ اخلاقی زوال کے اثرات، سیاسی زوال سے کہیں زیادہ ہلک ہوتے ہیں اس کے بعد کچھ عرصہ کے لئے تجدید و احیاء کی سبب راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ شاہ محمد سلیمانؒ نے جس وقت ارشاد و تلقین کا ہنگامہ برپا کیا تھا اس وقت مسلمانوں پر سیاسی ادبار کی گھنائیں چھا رہی تھیں۔ اس زوال کو سب دیکھ رہے تھے لیکن بہت کم لوگ ایسے تھے جن کی حقیقت میں نگاہیں سیاسی زوال کے نیچے ایک خطرناک اخلاقی زوال کے اثرات بھی دیکھتی ہوں۔ ایسے لوگوں نے سلطنت کا ماتم کرنے میں اپنا وقت صرف نہیں کیا۔ انھوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اسلامی اخلاق و شعائر کی نگہبانی کی۔ شاہ محمد سلیمانؒ بھی ان ہی چند بزرگوں میں تھے جن کی کوششوں کا محور اخلاق و عادات کی درستی تھا۔

حضرت شاہ محمد سلیمان صاحبؒ چاہتے تھے کہ مسلمان، رسول عربیؐ کے آئینہ میں اپنے اخلاق و عادات کو سنواریں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اچھے فضائل اور عادات صرف متابعت رسول سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

”خوب خصائل حمیدہ افعال بغیر متابعت

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل نہ شود“ لہ

متابعت کی تشریح اس طرح کرتے ہیں۔

متابعت عبارت از دو چیز است۔ ۱۔ متابعت سے مراد دو چیز ہیں جو کچھ

اچھے خدا و رسول خدا و امیر کردہ اند۔ خدا و رسول خدا نے حکم دیا ہے اسے کرنا

یہاں کہ وہ و آنچه منع فرمودہ اند نہ باید کرد۔ اور جس چیز سے منع کیا ہے اس سے بچنا۔

۱۔ نافع السالکین ص ۱۱۱۔

۲۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

حضرت بایزید بسطامی نے جب یہ سنا تو فوراً شہر سے نکل کھڑے ہوئے کہ سب سے برا تو میں ہی ہوں" ۱۷

شاہ صاحبؒ چاہتے تھے کہ ان کے مریدوں میں عجز و انکسار کا مادہ پیدا ہو اور وہ شفقت و مہربانی کے ساتھ خلقت کے ساتھ پیش آئیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"سالک را باید کہ بجز خلق را چہ شریف و چہ

خسین بیشفت و رحمت ناظر باشد تا

حق تعالیٰ بروے رحمت کند" ۱۸

غور و خلوت سے نہ صرف دینی کام میں رکاوٹ پڑتی ہے بلکہ خود انسان کے اندر روحانی ترقی کی صلاحیتیں مردہ ہو جاتی ہیں۔

حسد و کبر سے بچو۔ فرماتے ہیں۔

"کل توحید نہ روید کہ زمینے کردو توحید کا پھول اس زمین میں نہیں آگتا

خار شرک و حسد و کبر و ریاست" جہاں شرک، حسد اور ریا کے کانٹے

موجود ہوں۔

عیب جوئی سے بچو۔ فرماتے تھے کہ اپنے عیوب کی تلاش مقدم ہے۔

سالک را باید کہ بسبب عیب بینی خویش از

عیب خلق چشم بہ بند و کہ عین سعادت و رضا

حق سبحانہ دریں مندرج است، چنانچہ در حدیث

وارد است، طوبی لمن شغل عینہ من عیوب الناس

۱۷ نافع الالکین ص ۱۱۰

۱۸ نافع الالکین ص ۲۲

۱۹، ۲۰ نافع الالکین ص ۲۹

۲۱ نافع الالکین ص ۲۳

صحبت کے اثرات بتانے کے سلسلہ میں وہ نہایت نصیحت آموز حکایتیں اور قصے بیان کرتے ہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نقل کرتے ہیں۔ بار بار یہ شعر پڑھتے ہیں۔

نار خنداں بلغ را خنداں کند

صحبت مرداں ترا مرداں کند

یک زمانہ صحبت با اولیا

بہتر از صد سال طاعت ہے تریا

بری صحبت کے اثرات بیان کرتے ہوئے، عوارف المعارف کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ ایک سانپ ایسا ہوتا ہے کہ جس پر اس کی نظر پڑ جاتی ہے وہ سوختہ ہو جاتا ہے۔ جب حیوان کے یہ اثرات ہیں تو انسان کے اثرات کا کیا کہنا ۱۹

② غرور و تکبر سے بچو۔ کسی کو حقارت سے نہ دیکھو۔ عجز سے رہو۔ اپنے

آپ کو سب سے بزرگ و کم تر سمجھو۔ فرماتے ہیں:

"ہر کہ خود را از ہمہ کس کم داند او

مقبول و محبوب حق تعالیٰ باشد"

شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کی سی انکساری پیدا کرنی

چاہیے " ایک مرتبہ بارش کی کمی ہوئی۔ نماز استسقاء کے باوجود جب باران رحمت

نازل نہیں ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ برے لوگوں کی شامت اعمال سے یہ ہوا ہے۔

۱ نافع الالکین ص ۱

۲ نافع الالکین ص ۵۲

۳، ۴ نافع الالکین ص ۲۵

۵ نافع الالکین ص ۱۴۶، ۴۵

۶ نافع الالکین ص ۱۱۰

غیبت سے بچو۔ قرآن پاک کا حکم ہے —
وَلَا تَغْتَابُ بَعْضُكُم بَعْضًا اِذَا كُنْتُمْ اَنْ تَاْكُلْ لَحْمًا حٰلِيَةً مِّمَّا
فَكَرِهْتُمْ ۝۱۵ (پ ۲۶ سورہ حجرات ۲)

یا درکھو —

غیبت از سرقت بد است زیرا کہ در سرقت سارق
چیزے در دے می خورد و در غیبت بیع سود نیست بلکه
اعمال غیبت کنندہ خاکستر شوند بلکہ
پھر یہ شعر پڑھتے ہیں —

اے کس کہ بسوئے غیبت افراختہ است
اواز تن مردیٰ ن غذا ساختہ است

و آنکس کہ بعیب خلق پرداختہ است
زانست کہ عیب خویش نشاختہ است

وہ اپنی نصیحت کو پر زور اور زود اثر بنانے کے لئے آیات قرآنی، احادیث اور اشعار
بر محل نقل کرتے تھے۔ جب اخلاقی درس دیتے ہیں تو ان کے لہجے میں اصولی سختی اور
تبلیغی نرمی کا نہایت ہی حیرت انگیز امتزاج ہوتا ہے نصیحت کرنے کا جو موقع ملتا ہے
اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں جس قسم کے لوگ آتے ہیں جس قسم کا مسئلہ زیر بحث ہوتا، وہ
اخلاقی درس کو نہ بھولتے۔ وہ چاہتے تھے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اخلاقی اصول کا رفرما
ہوں کسی قسم کی گفٹنگو ہوتی وہ اس کا اخلاقی پہلو ضرور نمایاں کر دیتے تھے۔ ایک دن
تجارت کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی تو ارشاد فرمایا:

اگر کسے سوداگری دانہ گندم کند
اگر کوئی اس نیت سے گہوں کی تجارت
بریں نیت کہ غلہ را بہ قیمت گراں
کیے کہ اس کو گراں بچوں کا تویرا مژدہ

۱۔ ۲۵ نافع ال کلین ص ۸۲-۸۳

خواہم فروخت اس امر و شریعت میں ممنوع ہے بلکہ کوئی ایسی نیت
ممنوع است بلکہ ہر کہ اس نیت کرتا ہے وہ بالآخر غوار اور ذلیل ہو کر مرنے
کند عاقبت الام خوار شدہ بمیرد — ہے۔

جانوروں کے پالنے کے متعلق گفتگو ہوتی ہے تو فوراً ہدایت فرماتے ہیں کہ جو شخص
جانوروں کو پالتا ہے لیکن ان کی خبر گیری نہیں کرتا اس سے قیامت دن پرسش
کی جائے گی۔ ۱۔

یہ معمولی معمولی باتیں ہیں لیکن اپنے اخلاقی درس کو وہ یہاں بھی نہیں بھولتے۔
مریدوں کے لئے ان کی اخلاقی تعلیم کے مرکزی نکتے یہ تھے:

- ① — عمل صالح۔
- ② — نیکی۔
- ③ — ادب۔

از خدا خواہم تو بنیق ادب
بے ادب محروم ماند از فضل ش

مریدوں کی اخلاقی تعلیم میں وہ ان ہی تین چیزوں پر زور دیتے تھے ملفوظات
میں متعدد جگہ ان ہی کو مختلف انداز سے دل نشین کرایا گیا ہے۔

حضرت شاہ محمد سلیمانؒ کو ارکان اسلام کے تحفظ کا بڑا
خیال تھا۔ جس وقت انھوں نے اصلاح و تربیت کا

۱۔	نافع ال کلین ص ۱۵۸	۲۔	نافع ال کلین ص ۱۰۷
۳۔	نافع ال کلین ص ۶۲	۴۔	نافع ال کلین ص ۱۱۹
۵۔	نافع ال کلین ص ۱۱۳		

کام شروع کیا تھا، اس وقت لوگوں میں فسق و فجور بہت بڑھ گیا تھا۔ خود شکایت کرتے ہیں۔

”دریں زمانہ مردمان فسق و فجور اس زمانہ میں لوگ فسق و فجور کرتے تھے۔“

دین سے بے اعتنائی عام تھی۔ بدعت کے کاموں میں سیکڑوں جمع ہوجاتے تھے لیکن کار خیر میں حصہ لینے کے لئے کوئی تیار نہ ہوتا تھا۔ فرماتے ہیں:

”ہر جاکہ بدعت و بازی باشد جہاں کہیں بدعت یا کھیل ہوتے ہیں خلق بسیار جمع شود، و ہر جاکہ کار نیک باشد خلق کم رود“

ایک شخص نے جس نے بڑی سیاحت کی تھی، شاہ صاحب سے عرض کیا:

”من ملک خراسان و ہندوستان میں نے خراسان اور ہندوستان میں رادیدہ ام کہ پیچ جا دین داری نیست گشت کیا ہے کہیں ایسی دین داری مثل بخارا و دیگر در توفہ مبارک نہیں ہے جیسے بخارا اور تونسہ میں کہ از سبب برکت آل صاحب توفہ میں شاہ صاحب کی وجہ سے بسیار دین داریست“

تونسہ کی یہ حالت تو شاہ صاحب کی مسلسل کوشش اور تلقین پیہم کے بعد ہوئی تھی ورنہ اور جگہ حالت یہ تھی کہ عوام ارکان اسلام سے نابلد تھے اور طرح طرح کے جیلے بہانے بنا کر فرائض سے بچتے تھے۔ نماز اور روزہ جو اسلام کے ستون ہیں غفلت اور بے توجہی کے باعث کمزور ہوتے جا رہے تھے۔ ملفوظات میں جگہ جگہ عوام کی اس بے اعتنائی پر غم و غصہ کا اظہار کیا گیا ہے۔ ایک شخص نے عرض کی کہ میں علاوہ پانچ وقت

نماز کے کوئی کار خیر نہیں کرتا۔ ارشاد ہوا۔

ہر کہ دریں زمانہ نماز پنج وقتہ با

جماعت بخارا و دلی است کہ

دریں زمانہ بے دینی تمام است

روزہ سے لوگ بچتے تھے۔ کہتے تھے کہ روزہ رکھنے سے خشکی ہوتی ہے۔ شاہ صاحب نے ان خیالات کے خلاف جہاد کیا اور بتایا کہ ایسا کرنا اگر اپنی نفس پر مبنی ہے فرماتے ہیں:

”دنیا داراں در ماہ رمضان شریف

روزہ ندارد و گویند کہ مارا خشکی

می شود ایس سخن از گمراہی نفس و

شیطان است“

دنیا دار رمضان المبارک کے روزے نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ خشکی ہوتی ہے۔ یہ بات نفس کی گمراہی اور شیطان کے غلبہ کی بنا پر ہے۔

اس زمانہ کے صوفیہ مختلف قسم کی بد اعتقادیوں کا شکار تھے: صوفیہ کی اصلاح روحانی ترقی اس لئے چاہتے تھے کہ دنیاوی دشواریاں حل ہو سکیں اور۔

مقصود من خستہ ز کونین توئی

از بہر تو میرم ز برائے تو ز نیم

کی صدا اب کسی حجرہ سے سنائی نہ دیتی تھی۔ اعمال و وظائف میں حد سے زیادہ اعتقاد تھا۔ اور سارا وقت اسی میں صرف ہوتا تھا۔ شاہ صاحب نے اس گمراہی کو محسوس کر لیا اور فرمایا۔

ساک را باید کہ در عملیات تصنیع

ساک کو چاہیے کہ عملیات میں توجہ

۱۔ نافع الالکین ص ۱۶۸

۲۔ نافع الالکین ص ۱۰۹

۳۔ حضرت بابا فرید گنج شکر اکثر اپنے حجرہ میں سر بسجود خلوت میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

۱۔ نافع الالکین ص ۱۶۰

۲۔ نافع الالکین ص ۱۶۰

وقت نہ کند کہ ایں رہزن و مانع
راہ فقر است و مقصود اصلی کیا
کردن حق است“ ۱۷
کو ضائع نہ کرے ایسے مشغلے راہ فقر کے
ڈاکو اور رکاوٹیں ہیں۔ اصلی مقصود
خدا کا یاد کرنا ہے۔

ان وظائف کی جگہ جن کا مقصد کسی دنیاوی شکل کا حل کرنا ہوتا تھا، شاہ
صاحب نے ذکر جہر پر زور دیا۔ اور فرمایا —

ذکر جہر بہ کلمہ لا الہ الا اللہ از ہمہ
اورادو وظائف بہتر است
چنانچہ در حدیث شریف وارد است
افضل الذکر لا الہ الا اللہ“ ۱۸
ذکر جہر بہ کلمہ لا الہ الا اللہ سبب اورادو
وظائف سے بہتر ہے۔ چنانچہ حدیث
شریف میں آیا ہے کہ سب سے افضل
ذکر لا الہ الا اللہ ہے۔

شاہ صاحب کی کوشش تھی کہ صوفیہ میں اطاعت حق کا صحیح جذبہ اور دین کا غم
پیدا ہو۔ وہ اس دینی طبقہ کو مادی الجھنوں میں پھنسا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ فرماتے
ہیں —

سالک را باید کہ غم دین خورد کہ
مقصود دارین است ۱۹
”غم دین خورد کہ غم غنم دین است
ہمہ غمہا فروتر ازین است“ ۲۰
سالک کو چاہئے کہ غم دین کھائے کہ
مقصود دارین ہی ہے۔

وہ صوفیہ کو دنیا داری سے دین داری کی طرف بلاتے تھے اور ان کو بتاتے تھے کہ
کل تم کیا تھے، آج کیا ہو گئے؟ تمہاری کوششوں اور عبادتوں کے مرکز کیوں تبدیل ہو
گئے، تم نے دین کے بجائے دنیا سے کیوں دل لگا لیا۔ تم نے اپنے اعتقادات میں کیوں
فساد پیدا کر لئے صحیح مذہبی جذبہ پیدا کرو کہ وہی سعادت دارین کا باعث ہو گا۔

شاہ صاحب کی بالکل نظر ہر گراہ روش کو دیکھ لیتی تھی اور وہ اس کے خطرناک
اثرات سے فوراً آگاہ ہو جاتے تھے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ لوگ اپنے شیخ پر بے جا
اعتقاد اور اس کی روحانی امداد پر بے جا اعتماد رکھتے ہیں، چنانچہ انھوں نے صاف
طور سے لوگوں کو آگاہ کر دیا کہ تم اپنے پیر سے جس قدر امداد چاہتے ہو اور کائنات کے
کاموں میں اس کا جس قدر دخل خیال کرتے ہو، یہ سب باتیں اس کے احاطہ اختیار
سے باہر ہیں۔ اللہ پر صحیح بھروسہ رکھو، سوائے اس کے کسی سے التجا نہ کرو، اسی سے
عرض مدد کرو اور اسی پر اعتماد رکھو۔ ۱۷

لوگوں کا اعتقاد تھا کہ ”چونکہ ایں جنیں شیخ کامل و مکمل می داریم ہر کار و عمل کہ
می کنم مرا غم نیست“ ۱۸ شاہ صاحب نے ایسے غلط اعتقادات کو بچ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔
اور فرمایا کہ کارخانہ قدرت میں کسی کو دخل نہیں۔ وہاں انسانی اعمال سے نتائج مرتب
ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا کام حکمت سے ہوتا ہے۔ انسان کو اس سے واقفیت نہیں:

ہم کی کار حق تعالیٰ بغیر حکمت نیست
بچ کس نداند“ ۱۹
اللہ تعالیٰ کا کوئی کام بغیر حکمت نہیں
ہوتا لیکن وہ حکمت کسی کو معلوم نہیں ہوتی

ایک جگہ ان ہی گمراہیوں کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:
سالک کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل
را عین حکمت پندارد، اگر چہ
براں اطلاع نداشته باشد و ہر
اعتراض نکند و ہر کہ اعتراض کند
فہو مردود فی الدارین۔ ۲۰
سالک کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل
عین حکمت سمجھے۔ اگر چہ اس (حکمت)
سے واقف نہ ہو۔ اس پر اعتراض نہ
کرے۔ جس نے اعتراض کیا وہ دارین
میں مردود ہو گیا۔

شاہ محمد سلیمان صاحب نے اسلامی سوسائٹی کے جس طبقہ کو بھی غلط
علماء کو تنبیہ کی راستے پر پایا اس کی طرف فوراً توجہ کی۔ علماء کی بے راہ روی دیکھی تو

وہ کانپ اٹھے اور فرمایا —

”فساد العالم فساد العالم“ ۱۵

وہ علماء کی گمراہی کو ساری قوم کی گمراہی کے مترادف سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ عوام کی گمراہی خود اسی تک رہتی ہے۔ لیکن علماء کی گمراہی کا عوام بھی شکار ہو جاتے ہیں

نہ درجنت تنہا می روند و بند در وہ درجنت میں تنہا جاتے ہیں نہ
دوزخ بلکہ ہر دو طرف باجماعت دوزخ میں دونوں جگہ طاعت کثیر
کثیر روانہ می شوند ۱۶ ان کے ساتھ ہوتی ہے۔

چنانچہ علماء کو ہدایت فرماتے ہیں —

”عالم را باید بر علم عمل کردن“

والا کذلک الحیاۃ بحیرۃ استفسار ۱۷

علم کا مقصد شاہ صاحب کی نظر میں تھا —

مقصود از علم، عمل و ہدایت و علم سے مقصود عمل، ہدایت اور حق
محبت باری تعالیٰ حاصل کرنا و تعالیٰ کی محبت حاصل کرنا ہے۔
است ۱۸

اگر یہ مقصد پورا نہ ہو تو سب علم گمراہی ہے، اور اس کا حاصل کرنا عبث۔
شاہ صاحب نے اپنے زمانہ کے نہصاب تعلیم کے خلاف بھی آواز بلند کی۔ فرمایا

۱۹۔ نافع الالکین ص ۲۰

۲۰۔ نافع الالکین ص ۲۲ ۲۱۔ نافع الالکین ص ۱۲۲

علامہ اقبال کا خیال تھا ”مسلمان کے لئے لازم ہے کہ علم کو ایسی ہی اس علم کو جس کا مدار حق اس پر ہے اور جس سے بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے حاصل کرے۔ بولہب را حیدر کرار کن۔ اگر یہ بولہب حیدر کرار بن جائے یا یوں کہئے کہ اگر اس کی قوت دین کے تابع ہو جائے تو فوج انسان کے لئے سرسبز ہے“
Sybal's Educational Philosophy p. 116

کہ علماء کو فقہ اور تفسیر پر زور دینا چاہیئے۔ ان ہی کے مطالعہ سے مذہبی زندگی سنورتی ہے

فرماتے ہیں —

علم فقہ و تفسیر ضروریہ است کہ علم فقہ اور تفسیر لازمی ہیں۔ فرض و واجب
دانستن فرض و واجب سنت سنت، مستحب اور مکروہ کا جاننا علم فقہ
و مستحب و مکروہ موقوف بر علم فقہ پر منحصر ہے باقی علوم تو سر دردی ہیں۔
است و باقی ہمہ علوم سر دردی
است ۱۹

ایک جگہ فرماتے ہیں:

علم بغیر عمل، و عمل بغیر عقیدہ علم بغیر عمل اور عمل بغیر عقیدہ اہل سنت
صاف کہ اہل سنت و جماعت صاف کہ اہل سنت و جماعت و جماعت فائدہ نہیں پہنچاتا۔
است فائدہ نندہ ۲۰

اگر ایسا نہیں ہے تو سب فضول ہے —

علم چنداں کہ بیشتر خوانی

چوں عمل در تو نیست نادانی ۲۱

زوال و انحطاط کے زمانہ میں سیکڑوں سماجی اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہو جاتی
سماج ہیں۔ ان کی ابتدا گھر کی چار دیواری سے ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ ساری قوم مجموعی
حیثیت سے ان میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ
صاحب کے زمانہ میں سماج کی وہ حالت نہ رہی تھی جو جذب اور تربیت یافتہ سوسائٹی
کے افراد میں ہونی چاہیئے۔ گھر کی چار دیواری مدنی زندگی کا گہوارہ ہے۔ جب گھر میں اخلاقی
خرابیاں رونما ہونے لگتی ہیں تو مدنی زندگی کے سرچشمے معدوم ہو جاتے ہیں۔ نافع الالکین

۱۔ نافع الالکین ص ۱۳۵ ۲۔ نافع الالکین ص ۵۰

۳۔ نافع الالکین ص ۸۵

میں ایسے متعدد واقعات درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کا ادب اہل
بالکل جاتا رہا تھا۔ ایک شخص نے اگر خدمت اقدس میں عرض کیا: حضرت میرے عیال
والطفال مجھے گالیاں دیتے ہیں اور میری خدمت نہیں کرتے، شاہ صاحب کو یہ سن کر
بے حد رنج ہوا۔ لیکن وہ انسانی نفسیات سے واقف تھے۔ اس شخص کو تو یہ کہہ کر تسلی
دے دی۔

”تکبیر حق بکار آید و تکبیر غیر بکار یابد
واگر کسی تکبیر بر عیال و اطفال
کنہ کہ مرا خدمت کنند، پیچ فائدہ
نمی دهد“ لہ
لیکن پھر ایک موقع پر نہایت افسوس کے ساتھ فرمایا۔
از علامات قیامت است کہ
پسر یا پدر جنگ و نزاع باشد کہ
اور پھر یہ شعر پڑھا۔

دختران را ہمہ جنگ است و جہل با مادر
پسران را ہمہ بدخواہ پدر می بینم
جب کوئی اخلاقی یا سماجی کمزوری شاہ صاحب کے علم میں آجاتی تھی تو وہ
اس کے دور کرنے کی بے حد کوشش کرتے تھے۔ جب انھوں نے یہ حالات دیکھے تو مختلف
طریقوں سے والدین اور اولاد کے تعلقات میں شگفتگی، اطاعت اور فرماں برداری پیدا
کرنے کی سعی فرمائی۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

خدمت و فرماں برداری والدین
از دل و جان بیاور کہ در حدیث
والدین کی خدمت اور فرماں برداری
دل اور جان سے کرنی چاہیے حدیث

آمدہ کہ والدین مثل کعبۃ اللہ
اند اگر کسی والدین را رو کند
ہرگز مقبول نہ شود“ لہ
میں آیا ہے کہ والدین کعبۃ اللہ کی مانند
ہیں جو والدین کو رو کر تباہ وہ خود کبھی
مقبول نہیں ہوگا۔
اس طرح ڈرانے کے بعد ایک جگہ نہایت خوشی کے ساتھ فرماتے ہیں۔
”اگر پسر یا پدر خوش دل شدہ تکلم
نماید، آں را مبارک باد ی نمایند“

شاہ صاحب نے سوسائٹی کی اور بھی بہت سی خرابیوں کی مذمت کی ہے۔ ایک
جگہ فرماتے ہیں، پہلے زمانہ میں قاضی صاحب نسبت جوتے تھے، اب رشوت خور ہوتے
ہیں۔ رشوت خوری کی مذمت اس طرح کرتے ہیں۔

ہر کہ حرام خورد، رزق او تنگ شود
و عا جزا شد چنانچہ دزدان ہمیشہ
خوار باشند“ لہ
جو کوئی حرام کھاتا ہے اس کا رزق تنگ
ہو جاتا ہے اور وہ عاجز ہو جاتا ہے
چنانچہ چور ہمیشہ خوار ہوتے ہیں۔
اہل کاروں کی مذمت ایک سلسلہ میں اس طرح کرتے ہیں۔

ہر اہل کار دریں زماں کہ نمی آید
از سابق بدتر باشد
ایک جگہ شراب خوری کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ
کسی کے نفس پر شیطان غالب کرتا ہے تو وہ شراب خوری وغیرہ کا ارتکاب کرنے لگتا
ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ عشق بازی سے بچنا چاہیئے؛

عشق و رزیدن با کو دکان و زنان
بلا نیست ازیں دور باید بود
عورتوں اور لڑکوں سے عشق کرنا ایک
بلا ہے اس سے دور رہنا چاہیئے۔

اتباع شریعت کی تلقین | شاہ محمد سلیمان صاحب شریعت کے معاملہ میں نہایت سخت گیر تھے۔ فرمایا کرتے تھے:

ہر کہ خواہر قبول و محبوب حق بجا
تعالیٰ گرد و یادیکہ در متابعت
شریعت ظاہر و باطن کو شش
نمایند چنانچہ نص دریں باب وارد
است۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ
فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ
اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع
کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

بار بار ارشاد ہوتا ہے:

از امر غیر مشروع دور باشید
ان کو سوائے قرآن و حدیث کے کوئی گفتگو پسند نہ تھی۔ فرمایا کرتے تھے۔
”بغیر ذکر خدا و رسول ہمہ سرد روی است“

شاہ صاحب کا خیال تھا کہ انسانیت کا کمال بغیر متابعت شریعت و شوارہ
و حصول کمال انسانی بغیر متابعت شریعت
ظاہری و باطنی از قبیل محالات است“

فرمایا کرتے تھے کہ صفائی قلب جو روحانی ترقی کے لئے از بس ضروری ہے، بغیر
اتباع شریعت کے حاصل نہیں ہوتی۔ اگر کوئی ولی بھی خلاف شرع عمل کرتا ہے تو اس
کی دلالت اور روحانیت کو نقصان پہنچ جاتا ہے:

ایک فعل غیر مشروع بندہ را از مرتبہ
ایک غیر شرعی فعل بندے کو مرتبہ

۱۔ نافع الکلین ص ۴۵ ۲۔ نافع الکلین ص ۱۵۵

۳۔ نافع الکلین ص ۱۰۹ ۴۔ نافع الکلین ص ۲۹ ۵۔

دلالت یفکند“

دلالت سے نیچے پھینک دیتا ہے۔

شاہ صاحب، تصوف و سلوک کی مستند کتابوں کے حوالے دے کر یہ ثابت
کیا کرتے تھے کہ صراطِ مستقیم سے مقصود راہ شریعت ہے۔ شیخ نجی الدین ابن عربیؒ نے
فتوحات مکیہ میں اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے عوارف المعارف میں ہی بتایا ہے
کہ شریعت کی مدد کے بغیر روحانیت کی دشوار گزار راہیں طے نہیں کی جاسکتیں۔
شاہ صاحب جب لوگوں کو شریعت سے بے اعتنائی برتتے ہوئے پاتے تھے
تو ان کو سخت صدمہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ فرماتے لگے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب
بالغرض اس وقت موجود ہوتے تو اس زمانہ کے لوگوں کو کافر کہتے، اس لئے کہ انھوں نے
شریعت کا اتباع چھوڑ دیا ہے اور مخلوق اُن کو دیوانہ کہتی، اس لئے کہ ان کے افعال و
اخلاق شریعت کے مطابق ہوتے۔

شاہ صاحب مسلمانوں کے تمام مصائب اور مشکلات
متابعت رسولؐ کی ہدایت کا سبب اتباع رسولؐ میں سستی کو قرار دیتے تھے! ان کا
خیال تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے حکومت بھی اس لئے نکلی ہے کہ انھوں نے متابعت
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

دریں زمانہ چون مسلمانان متابعت
نبی صاحب صلی اللہ علیہ وسلم گذاشتہ
اند حق بجا نہ تعالیٰ کفار را بر ایشان ملط
کردہ است“

اکثر ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ جب سکھوں نے ملتان کا محاصرہ کیا تو
ایک بزرگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں امداد کے طالب ہوئے خواب میں
رسول خدا نے ارشاد فرمایا:

۱۔ نافع الکلین ص ۱۲۸ ۲۔ نافع الکلین ص ۱۹ ۳۔ نافع الکلین ص ۵

۴۷ نافع الکین ص ۱۰۵ ۴۸ نافع الکین ص ۴۴

سائلک را باید کہ سوائے جناب حق عزوجل
تکیہ گاہ خود نہ بیند ۱۷

غیر اللہ پر تکیہ کرنا حادث ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے خدا پر بھروسہ کیا اور
اگ گلزار بن گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے غیر پر بھروسہ کیا اور زنداں میں رہے۔
۳۱ حُب دنیا سے پرہیز | شاہ محمد سلیمان صاحب نے اپنے ملفوظات میں
جگہ جگہ ”دنیا کی محبت“ اور ”دنیا داروں کی صحبت“
سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ اس سے ان کا مقصد گوشت نشینی یا رہبانیت نہ تھی۔ خود
اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

سائلک کو دنیا کی چند چیزوں کے بغیر چاہ
نہیں، اور ان کو صوفیہ کرام دنیا میں
شمار نہیں کرتے۔ بلکہ ان کو امور دنیویہ
میں گنتے ہیں۔ چنانچہ غذا و عبادت کے
لئے ضروری ہوا اور کپڑا جو ستر کے چھپانے
کے لئے درکار ہوا اور پانی جو بقا حیات
کے لئے ہوا اور سکن ضروری برائے عبادت
اور علم برائے عمل وہ چیزیں ہیں جو دنیا
میں شمار نہیں۔

شاہ صاحب نے جب مسلمانوں کے
حکومت کے متعلق شاہ صاحب کا نظریہ
سیاسی زوال کے اسباب کا تجزیہ

۱۷	نافع السالکین ص ۵۹	۱۷	نافع السالکین ص ۵
۱۸	نافع السالکین ص ۱۱۹	۱۸	نافع السالکین ص ۵
۱۹	نافع السالکین ص ۱۱۱	۱۹	نافع السالکین ص ۲۸

کیا، تو ان کو مسلمانوں کے سبب آلام و مصائب کا صرف ایک سبب نظر آیا اور وہ مذہب
سے بیگانگی۔ ایک مرتبہ لوگوں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ ظالموں کے ظلم سے
تنگ آگئے ہیں۔ جواب میں فرمانے لگے۔

”اگر کسے بدی کند بر خود کردہ باشد“ ۱۷

شاہ عبدالعزیز صاحب کی طرح ان کا خیال یہ تھا کہ حکومت کفر کے ساتھ چل سکتی
ہے لیکن ظلم و نا انصافی کے ساتھ نہیں۔ ۱۷
شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ظالم حکمران کا مسلط ہونا، لوگوں کی بد اعمالی
کی دلیل ہے۔ ”اعمالکم و عما لکم“ اور اپنی مجلسوں میں اسی پر اصرار کیا کرتے تھے، فرماتے
تھے کہ جب خدا نے تمہاری کسی ملک کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو ظالم حاکموں کے
قبضہ میں دے دیتا ہے۔

چو خواہد کہ ویراں کند عالمے
نہد ملک در پجہ ظالمے
بقوے کہ نیکی پسند و خدائے
دہد خسرو عادل و نیک رائے
جب لاہور پر سکھوں کا قبضہ ہوا تو شاہ صاحب نے کہا:
ان اللہ تعالیٰ علی استعداد متقیہ الہ
”یعنی کار ما مسلماناں را در ناشایستگی از حد گذشتہ
کہ ایشان در ملک غلبہ کردہ اند“ ۱۷
پھر یہ شعر پڑھا۔

چشم عبرت بر کشا و قدرت حق را بین
شامت اعمال ما ایں صورت را در گرفت

۱۷	نافع السالکین ص ۱۳۶-۱۳۵	۱۷	ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز ص
۱۸	نافع السالکین ص ۴	۱۸	نافع السالکین ص ۳۰

وہ حاکم کو برا کہنے اور غیر ضروری طور پر بدنامی اور ہنگامہ آرائی کے بجائے درستی اعمال کا مشورہ دیتے تھے کہ اسی میں فتح و کامرانی کا راز تھا۔ فرماتے ہیں۔

سالک را باید که در حق حاکم وقت سالک کو چاہیے کہ حاکم وقت کے حق دعائے بد نہ کند، خواہ مسلمان باشد خواہ مشرک، خواہ ظالم باشد خواہ عادل، بلکہ برائے او دعا کنند تا کہ حکم اس سستی نباشد زیرا در سستی حکم نقصان خلق اللہ است و در قوت عین مصلحت ہے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت دعا فرمائیے کہ مسلمان کی حکومت ہو، ہم کفار کی حکومت سے تنگ آگئے ہیں۔ جواب میں ارشاد فرمایا۔

”حاکم حق تعالیٰ است“

اَلَيْسَ لِلّٰہِ مَا خَصَّوْا لَہِ لٰکِنَّ ۛ

شاہ صاحبؒ کی رائے تھی کہ حکومت سے پہلے درستی اعمال از بس ضروری ہے فرماتے ہیں:

ہر بلا و مصیبت کہ بر مردمان منزل ہر بلا و مصیبت جو انسان پر نازل ہوتی شود از جہت صلہ و اعمال ناشائستہ ہے ان کے اعمال ناشائستہ کا نتیجہ ہوتی باشد چنانچہ در حدیث شریف وارد ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے است اَعْمَالُکُمْ عَالَمُکُمْ یعنی تمہارے کردار تمہارا عالم ہے حاکم ہیں اگر تمہارے اعمال نیک ہوں گے تو تمہارے حاکم بھی اہل اسلام میں سے

و عادل باشند و اگر بالعکس باشند اور عادل ہوں گے اگر اس سے برعکس ہو پس حاکم شامیز کا فوجا بر باشند تو حاکم بھی کا فوجا بر ہوں گے۔

غیر مسلموں سے تعلقات وسیع الخیال اور وسیع النظار رنگ تھے چشتیہ سلسلہ کے دیگر

اکابر کی طرح ان کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ ہندوؤں سے شگفتہ تعلقات رکھے جائیں۔ وہ اپنے مریدوں کو ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ اپنے مذاہب، اپنے تمدن، اپنی شریعت پر قائم رہو لیکن ساتھ ہی ساتھ دوسرے مذاہب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اپنے تعلقات میں کبھی بد مزگی پیدا نہ ہونے دو۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

سالک کو چاہیے کہ کسی کو رنج نہ پہنچائے سالک را باید کہ هیچ کس رنج نہ بدد بلکہ ہر مخلوق صلح کند۔ لے

شاہ صاحبؒ ہمیشہ محبت، امن اور صلح کا درس دیتے تھے۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات میں شگفتگی دیکھنا چاہتے تھے۔ جامع ملفوظات نے لکھا ہے:

حضرت نے فرمایا کہ ہندو قبائل میں تو س سہہ فرزند حضرت نے فرمایا کہ ہندو قبائل میں تو س سہہ فرزند ہمارے ہندوؤں میں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے صلح کا یہ باعث و باعث و باعث و باعث کے طور پر پیش کرتے تھے۔

حافظ اگر وصل خواہی صلی کن با خاص و عام با مسلمان اللہ اللہ یا برہمن رام رام

یہ واضح ہے کہ شاہ صاحبؒ کا یہ برتاؤ اور یہ سلوک صرف غیر مسلموں کے ساتھ تھا۔ ہندوؤں کے معاملہ میں نہایت سخت گیر تھے۔ اپنے مریدوں اور معتقدوں کو ہمیشہ یہ بات یاد دلانے کی تلقین فرماتے رہے تھے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

سنا لک رہا یا دیکھ کر صحبت مذہب
خود را دور دارد اگر چه در صحبت ایشان
نعم دنیاوی موجود شوند ہرگز اختیار
نکند، بلکہ ہر گز سنجی و بزرگی گذران
بہتر است ۱۔

وہ بد مذہبوں کی لکھی ہوئی کتابوں کے مطالعہ کو بھی پسند نہ کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ حضرت مخدوم بہار الدین زکریا ملتانی نے تو اپنے بیٹے کو ایک ایسی کتاب بھی نہ پڑھائی تھی جس کا مصنف ایک معتزلی تھا۔ ۲۔

عیسائی اور شاہ صاحب
شاہ محمد سلیمان کے زمانہ میں برطانوی اقتدار نہایت
سرعت کے ساتھ قائم ہو رہا تھا۔ مختلف مقامات پر
عیسائی مشنری اپنے مذہب کی تبلیغ و تلقین میں سرگرم تھے۔ بعض لوگوں کو وہ مارشل
کالوج بھی دیتے تھے۔ بعض کو خاموش تبلیغ کے ذریعہ اپنا ہم خیال بناتے تھے۔ ایک
طرف یہ کوششیں جاری تھیں کہ دوسری طرف لارڈ میکالے نے اس طریقہ تعلیم کا سنگ
بنیاد رکھا تھا جس کے ذریعہ مغربی اثرات کا پھیلنا یقینی امر تھا۔

شاہ صاحبؒ کے پاس جب عیسائی مشنریوں کے چنگاموں کی خبر پہنچی تھیں
تو ان کو سخت تکلیف ہوتی تھی اور وہ اپنی بساط اور اپنے مقدور کے مطابق مسلمانوں کو
ان مغربی اثرات سے بچانے کی جدوجہد فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی محمد سیات دہلوی
نے عرض کیا کہ

بسیار مسلمانان را فرنگیان از دین بہت سے مسلمانوں کو فرنگیوں نے دین

۱۔ مکہ نافع اس الکلین ص ۱۶۲ ۲۔ مولوی محمد حیات دہلوی بڑے جدید عالم تھے۔ وہ
دہلی سے شاہ صاحبؒ کی صحبت کا فیض حاصل کرنے کے لئے تونسہ تشریف لے گئے تھے۔ ان کے
مختصر حال کے لئے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون شمارہ ۱۰۰ پہلے کی دہلی (ابرہان جولائی ۱۳۶۷ء)۔

محمد علی گردانیدہ از ایمان خارج محمدی سے گمراہ کر دیا ہے اور ایمان سے
کردہ اندکہ ایشان دین سبھا از خارج کر دیا ہے اور انھوں نے دین
جہت صحبت اختیار کردہ اندکہ سبھی صحبت کی وجہ سے اختیار کر لیا ہے
شاہ صاحبؒ کو یہ خبر سن کر صدمہ ہوا اور فرمایا کہ ایسی نوکری سے جس سے ایمان کا
خطرہ ہو چھو کا ہر جانا بہتر ہے جب ملتان پر انگریزوں کا قبضہ ہوا اور شاہ صاحبؒ کو معلوم
ہوا کہ انھوں نے وہاں مقابر کی بے حرمتی کی ہے تو سخت پریشانی میں یہ شعر پڑھا ہے

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میشاش اندر طعنہ پاکاں برد

ایک مرتبہ ایک شخص سے فرمانے لگے:

”فرنگیاں را تیر نمی زنی“ ۱۔

اس نے عرض کی ”قدرت نہیں رکھتا“ آپ مدد فرمائیے۔ آپ نے یہ شعر پڑھا اور

خاموش ہو گئے ۲۔

کمال نرم باید کماندار چشت
بوقت کشیدن در آید دست

سرکاری ملازمت اور شاہ صاحبؒ
مفتد میں صوفیہ سلسلہ چشت اپنے
خلفاء اور مریدین خاص کو ”شغل“ سے
اجتناب کی ہدایت فرماتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سرکاری ملازم ہونے کے بعد انسان
میں دینی کام انجام دینے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کا بھی
یہ ہی خیال تھا۔ وہ شغل کو روحانی ترقی میں ایک رکاوٹ تصور کرتے تھے۔ ایک شخص نے
اطلاع دی مولوی علی الدین بہاول پوری احمد پور کے قاضی ہو گئے ہیں۔ فرمانے لگے:

۱۔ نافع اس الکلین ص ۱۶۲ ۲۔ شغل سے مراد سرکاری ملازمت تھی۔

مولوی مذکور پیش از اس خوش
بود انکوں در بلا افتاد کہ معاملہ قضا
اختیار کردہ کہ معاملہ قضا نزد سیر
ما ممنوع است کہ بسیار مریدانرا
از اس معاملہ منع کردہ اند

اس کے بعد انھوں نے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کا واقعہ بیان کیا کہ بعد ازیں
زمانہ میں انھوں نے قاضی ہونا چاہا تھا لیکن شیخ نجیب الدین شوق نے اس سے باز
رکھا تھا۔

ایک مرید مولوی علی محمد جراح نے عرض کیا کہ غریب نواز! مجھے ڈیرہ غازی خان کی
فضائل رسی ہے۔ لیکن میں بہت ڈرتا ہوں۔ فرمایا۔ مرید ہی کا شفق اللہ دینی اور خاص
ہو گئے۔

شاہ صاحب اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کی نوکری کرنی چاہیے۔
سرکاری معاملہ سے دور رہنا بہتر ہے۔ اس میں پڑ کر فرشتہ بھی شیطان ہو جاتا ہے۔
ملفوظات میں متعدد جگہ انھوں نے اپنے اعلیٰ مریدوں کو سرکاری ملازمت سے
منع کیا ہے۔ ایک جگہ تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:

”نوکری و ملازمت نمودن بہ اہل دنیا بد است، و داخل شدن در معاملہ
اہل دنیا از اہل بدتر کہ سیکہ حاکم شود از جانب اہل دنیا بر مخلوقات حکم کند۔
و پاس خاطر اہل دنیا نماید و رعایت امر اللہ و رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
فراموش کردہ بر خلق اللہ تعدی کند و حال خلق اللہ را بظلم و جور مجرور داند۔“

شاہ محمد سلیمان امر اور دنیا دار لوگوں سے بے تعلق رہتے تھے۔
ان کا خیال تھا کہ ایسے لوگوں کی صحبت سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

۱۰	نافع السالکین ص ۵	۵	نافع السالکین ص ۱۰۳	۵	نافع السالکین ص ۸۳
۱۱	نافع السالکین ص ۵	۵	نافع السالکین ص ۱۰۳	۵	نافع السالکین ص ۸۳
۱۲	نافع السالکین ص ۵	۵	نافع السالکین ص ۱۰۳	۵	نافع السالکین ص ۸۳

فرماتے ہیں:

① ”سائلک را باید کہ از صحبت اہل دنیا
دور باشد۔“

② ”قرب ایشان ہلاکت جان است۔“

③ ”قرب سلطان آتش سوزاں بود۔“

④ صاحبہ الزہدۃ تمیت القلب و لو کان شہادۃ

فرمایا کرتے تھے کہ اہل دنیا ”سفید چشم“ اور ”بے وفا“ ہوتے ہیں۔ جب ان پر کوئی
مصیبت آتی ہے تو سیر و فقر کی تلاش میں پھرتے ہیں اور آواز دہائی کرتے ہیں، لیکن
ویسے بلا مطلب وہ کبھی فقرا کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

امراء سے علیحدہ رہنے کے سلسلہ میں وہ ایک بہت دل چسپ حکایت سنایا
کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شیخ سعدیؒ حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ سے ملاقات کے لئے گئے
شیخ عطارؒ نے یہ کہہ کر ملنے سے انکار کر دیا۔ تو امراء سے دوستی رکھتا ہے میں
”تو با تو انکار دوستی داری با تو
چھ سے نہیں ملتا۔“

ملاقات ٹھکڑ

شیخ سعدیؒ کو سخت صدمہ ہوا۔ ۴ ماہ تک وہاں رہے۔ پھر حضرت شیخ فرید الدینؒ
عطارؒ نے ان کو بلایا اور ”آستین خود را دراز کرد تا حضرت سعدیؒ بر آں بوسہ داد و دست“
شاہ صاحبؒ نے جاگیر کے معاملہ میں بھی اپنے بزرگوں کے مسلک پر عمل کیا۔
ایک مرتبہ عبد الجبار خاں نواب ڈیرہ غازی خان نے درویشوں کے خرچ کے لئے جاگیر
پیش کی۔ جواب میں فرمایا:

۱۰	نافع السالکین ص ۲۸	۵	نافع السالکین ص ۱۰۴
۱۱	نافع السالکین ص ۲۸	۵	نافع السالکین ص ۱۰۴
۱۲	نافع السالکین ص ۲۸	۵	نافع السالکین ص ۱۰۴

ما ایں جاگیر نگیریم کہ خلاف سنت پیران
ویشخان ماہرگز نہ خواہیم نمود کہ ایشان قبول
نہ کردہ اند

کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ صاحبزادہ گل محمد کے لئے جاگیر قبول فرمائیے جواب دیا:

گل محمد رانیز حاجت جاگیر نیست اگر نعلین

در ویشاں راست کند برائے خدمت او

مقرر بان خدمت جگارشوند

شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا مہمان ہو کر زندگی بسر کرنی چاہئے تاکہ دینی

کام پوری ذہنی مرکزیت کے ساتھ انجام پاسکیں۔

نواب بہاول خاں اول اور شاہ صاحب

نواب بہاول خاں اول، خواجہ مہاروی کا
مرید اور معتقد تھا۔ خواجہ محمد سلیمان صاحب سے

بھی اس کو بڑی عقیدت تھی۔ خواجہ صاحب کا یہ مسلک تھا کہ امر اور دوسا سے علیحدہ رہنے
تھے لیکن اگر کبھی ملنا پڑ جاتا تو نہایت خود داری اور استغنا سے ملتے تھے۔ اگر کوئی بات غلط
قاعدہ دیکھتے تو سختی کے ساتھ زبردستی فرماتے اور اپنی ناراضگی کا اظہار صاف طور پر کر دیتے۔

خواجہ مہاروی کے وصال کے بعد نواب بہاول خاں نے صاحبزادگان مہار اور منتظین

کی جاگیریں ضبط کر لیں۔ خواجہ مہاروی کے عرس کے موقع پر شاہ محمد سلیمان صاحب ہاں

تشریف لے گئے تو قاضی عاقل محمد صاحب اور حافظ محمد جمال صاحب نے اس کا ذکر کیا

اور تمام واقعات شاہ صاحب کو بتا کر نواب صاحب کے پاس جا کر سفارش کرنے کی

درخواست کی۔ شاہ صاحب نے فرمایا ”دیکھئے صاحبان! ہم تو پہاڑی آدمی ہیں منت

اور خوشامد کرنی تو ہم جانتے ہی نہیں۔ مجھے نواب صاحب کے پاس جانے سے گریز

نہیں ہے۔ کیونکہ اپنے مرشدزادوں کا کام ہے۔ مگر طریقہ حاجت کی امید نہ رکھئے۔

یعنی موٹا کھانا، موٹا پہننا اور سخت کلام کرنا ہمارا کام ہے۔ جانے کو تو میں جاتا
ہوں مگر کچھ مجھ سے بیشکایت نہ کرنا کہ کام خراب کر آیا یا مٹی واگھبکار یا کھلیں چکار
ادھر یا ادھر عرض خواجہ صاحب مرشدزادوں کے احترام کے باعث منع نہ کر سکے اور
نواب صاحب کے پاس پہنچے۔ نواب نہایت عجز و انکسار سے ملا۔ خواجہ صاحب نے
اس کو انتہائی غصہ میں ڈالنا اور کامیاب واپس ہوئے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ نواب محمد صادق خاں پسر بہاول خاں نے خواجہ مہاروی

کے صاحبزادوں سے کچھ جرمانہ وصول کیا۔ شاہ محمد سلیمان کو اس کا علم ہوا تو سخت

ناگواری ہوئی۔ نواب صادق خاں سے خط و کتابت کا سلسلہ بند کر دیا۔ نواب نے عذر

و تقصیر کے لئے سید غلام شاہ اور دیگر اشخاص کو خدمت عالی میں بھیجا۔ اتفاق سے ان

دونوں صاحبزادہ نور احمد صاحب بھی احمد پور مقیم تھے۔ نواب نے ان سے بھی شاہ صاحب

کی خدمت میں جانے کی درخواست کی۔ صاحبزادہ نور احمد صاحب مع سید غلام شاہ وغیرہ

خواجہ تونسوی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے ہمراہ چلنے کی درخواست کی۔ خواجہ صاحب نے

نے اول تو ٹالا۔ لیکن جب صاحبزادے صاحب نے اصرار کیا تو فرمانے لگے ”صاحبزاد

صاحب آپ کو اس کام کے لئے یہاں تشریف لانا ہرگز ہرگز مناسب نہ تھا۔ آپ کی

خاطر تو میں نواب صاحب سے ناراض ہوا تھا۔ اب آپ خود ہی تشریف لائے ہیں۔“

صاحبزادہ صاحب نے جواب دیا ”قبلہ کیا کریں۔ مجبوراً اور لاچار ہو کر آئے ہیں۔ ہماری گنت

اس ملک میں ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا ”نہیں نہیں۔ وہ تمہارے ملک میں ہے

اور اس کی گذران تمہارے ملک میں ہے۔ خداوند کریم کا بھی لحاظ چاہئے۔ آپ کے والد

صاحب قطب الاقطاب تھے۔ آپ خدا کا دروازہ چھوڑ کر اہل دنیا کے پاس التجا لے جاتے

ہیں۔“ مجبوراً خواجہ تونسوی سلطان پور تشریف لے گئے۔ نواب صاحب حاضر ہوئے تو

خواجہ صاحب نے نہایت سخت سست کہا اس نے نذر پیش کی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا اس کو دیوار کے باہر پھینک دو کہ اس بلا کے واسطے ہم ساری رات پہرہ چوکی کیوں دیں بھول بہاول خاں ثانی جب تخت نشین ہوا تو اس نے شاہ صاحب کے ساتھ انتہائی عقیدت و ارادت کا سلوک کیا تخت نشینی کے موقع پر شاہ صاحب کی خدمت میں ۸ ہزار روپیہ نذر کے بھیجے۔ خواجہ صاحب نے یہ روپے مساکین و یتیم خانوں میں تقسیم کر دیے۔ اس کے بعد آپ کے لئے ایک مسجد بنوائی۔ فارس نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے: "بہاول خاں ثانی بہاول خاں والی ریاست بہاول پور نے خواجہ سلیمان صاحب کی یادگار میں ایک مسجد اور ایک روضہ تیار کرادیا۔" فارس نے اسی فیصلے میں لکھا ہے: "بہاول پور کا نواب ثانی پیر تونسہ کامرید بنوٹا ہے۔" ۵

ریاستیں اور شاہ صاحب

پنجاب اور سرحد کی چھوٹی بڑی ریاستیں شاہ صاحب سے عقیدت و ارادت کو اپنے لئے باعث فخر و مہابت تصور کرتی تھیں۔ اکثر اوقات گڈی باندھنے کی درخواست شاہ صاحب ہی سے کی جاتی تھی۔ جب نواب صادق محمد خاں کا انتقال ہوا اور نواب جرم یا رخاں، نواب بہاول خاں ثالث کے نام سے گدی پر بیٹھے تو شاہ صاحب احمد پور تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک سے دستار باندھی۔ جب لعل خاں تنکانی حاکم سنگھ کا دور حکومت ختم ہوا تو شاہ صاحب نے نوابی کی دستار اسد خاں کے سر پر باندھی۔

جب شاہ صاحب ان والیان ریاست کو کسی گمراہی میں مبتلا پاتے تھے تو نہایت سختی سے تنبیہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ لعل خاں تنکانی حاکم سنگھ نے ایک بلوچ لڑکی سے جبراً نکاح کر لیا۔ مسلمانان سنگھ کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی۔ قاضی سنگھ اور دیگر ذمہ دار

۱۔ خاتم سلیمانی ص ۸۳-۸۰ و نافع السالکین ص ۱۵۶ ۲۔ نافع السالکین ص ۶۲

۳۔ نافع السالکین ص ۶۸ ۴۔ فیصلہ فارس ص ۶۰۴

۵۔ فیصلہ فارس ص ۶۲ ۶۔ خاتم سلیمانی ص ۹۳ ۷۔ خاتم سلیمانی ص ۹۴

اشخاص نے شاہ صاحب سے پورا واقعہ بیان کیا۔ شاہ صاحب نے لعل خاں کے پاس کہا: "جیسا کہ مسلمانوں پر اس قدر ظلم نہ کیا اور کچھ خدا سے ڈر" لعل خاں نے جواب لکھا: "شاہ صاحب نے وہ غریب پڑھ کر غصہ سے دور پھینک دیا۔" ۱

لعل خاں کے بعد اس کا ایک عزیز اسد خاں حاکم ہوا۔ اس نے عدل و انصاف سے کام نہیں لیا تو شاہ صاحب نے اس کو تنبیہ کی۔ "اسد خاں ظلم ترک کر دے تیری حکومت میں اگر میں فائدہ ہے تو یہ کہ اذان سننے میں آتی ہے۔ ورنہ میں دیکھتا ہوں کہ تھوڑے دنوں میں ہی اس شمالی ریکھ (تودہ) ریگ اپر سکھوں کی فوج آنے والی ہے۔" ۲

ایک مرتبہ نواب عبدالصمد خاں والی ڈیرہ غازی خاں نے قلعہ اختیار خاں کا محاصرہ کیا۔ اہالیان شہر گڑھی کے خالی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ نواب قلعہ نے اپنے چھوٹے بھائی کو شاہ محمد سلیمان کی خدمت میں بھیجا کہ امداد کی درخواست کرے۔ شاہ صاحب نواب عبدالصمد خاں کے پاس جانے کے لئے خود تیار ہوئے۔ میاں محمد صالح نے عرض کیا: "قبلہ! آپ کا تشریف لے جانا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ نواب متکبر آدمی ہے۔" شاہ صاحب نے جواب دیا: "میں بندہ خدا ہوں نہ کہ بندہ بنفس۔ اگر وہ کہنا نہ مانے گا تو آخر میرا کیا بگڑے گا۔" یہ الفاظ شاہ صاحب کی بلند صولگی، عالی ہمتی، اور بے نفسی کے بہترین شاہد ہیں۔ وہ اصلاحی کام میں ذاتی عزت و افتخار کا جذبہ بالکل شامل نہ ہونے دیتے تھے۔

جس زمانہ میں شاہ محمد سلیمان صاحب تونسہ میں شاہ شجاع اور خواجہ تونسوی رونق افروز تھے، اس وقت مشرق وسطیٰ کی سیاست بہت خطرناک صورت اختیار کر رہی تھی۔ یمنیوں کی جنگوں کے بعد سے روس مسلسل مشرق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ۱۸۰۷ء میں روسیوں نے ایرانیوں کو شکست دے کر اس ملک پر بھی اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا۔ برطانیہ کو روس کے اس بڑھتے ہوئے اقتدار

۱۔ خاتم سلیمانی ص ۹۴ ۲۔ خاتم سلیمانی ص ۹۹ ۳۔ خاتم سلیمانی ص ۱۰۱

سے سخت خطرات پیدا ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس نے افغانستان میں اپنی طاقت کا احکام کرنا چاہا تاکہ برطانوی ہند اور روس کے درمیان ایک طاقتور ریاست مقابلہ کے لئے موجود رہے۔ لیکن افغانستان میں اس وقت اندرونی گڑبڑ ہو رہی تھی۔ درانی خاندان کو دوست محمد نے کابل اور غزنی سے نکال دیا تھا۔ درانی خاندان کے امیدوار تخت و تاج شاہ شجاع نے بالآخر ہندوستان میں پناہ لی تھی اور انگریز شاہ شجاع کی حمایت میں شاہ سلیمان تونسوی کی روحانی شہرت سن کر شاہ شجاع ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خاتم سلیمانی میں کئی واقعات ایسے درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع کو حضور خواجہ صاحب سے بڑی عقیدت و ارادت پیدا ہو گئی تھی۔

جب شاہ شجاع دوسری بار انگریزی امداد لے کر افغانستان جا رہا تھا تو کونہ شریف سے اس کا گزر ہوا۔ رات کو وہیں قیام کیا۔ صبح کو خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ صاحب نے اپنے مصلے پر اس کو بٹھالیا اور ساری سرگزشت سنی۔ اس کے بعد پوچھا "افغانستان کی تیج کارادہ ہے لیکن یہ بتاؤ کہ کس کی پناہ میں جا رہے ہو؟ فوراً جواب دیا "کہن دل خاں اور پردل خاں کی حمایت میں جا رہا ہوں۔ اس کے بعد شاہ شجاع چلا گیا۔ شاہ صاحب اپنی مجلس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "اس کا بخت بگشتہ معلوم ہوتا ہے وہ اللہ کے بجائے کہن دل خاں اور پردل خاں پر اعتماد رکھتا ہے۔ لیکن شاہ صاحب بڑے مردم شناس بزرگ تھے۔ اگر ایک طرف شاہ شجاع کی اس بات پر ان کو اعتراض تھا تو دوسری طرف وہ اس کی ہمت و مردانگی کی تعریف فرمایا کرتے تھے کچھ عرصہ بعد جب شاہ شجاع کے قتل کی خبر سنی تو فرمانے لگے "شاہ شجاع بڑی ہمت والا جوان تھا۔ حصول مطلب کی خاطر اپنی جان تک نذر کر دی" لے

امیر دوست محمد خاں اور شاہ صاحب
حضرت شاہ محمد سلیمان صاحب کی شہرت
ہندوستان اور افغانستان میں دُور دُور

تک پھیل گئی تھی۔ جس زمانہ میں شاہ شجاع اور دوست محمد خاں میں افغانستان کی حکومت کے لئے کشمکش ہو رہی تھی اور سکھوں اور انگریزوں نے شاہ شجاع کو امداد دینی شروع کر دی تھی، اس وقت دوست محمد خاں نے شاہ صاحب سے روحانی امداد کی درخواست کی۔ اور لکھا کہ میں نے خالص اللہ جہاد پر کمر باندھا ہے تاکہ یہ اسلامی علاقہ کفار کے صدمات اور تصرفات سے محفوظ رہے۔ دعا فرمائیے کہ خدا مجھے فتح و نصرت عطا فرمائے۔ شاہ صاحب نے یہ خط سن کر منشی محمد وصال سے کہا کہ جواب میں یہ شعر لکھ دو جسے

ہر آن کہ استعانت بدروش بُرد
اگر برنیریدوں ز دوشِش بُرد لے

ماہ صفر ۱۲۴۷ھ (مطابق دسمبر ۱۸۳۱ء) کا چاند دیکھ کر خواجہ صاحب نے فرمایا: وصال ہمارے "سفر" کا مہینہ ہے۔ خدا خیر کرے۔ کچھ دن بعد زکام کی شکایت ہوئی اور صفر کو جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ نواب بہاول پور نے ۷۰ ہزار روپیہ کے صرفے سنگ مرمر کا عالی شان روضہ تیار کرایا۔ مولوی حسین علی نتج پوری نے تاریخ وصال کہی ہے

سلیمان زمان رحلت چو سرمود
بیکایک در جہاں ظلمت بیغیرود
پئے سال وفاتش ہاتفسو غیب
بکھفت اد آفتاب چشتیاں بود لے

۴۴ ۱۲ ۳۰

حاجی مجسم الدین صاحب نے ایک نظم میں شاہ صاحب کی زندگی کے کل اہم واقعات کی تاریخیں دی ہیں:

درد آکہ غوث الاعظم را ہی سو خجال شد
از ہجر او دعائے الم پر شور و فغان شد

از سال انتقالش ہاتف مرا بگفتہ
محبوب ذات حق بود اندر ز من نہاں شد
سال ولادت آل را از من اگر پرسی
گرہائے دور سازی خورشید دو جہاں شد
لفظ حبیب اللہ ہے ہائے عمر اوداں
من کردہ ام شہاری ہشتاد و چار آں شد
تاریخ بیعت او ہسم رفتش بدھیلے
خورشید دو جہاں می خواں دریں عیاں شد
وقت وصال مرشد بست و دو سال بودہ
از نجم دین عاصی در نظم اس بیان شد

اولاد خواجہ محمد سلیمان کے دو فرزند تھے :

- ① خواجہ گل محمد
- ② خواجہ درویش محمد

دونوں کا شاہ صاحب کی حیات ہی میں وصال ہو گیا تھا۔ اس لئے شاہ صاحب کے بعد ان کے پوتے خواجہ الکبش مسند نشین ہوئے۔

شاہ محمد سلیمان ۲۲ سال کی عمر میں مسند سجادگی پر متمکن ہوئے تھے اور ۸۴ سال کی عمر تک وہ تلقین و ارشاد میں مصروف رہے۔ اس مدت میں ہزاروں تشنگان معرفت ہندوستان اور دیگر بلاد اسلامیہ سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے جہاں جو ہر قابل پایا اس کی قدر کی اور خلافت سے سرفراز کیا۔ خواجہ گل محمد احمد پوریؒ نے لکھا ہے :

”خلفاء ارشاد در ہندوستان و ولایت ان کے خلفاء ہندوستان اور خراسان

نافع الساکین ص ۱۱۹۔ ان کی مہر کا کچھ تھا۔ سلیمان سرفراز زور محمد است

خراسان صاحب ارشاد اندر میں صاحب ارشاد ہیں۔

مناقب حافظیہ میں لکھا ہے کہ آپ نے کم و بیش ۱۰۰ بزرگوں کو خرقہ خلافت عنایت فرمایا تھا۔ بعض خلفاء کے نام یہ ہیں :

- ① مولوی محمد باران کلاچویؒ
- ② مولوی محمد علی مکہدیؒ
- ③ مولوی محمد علی خیر آبادیؒ
- ④ مولانا احمد تونسویؒ
- ⑤ صاحبزادہ نور بخش نیرہ قبلہ عالم
- ⑥ قطب الدین برادر حق صاحبزادہ نور بخش
- ⑦ مولوی نور جہانیاں صاحبزادہ پوری
- ⑧ مولوی شہسوار صاحب سکند نواحی جہاد
- ⑨ حاجی بخت اور
- ⑩ حاجی برخوردار
- ⑪ مولوی سرفراز پشی فریدی ڈیرہ ایل خان
- ⑫ میاں عبدالشکور خیر آبادی
- ⑬ سردار خاں ولایتی
- ⑭ حسن شاہ قندھاری
- ⑮ ولی اللہ خراسانی
- ⑯ ولی اللہ المشہور بہ منبر والا
- ⑰ مولوی محمد حیات دہلوی
- ⑱ میاں حسن عسکری دہلوی
- ⑲ میر فضل علی مجھری
- ⑳ مولوی قیام الدین دہلوی
- ㉑ مولوی شرف الدین سوہری
- ㉒ شیخ احمد مدنی
- ㉓ مولوی صالح محمد تونسوی
- ㉔ علی محمد امام
- ㉕ میاں عبداللطیف چنیائٹی
- ㉖ صاحبزادہ غلام نصیر الدین مکرانی
- ㉗ مولوی نور محمد ملتانی امام مسجد حمام
- ㉘ حافظ نور الدین دھندھی سکند نواحی جہاد
- ㉙ مولوی امام الدین ڈہدی۔ لاہور
- ㉚ نور احمد سندھی
- ㉛ غلام محمد شیرانی
- ㉜ نور عالم سکند مکہند
- ㉝ فاضل شاہ کشمیری
- ㉞ امیر الدین بن فضل شاہ کشمیری
- ㉟ سید شیر شاہ پاک پٹی
- ㊱ نیرہ مولانا بدر الدین

بائیں

حافظ محمد علی صاحب خیر آبادی

حافظ سید محمد علی خیر آبادی، خواجہ تونسوی کے اولین خلفاء میں سے تھے۔ خیر آباد میں ان کی خانقاہ، علم و فضل کا مرکز اور نبوض و برکات کا منبع تھی، اودھ اور دکن میں پشت پی سلسلہ کی اشاعت کا کام اسی خانقاہ میں بیٹھ کر کیا گیا تھا۔ ان میں بے پناہ عزم اور غیر معمولی استقلال تھا۔ انتہائی نامساعد حالات میں انھوں نے اپنے اصلاحی اور تربیتی کام کو جاری رکھا اور ایک ایسے سماج کی نگہبانی کی جو اخلاقی قدروں سے بیگانہ ہونا چاہا تھا۔ اودھ کے گرتے ہوئے اخلاقی نظام اور زوال پذیر سیاسی طاقتوں کے خلاف انھوں نے آواز اٹھائی اور عوام کو ان کی اخلاقی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا۔

حافظ صاحب کی ولادت باسعادت ۱۱۹۲ھ کو ہوئی تھی۔ ان کے والد ماجد مولوی شمس الدین ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اجداد میں ایک بزرگ حضرت شیخ سعد خیر آبادی، حضرت شاہ مینا لکھنوی کے

- | | | | |
|----|---------------------------------|----|------------------------------|
| ۳۶ | مستان شاہ خراسانی | ۵۱ | سجیل خاں سکنتہ بھنڈی |
| ۳۷ | ابوالحسن لانگھوی سکنتہ سنگھ | ۵۲ | غلام محمد ملفانی |
| ۳۸ | تقی محمد | ۵۳ | غلام رسول، کو افغان |
| ۳۹ | مولوی قادر بخش | ۵۴ | محمد اکرم |
| ۴۰ | حافظ عظمت علی طغیروی نواحی کپڑا | ۵۵ | مولوی شمس الدین سکنتہ مسائیل |
| ۴۱ | مولوی غلام رسول طغیروی | ۵۶ | مولوی عبد الرحمن مودی |
| ۴۲ | فیض اللہ شاہ جھوی | ۵۷ | مولوی امام الدین |
| ۴۳ | مولوی نظام الدین | ۵۸ | مصنف نافع الساکلین |
| ۴۴ | حافظ گوہر اونچا | ۵۹ | مولوی محبوب عالم |
| ۴۵ | میاں دلیل خاں پوری | ۶۰ | میاں نظام الدین بھینی |
| ۴۶ | مولوی محمد حسین چوہان | ۶۱ | مشتاق دین گردستانی |
| ۴۷ | مولوی محمد یار جھنڈوی | ۶۲ | غلام محمد پوری |
| ۴۸ | غلام محمد اوجینی | ۶۳ | غلام محمد پتی |
| ۴۹ | حافظ غلام رسول | ۶۴ | حاجی نجم الدین |
| ۵۰ | مولوی نور محمد ناروالہ | ۶۵ | مصنف مناقب محبوبین |

ان خلفاء میں حاجی نجم الدین صاحب، حافظ محمد علی خیر آبادی، مولوی شمس الدین سیالو نے سلسلہ کی ترویج و تبلیغ میں نمایاں حصہ لیا۔ ان کی خانقاہیں آج تک عقیدت و اراد کا مرکز ہیں۔ فاضل شاہ کشمیری کی درگاہ گڑھی افغانان ضلع انک میں فاضلیہ کے نام سے مشہور ہے اور گردونواح کے ہزاروں خاندان ان کے سلسلہ سے عقیدت رکھتے ہیں۔

ان کے خلفاء میں مولوی احمد میرہ شریف، سید علی شاہ (سوباوہ) احمد شاہ مجذوب الہی فتح جنگ، مولانا حبیب اللہ شاہ (میر پور نزد ایبٹ آباد) کو کافی شہرت حاصل ہوئی۔ فاضلیہ میں دینی کتب کا اچھا ذخیرہ ہے اور وہاں کے سجادہ نشین خواجہ محمد اعظم شاہ بڑے صاحب ذوق بزرگ ہیں۔

خلیفہ تھے، اور ان کی شہرت دور دور پھیلی ہوئی تھی۔ چنانچہ حافظ صاحب کا خاندان بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ علم و فضل میں اس گھرانے کو ایک امتیازی تہ جمل تھا۔

ایام طفلی۔ بچپن ہی سے حافظ صاحب کی طبیعت عبادت کی طرف راغب تھی۔ رات کے آخری حصے میں اٹھ کر یا بحق میں مشغول ہو جاتے تھے۔ شریعت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ ایک دن وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی جگہ جا رہے تھے۔ راستے میں میر کے در نظر آئے۔ سب لوگوں نے ان درختوں سے پھل توڑ کر کھائے، حافظ صاحب سے کھانے کے لئے کہا گیا تو فرمایا: "یہ درخت غیر کی ملک ہیں، بغیر مالک کی اجازت کے کیونکر کھاؤں؟"

سب سے پہلے سید محمد علی صاحب نے قرآن پاک حفظ کیا۔ اس کے بعد خیر آباد تعلیم میں مولانا عبد الوالی صاحب سے جو اس زمانہ کے مشہور عالم تھے شرح و تفسیر پڑھی۔ پھر شاہ جہاں پور تشریف لے گئے اور وہاں کچھ عرصہ تک تحصیل علوم میں مشغول رہے یہاں شہر کے باہر ایک سجد میں قیام رہا۔ شاہ جہاں پور کی علمی دنیا جب ان کی تشنگی علم کو نہ بجھا سکی تو دہلی کا رخ کیا کہ وہی ہندوستان میں علم و ادب، احسان و سلوک کا آخری مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت شاہ ولی اللہ دہلوی کے گھرانے نے علم کی وہ شمع روشن کر رکھی تھی جس کے گرد دور دور سے علمی پروانے جمع ہو رہے تھے۔ دہلی میں مشکوٰۃ کا سبق انھوں نے حضرت شاہ عبدالقادر سے لیا۔ پھر حرمین شریفین میں صحیح بخاری کی سماعت فرمائی۔ جب شاہ سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو صحیح مسلم کی سماعت کی۔ دہلی میں شاہ عبدالقادر کی خدمت میں فہر جس لکھ بکھی کچھ حصہ پڑھا۔

حافظ صاحب نے ابتدائی زمانہ میں سخت مجاہدات کئے تھے۔ سب سے پہلے **مجاہدات** وہ حضرت سید محمد متناقی عرف چھیدامیال کے مزار پر چلے گئے ہوئے۔ پھر۔

۱۔ مناقب حافظیہ ص ۵، ۴، ۳

۲۔ مناقب حافظیہ ص ۶، ۵، ۴

۳۔ مناقب حافظیہ ص ۶

حضرت شاہ مینار رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر کہ پر ریاضات شاقہ میں مشغول ہو گئے۔ نمازیوں کے لئے پانی بھر کر لاتے تھے۔ باقی وقت میں عبادت کرتے تھے۔ اسی طرح کافی عرصہ گزر گیا۔ پھر حضرت ہلی چلے گئے اور وہاں حضرت قطب صاحب کے مزار پر مجاہدوں میں مشغول ہو گئے۔ چند مکانوں میں اجرت پر پانی بھر کر اپنی گذشتہ کرتے تھے اور اکثر روزہ رکھتے تھے۔ تمام رات قرآن پاک کی تلاوت میں گزارتا تھا دہلی سے اجمیر شریف کا رخ کیا اور وہاں بارہ سال تک ایک سجد میں "بکمال انخاف" مقیم رہے۔ یہاں سے پاک پٹن پہنچے۔ پاک پٹن میں خواجہ محمد سلیمان کی عظمت و بزرگی کا شہرہ سن کر دل اس طرف متوجہ ہو گیا۔ یہاں ان کو عقیدت و ارادت کا ایسا مرکز مل گیا جس نے ان کے مجاہدوں اور ریاضتوں کو صحیح راستے پر لگا دیا۔ شاہ محمد سلیمان کی صحبت نے سونے پر سہاگ کا کام کیا۔ فطرت کی ودیعت کی ہوئی صلاحیتیں ابھرائیں اور مرشد کامل نے ان کو اعلیٰ روحانی اور مذہبی اقدار کی چاکری میں لگا دیا۔

حافظ صاحب انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ پاک پٹن سے تونسہ روانہ ہوئے **مبعوت** ہوئے شاہ محمد سلیمان کی خدمت میں پہنچ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی خواہش کا اظہار بھی نہ کر سکے۔ اسی طرح ایک سال گزر گیا۔ ایک دن حافظ صاحب کے دل میں خیال آیا کہ افسوس حضرت شاہ صاحب میرے حال کی جانب متوجہ نہیں ہوتے۔ شاہ صاحب کو معلوم ہوا تو فرمایا "جس شخص سے مجھے تعلق ہوتا ہے۔ بظاہر میں اس کی طرف طرف توجہ نہیں کرتا ہوں۔" یہ سن کر حافظ صاحب کے بے چین قلب کو اطمینان ہوا۔

شاہ صاحب نے پہاڑ پر پاؤں رسی میں باندھ کر عبادت کرنے کی ہدایت کی۔ عرصہ تک حافظ صاحب اس طرح کے مجاہدے کرتے رہے۔ اس کے بعد شاہ محمد سلیمان صاحب نے اپنے سلسلہ میں داخل کر لیا اور خلافت سرفراز فرمایا۔ حافظ صاحب نے کچھ عرصہ تک کسی شخص کو مرید نہیں کیا۔ شیخ کو علم ہوا تو وجہ پوچھی۔ عرض کیا: اہل ہند نہایت درجہ

۱۔ مناقب حافظیہ ص ۸، ۷

بُری رسموں کو دور کرنے کی کوشش

حافظ صاحب کی کوشش تھی کہ مسلمانوں کی سوسائٹی کا نشوونما اسلامی اصول پر ہو۔ وہ ہمیشہ اسلامی رسم و رواج اور طرز زندگی پر زور دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ بُری رسموں کو دور کرنے کی جدوجہد کرنا سب سے زیادہ اہم کام ہے۔ خود ان کے متعلق مناقب کے مصنف کا بیان ہے ”ہمیشہ سنت نبویہ کے زندہ رکھنے اور اہل ہند کی باطل رسوم کو مٹانے کے واسطے

حافظ صاحبؒ کے برادر زادے حافظ تراب علی صاحبؒ کی شادی میں کاغذ کے پھول تیار کئے گئے تھے۔ حافظ صاحبؒ کی نظر پڑی تو سخت رنج ہوا۔ اور فرمایا: یہ بزرگ زادے ہیں اور ایسے مراجم قبیحہ کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ ایسی شادیوں میں جن میں اسلامی شعار کی پابندی نہیں ہوتی تھی شرکت نہ کرتے تھے۔ ایک شخص صاحبؒ علی خاں نے شادی میں شرکت کی درخواست کی فرمایا: اُس زمانہ میں اس قدر جبر قرار دیا جاتا ہے کہ اس کا ادا کرنا ناممکن ہوتا ہے یہ امر ناروا ہے۔ پس ایسی تقریب نکاح میں نہیں شریک نہیں ہوا کرتا۔ خاں صاحبؒ کے اس یقین دلانے پر کہ جوہر قرار پائے گا وہ اسی وقت ادا کیا جائے گا، آپ شادی میں تشریف لے گئے۔

۱۔ مناقب حانظیہ ص ۸۶ ۲۔ مناقب حانظیہ ص ۸۶، ۸۷ سے مناقب حانظیہ ص ۸۷
۳۔ مناقب حانظیہ ص ۸۷ ۴۔ مناقب حانظیہ ص ۸۸، ۸۹

۱۔ مناقب حنفیہ ص ۸۱ ۲۔ مناقب حنفیہ ص ۸۱ ۳۔ مناقب حنفیہ ص ۹۵
۴۔ مناقب حنفیہ ص ۹۸ ۵۔ مناقب حنفیہ ص ۸۳

طوائف کے نانچ کو حرام سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو قص کی محفل میں شریک ہوا اس کو چاہئے کہ مجھ سے علاقہ نہ رکھے ۱۔

کسی تقریب میں رنڈیوں کا نانچ ہوتا تو ہرگز شریک نہ ہوتے۔ ایک مرتبہ حیدرآباد میں حضرت شاہ یوسفؒ کے مزار پر حاضری کا اتفاق ہوا۔ دیکھا کہ طوائفوں کا نانچ ہو رہا ہے۔ اس قدر غصہ آیا کہ محفل میں پہنچ کر مشایخ کو لٹکارا:

ایں موئے ریش ہائے شمانیست یہ بال تہاری داڑھی کے نہیں ہیں
تارہائے زنا راست۔ بر مزار بلکہ زنا کے تار ہیں۔ اولیاء اللہ کے
اولیاء اللہ جنیں فسق و بدعت مزاروں پر ایسا فسق و فجور ہوتا ہے
می شود و شمامی بینید۔ ۲۔ اور تم دیکھتے ہو۔

حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے:

”جس سلمان نے رسم کفر کو رغبت دل سے مشاہدہ

کیا اس کے ایمان میں خلل پڑا“ ۳۔

جب کسی قوم کے قوائے عمل مضلل ہوتے ہیں تو ان علوم اور شعبہوں میں الجھپی پیدا ہو جاتی ہے جو غیر ہاتھ پاؤں کو جنبش دئے آسائش کی زندگی کا دلکش خواب دکھاتے ہوں۔ چنانچہ اس زمانہ میں بعض لوگوں کو کیمیا بنانے کی فکر رہتی تھی اسی دھن میں ان لوگوں کا وقت گزرتا تھا۔ حافظ صاحبؒ نے اپنے ملفوظات میں جگہ جگہ ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے

حافظ صاحبؒ اخلاق محمدی کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ انسانی مساوات اور اخوت پر ان کا ایمان تھا، اپنے عمل سے اس کی تائید کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دسترخوان پر بیٹھے تھے۔ نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک موچی میاں آلم کے جوتے

سی رہا ہے۔ فرمایا اپنے ہاتھ دھو کر آ اور کھانا کھا۔ اور اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلایا جاڑے کے موسم میں ایک جولاہا ان کے پاس آ کر ٹھہرا۔ اس کے پاس جاڑے کا لباس نہ تھا۔ حافظ صاحبؒ نے اس کو اپنے بستر میں اپنے پاس سلا یا۔ حافظ صاحبؒ جب محفل میں مدعو کئے جاتے تو کبھی متنازعہ جگہ پر نہ بیٹھتے۔ سفر و حضر میں خادموں کے ساتھ کام میں شریک رہتے تھے۔ بعض اوقات روٹیاں اپنے ہاتھ سے پکالیتے تھے۔ اظہارِ شیخت سے نفرت تھی۔ بلکہ اس قسم کا تو واضح جس سے ترک تجرید کا اظہار ہو پسند نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ترک کو کبھی ترک کرنا چاہیے۔ اتباعِ سنت | اتباعِ سنت پر بہت زور دیتے۔ مناقب حافظیہ میں لکھا ہے:

حضرت شیخ الاسلام راجندر حضرت شیخ الاسلام کو چکر اتباع
اتباع نبوی بسیار کدو کوشش بود نبوی میں بہت کدو کوشش تھی،
ودایم در احیاء سنت سنیہ نبویہ و ہمیشہ سنت نبویہ کے زندہ رکھنے
انہدام رسومات و احیاء ہندو تعدد اور اہل ہند کی باطل رسوم کو مٹانے
و آمادہ می ماندند۔ ۱۔ کے واسطے مستعد اور آمادہ رہتے تھے۔

طلاق کے متعلق عوام کی بظنی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی مجلسوں میں مسائل شریعت اور بہت کے علاوہ کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا۔ اپنے مریدوں کو سنت نبوی پر عمل کرنے کی بار ماکید کرتے تھے۔ ایک شخص ہر روز صبح کو اگر قدم بوسی کرتا تھا: ایک روز فرمایا: ”ایا یہ زندگی ہے کہ غیر کو کھڑے ہندوؤں کی طرح ایسا کرتا ہے۔ السلام علیکم کہہ کر بیٹھ جانا چاہیے“ حافظ صاحبؒ اپنے مریدوں کو بتایا کرتے تھے کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے

۱۔ مناقب حافظیہ ص ۱۳۴	۵۲ مناقب حافظیہ ص ۹۱
۳۔ مناقب حافظیہ ص ۱۵۳	۵۳ مناقب حافظیہ ص ۹۱
۵۔ مناقب حافظیہ ص ۹۳	۵۴ مناقب حافظیہ ص ۸۶
۷۔ مناقب حافظیہ ص ۱۱۱	۵۵ مناقب حافظیہ ص ۱۲۱

۱۲۴-۱۲۸ مناقب حافظیہ ص ۸۸	۵۶ مناقب حافظیہ ص ۸۸
۱۰۴ مناقب حافظیہ ص ۱۰۴	۵۷ مناقب حافظیہ ص ۱۰۴

بغیر کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی اور محبت الہی کا دعویٰ بغیر اتباع نبوی جھوٹا دعویٰ ہے۔
”دعویٰ محبت الہی بے اتباع نبوی دعویٰ

کاذب است“ ۱۷

حافظ صاحب اپنے مریدوں کو احسان و سلوک کی صرف ان کتابوں کے مطالعہ کی ہدایت فرماتے تھے جن میں شریعت پر خاص زور دیا گیا ہو۔ عوارف المعارف ان کو بہت پسند تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ”اس میں ہر مسئلہ حدیث شریف سے لکھا گیا ہے۔“ ۱۸
حافظ صاحب اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت میں بڑی دل چسپی لیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے ”مرشدوں کو مریدوں کا اس طرح خیال رہنا ہے جس طرح ماں کو اپنے لڑکوں کا خیال رہنا ہے۔“ ۱۹

اظہار شیخت سے ناراض ہوتے تھے۔ حکم تھا کہ ہر چیز کا انخا کیا جائے۔ ایک دن ایک مرید میر محمد علی ان لکڑیوں پر جن سے کپڑا بنا جاتا ہے بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاقاً حافظ صاحب کی نظر ان پر پڑ گئی۔ فرمایا۔ ایسا فعل نہیں کرنا چاہیے جس سے لوگ یہ سمجھیں کہ شخص نہایت متواضع اور متکسر ہے۔ ایک مرید نے اپنی رضائی ایک مسکین کو دیدی تو سخت ناراض ہو گیا۔ فرمایا۔ اس فعل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شخص ایسا با خدا ہے کہ ایک رضائی اس کے پاس تھی وہ بھی خدا کی راہ میں دیدی۔ فرمایا کرتے تھے کہ ترک کو بھی ترک کرنا چاہیے۔ مریدوں کے بال رکھنے کو اس وجہ سے ناپسند کرتے تھے کہ اس سے اظہار شیخت ہوتا ہے۔ ۲۰

مریدوں کی ظاہری و باطنی زندگی کی اصلاح میں بڑی جدوجہد کرتے تھے۔ مرید کرتے وقت یہ ہدایتیں فرماتے تھے:

- | | | | |
|----|----------------------|----|----------------------|
| ۱۷ | مناقب حافظیہ۔ ص۔ ۱۳۷ | ۱۸ | مناقب حافظیہ۔ ص۔ ۱۷۵ |
| ۱۹ | مناقب حافظیہ۔ ص۔ ۱۵۳ | ۲۰ | مناقب حافظیہ۔ ص۔ ۹۳ |
| ۲۱ | مناقب حافظیہ۔ ص۔ ۹۳ | ۲۲ | مناقب حافظیہ۔ ص۔ ۱۳۵ |

شریعت پر قائم رہو۔

اللہ کی محبت میں دل کو ثبات رکھو۔

جب تک تحصیل علم سے فارغ نہ ہو ذکر نہ کرو۔

دنیا کی محبت میں مت بیٹھو۔ اس سے محبت الہی کی لذت سلب ہوتی ہے۔

جب مذہبی ذہن پریشان ہوتا ہے تو عملیات میں نفوذ و عملیات سے اجتناب غیر معمولی اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے قوائے عمل شل ہو جاتے ہیں اور اوہام کا تار و پود زندگی کے سرچشموں کو خشک کر دیتا ہے۔ حافظ صاحب کے زمانہ میں اسلامی سوسائٹی انحطاط پذیر تھی۔ عملیات، تعویذ اور گنڈوں میں انتہا سے زیادہ اعتقاد پیدا ہو گیا تھا۔ حافظ صاحب کو یہ چیز سخت ناپسند تھی مناقب میں لکھا ہے:

”شیخ الاسلام عملیات سے عنسرت رکھتے ہیں اور دوسروں کو

بھی اس سے منع فرماتے ہیں“

آپ نے کبھی کسی کو تعویذ نہیں دیا۔ ایک شخص بے حد مہر ہوا تو مولانا روم کا یہ شعر کاغذ پر لکھ دیا ہے

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو

ایمنے از تو مہربانت ہم ز تو ۲۱

حافظ صاحب کو مثنوی مولانا روم پر بڑا عبور تھا۔ انھوں نے ”مثنوی مولانا روم“ کے معارف کا مطالعہ نہایت بالغ فطری سے کیا تھا۔ اور ان کو نہایت ہی بلیغ اور دل نشین انداز میں بیان کرتے تھے۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے:

”گویند مثنوی را مثل ایشاں کسے نمی خوانانید“ ۲۲

اشراق کی نماز کے بعد وہ مثنوی کا درس دیتے تھے۔ مرتب مناقب حافظیہ کا بیان ہے:

۱۔ مناقب حافظیہ ص ۱۸۰ ۲۔ مناقب حافظیہ ص ۸۹ ۳۔ مناقب المحبوبین ص ۳۵۷ ایضاً

جن کی روحانی عظمت اور علمی تبحر کی تعریف کرنے پر خود ان کے معاصر علماء و مشائخ مجبور ہو گئے تھے۔ مولانا انوار الحق صاحب لکھنؤ کے اکابر اولیاء میں سے تھے۔ حافظ صاحب کو وہ ہمیشہ ”شبلی وقت“ کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حافظ صاحب اُن کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک شخص نے آکر مولانا سے مصافحہ کیا۔ مولانا نے حافظ صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ”ان کے ہاتھ پر بوسہ دو۔ بیشیر حق ہیں۔“ ایک مرتبہ مولانا انوار الحق صاحب نے اپنی مجلس میں فرمایا ”حافظ صاحب دو لہا ہیں اور ہم سب براتی“۔

لکھنؤ کے عظیم المرتبت بزرگ مولانا عبدالرحمن صاحب بھی ان کے بے حد مداح تھے اور بہت عزت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے۔ ”حافظ صاحب اپنے عہد کے سلطان المشائخ ہیں“ حافظ صاحب جب دہلی تشریف لائے تھے تو شاہ غلام علی صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب نے ان کی بڑی خاطر مدارات کی تھیں۔ حاجی نجم الدین صاحب نے ان کے متعلق بیوملانی میں لکھتے ہیں۔

اور محمد علی شاہ ساکن خیر آباد
کری جوانی خرچ جن پنج خدا کی یاد
یہ ہیں صاحب سلسلہ صہبہ لوگ مرید
دن دن شہر جگ اندران کا ہوا مرید

حافظ صاحب کا ”صحبة الاغنیاء للفقراء سمہ قاتل“ پر امرار سے اجتناب رائج اعتقاد تھا۔ وہ کسی امیر کے پاس جانا اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کی صحبت سے اجتناب کرتے تھے۔ لیکن اگر کوئی آجاتا تو سنت نبوی کے مطابق اخلاق سے پیش آتے۔ حیدر آباد قیام کے زمانہ میں ایک مرتبہ محی الدولہ احمدیاریاں

بایں کتاب شریف شیخ الاسلام را
کمال متعلق محبت بود و معانی و
مطالب ایں کتاب را کسی راں
زماں پہچا آنحضرت بیان نمی کرد
اس کتاب شریف کے ساتھ حضرت
شیخ الاسلام کو کمال تعلق اور محبت تھا
اور اس کے معانی اور مطالب اس زمانہ
میں آں حضرت کی مانند کوئی نہیں
بیان کرتا تھا۔

حافظ صاحب اپنے اعلیٰ مریدوں کو مثنوی کے مطالعہ کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ وہ مثنوی کو حقائق و معارف اسرار و رموز کا نا پید اکنا سمندر سمجھتے تھے۔ اس لئے اس کی شرح لکھنے کو کبھی اچھا نہ سمجھا۔ ایک روز مجلس میں فرمانے لگے کہ مولانا جامی نے مثنوی کی شرح لکھنی شروع کی۔ اس کے دو تین اشعار کی شرح لکھنے پلے تھے کہ آں حضرت علی المرتضیٰ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ مولوی صاحب تمھارے شرح لکھنے سے ناخوش ہوتے ہیں۔ انھوں نے اپنے اسرار کو در پردہ کہا ہے اور تم اس کو ظاہر کرنا چاہتے ہو۔ یہ سن کر مولانا جامی نے شرح لکھنی بند کر دی۔

حافظ صاحب کے درس مثنوی میں ہندو بھی شریک ہوتے تھے۔

درس و تدریس حافظ صاحب کی خانقاہ میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ مولانا روم حضرت ابن عربیؒ اور مولانا جامیؒ کی تصانیف کا درس وہ خود دیتے تھے اور اس انداز میں دیتے تھے کہ بڑے بڑے عالم ان سے استفادہ کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی جو خود بڑے جید عالم تھے، نصوص کا درس لینے اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

حافظ صاحب معاصرین کی نظر میں حافظ صاحب ان مخصوص بزرگوں میں تھے

۱۔ مناقب حافظیہ ص ۹۴
۲۔ مناقب حافظیہ ص ۱۰۰
۳۔ بیوملانی ص ۵

۱۔ مناقب حافظیہ ص ۹۴
۲۔ مناقب حافظیہ ص ۱۰۰
۳۔ مناقب حافظیہ ص ۹۴

عرض کیا کہ حضور یہاں کے رئیس کو آپسے ملنے کا بے حد شوق ہے۔ فرمایا: تم اور وہ دونوں جھوٹے ہو۔ اگر اس کو ملاقات کا اشتیاق ہو تا تو وہ میسر پاس کیوں نہ آتا۔ اجازت کی کیا ضرورت ہے؟ میسر دروازے پر نہ بواب ہیں، نہ حجاب ہیں۔^۱

بہادر شاہ ظفر اور حافظ صاحب میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی اور ملاقات

کا شوق ظاہر کیا، لیکن حافظ صاحب نے یہ فرمایا کہ ہمیں ملاقات کی حاجت نہیں ہے۔ شوق کا دل ہی میں رہنا اچھا ہے۔ بہادر شاہ نے اصرار کیا لیکن حافظ صاحب راضی نہ ہوئے۔ بالآخر بہادر شاہ نے کالے صاحب کی وساطت سے ملنے کی کوشش کی۔ کالے صاحب وقت کے منتظر رہے۔ قطب صاحب کے عرس کے دنوں میں حافظ صاحب آستانہ شریف کی مسجد میں رونق افروز تھے۔ کالے صاحب نے فرمایا۔ حافظ صاحب ایک ضرورت سے جاتا ہوں جب تک میں حاضر نہ ہوں آپ یہیں تشریف رکھیں۔ یہ کہہ کر بادشاہ کے پاس گئے اور اس کو لے آئے۔ حاضرین نے شور کیا کہ بادشاہ مسجد کی طرف آتے ہیں۔ جب یہ آواز حافظ صاحب کے کانوں میں پہنچی فوراً دیوار پھانڈ کر چلے گئے۔^۲

وہ کلمہ حق کے کہنے میں بے باک تھے اور کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قطب صاحب کے مزار پر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ مزار شریف کے قریب چھتوں پر قناتیں لگی ہوئی ہیں اور ان کی رسیاں مزار مبارک کی طرف ہیں۔ پوچھا کہ یہ قناتیں کس کی ہیں کہا گیا کہ بادشاہ دہلی کے محلات کے واسطے ہیں۔ حافظ صاحب نے غصہ ہو کر فرمایا۔ یہ انتہائی بے ادبی ہے۔ ان رسیوں کو کاٹ دو کہ یہ قناتیں گر پڑیں۔^۳

نواب بھاول خاں ثانی، خواجہ تونسوی

نواب بھاول خاں اور حافظ صاحب کا مرید تھا۔ حافظ صاحب سے ملاقات کی تمنا رکھتا تھا۔ مگر کبھی اس کا موقع نہ ملتا تھا۔ ایک دن شاہ محمد سلیمان تونسوی

کی خدمت میں اپنی اس تمنا کا اظہار کیا۔ شیخ نے حافظ صاحب کو طلب کیا۔ حافظ صاحب حاضر ہوئے تو سلام عرض کرنے کے بعد شیخ کے روبرو بیٹھ گئے۔ خان موصوف کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ تھوڑی دیر بعد پیر و مرشد سے اجازت لی اور اپنے مقام پر واپس آ گئے۔^۴

مناقب المجوبین میں لکھا ہے کہ حافظ صاحب ایک مرتبہ احمد پور شریف گئے تھے۔ نواب بھاول خاں کو جب تشریف آوری کا علم ہوا تو ملاقات کا ارادہ کیا۔ آپ کو خبر ہوئی تو فوراً تونسہ شریف کے لئے روانہ ہو گئے۔^۵

انگریزوں سے تنفر حافظ صاحب کے زمانہ میں انگریزوں کا اقتدار ہندوستان میں پوری طرح سے قائم ہو چکا تھا، انگریزی معاشرت کے

اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔ حافظ صاحب کو انگریزی طرز معاشرت اور طور طریقہ سے سخت نفرت تھی۔ اگر کوئی انگریزی وضع اختیار کرتا تھا، تو طبیعت پر گراں گزرتا تھا۔ بوٹپن کوئی شخص آتا تو ناخوش ہوتے اور فرماتے ”یہ نصاریٰ کی وضع ہے“ مصنف مناقب حافظیہ کے چچا واجد علی خاں نے ایک کوٹھی بنائی اور حافظ صاحب کو برکت کے لئے مکان میں لائے۔ حافظ صاحب نے معائنہ کے بعد فرمایا کہ واجد علی خاں نے خوب مکان بنایا ہے مگر مجھ کو پسند نہیں آیا۔ کیونکہ اس میں دروازے انگریزی وضع کے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کے نام کے ساتھ انگریزی لفظ سن کر اس قدر ناراض ہوئے کہ اس کا خط نکتہ پڑھا۔^۶

وحدت وجود کسی شخص نے پوچھا کہ عوام جو وحدت وجود پر گفتگو کرتے ہیں اس کے متعلق کیا خیال ہے۔ فرمایا۔ ”یہ الحاد و زندقہ ہے۔“^۷

۱ مناقب حافظیہ - ص ۱۱۰ ۲ مناقب المجوبین - ص ۵۵ - ۵۴

۳ ۴ ۵ مناقب حافظیہ - ص ۱۱۲

۶ مناقب حافظیہ - ص ۱۳۰

۷ مناقب حافظیہ - ص ۱۱۰ - ۱۰۹ ۸ مناقب حافظیہ - ص ۸۳

رئیس ہے۔ حافظ صاحب اور زیادہ جوش میں آجاتے اور فرماتے: ”نہیں اب باؤ“
ایک مرتبہ فرمانے لگے: ”اگر نصاریٰ کی عمل داری ہو تو

اس حکومت سے بہتر ہے“

حافظ صاحب بہ حیثیت شاعر | حضرت حافظ صاحب کو شعر و سخن سے کبھی بچھی
تھی۔ غزلیں اور رباعیاں بہت اچھی کہتے تھے
مشتاق تخلص تھا۔ ایک غزل ملاحظہ ہو۔

دل پر بود جانائے کہ آئی دستان دارد
شکر لب خندہ نمکینی خمار میکشاں دارد
چو گل رخ نرگس چشے برویش سنبل زلف
لب نازک ترا ز لاله قدیر و رواں دارد
کہ از نمکین نمی پرسد ز حال زار من دلبر
خدا یا مہرباں سازش کہ دل تنگیں چنان دارد
ازیں نامہرباں شوخی چه آسائش دہد و دم
کہ با کم التفاتی ہا ز من خاطر گراں دارد
بکیشن دلبری شایدر وادارد دل آزاری
کہ از مزگاں زند پیکان، ازابر و کمان دارد
محتاج صبر از دلہا کند غارت بیک لمحہ
مگر در گوشہ چشے چنیں ہامرداں دارد
بیامشتاق زیں بگذر تو خاکپائے سلیمان شو
کہ ہر کس از جلال او کمال بیسکراں دارد

وصال | حافظ صاحب نے کو آخر عمر میں فلج کا مرض لاحق ہو گیا۔ رفتہ رفتہ مرض

سماع کے معاملہ میں بہت احتیاط فرمایا کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ زمان
مکان، اہوان کی شرطیں جب تک پوری نہ ہوں مجلس منعقد نہیں کرتی
چاہئے۔ قول ہمیشہ باشرع ہونا چاہئے۔ لہ

ہندوؤں کو عقیدت | ہندوؤں کو بھی حضرت حافظ صاحب سے بڑی عقیدت
تھی۔ مثنوی رومی کے درس میں ہندو بھی شریک ہوتے تھے
حیدر آباد کے راجہ چندر لال کو آپ سے بہت تعلق خاطر تھا۔ اکثر آپ کی خدمت میں حاضر
ہوتا تھا۔ دہلی کا ایک کا میستہ ہندوان کی خدمت میں حاضر ہو کر اس قدر متاثر ہوا تھا کہ
معاہل و عیال سلمان ہو گیا۔ شاہ صاحب کے اخلاق میں بڑی کشش تھی، ہر ملنے والا ان
سے مل کر خوش ہوتا تھا اور ان کی محبت کا رٹھنے والا نقش لے کر مجلس سے اٹھتا تھا۔
واجد علی شاہ اور حافظ صاحب | واجد علی شاہ کے ہنگامہ ہائے ناؤ و نوش اور حکومت
کے کاموں سے بے تعلق کو دیکھ کر حافظ صاحب

کو سخت صدمہ ہوا۔ انھوں نے متعدد بار واجد علی شاہ سے شکایت کی اور اس کے فرائض
سے آگاہ کیا۔ جب تمام فرائض صمد بصر ثابت ہوئیں تو حافظ صاحب لکھنؤ تشریف
لائے اور واجد علی شاہ سے کہلا بھیجا کہ ہم جنگ کے واسطے آئے ہیں۔ اگر تجھ کو زور
اور بہادری کا دعویٰ ہو تو مقابلہ کر۔ اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ تلواریں ہمراہ لاؤ۔ ہمس
جنگ کریں گے۔ مصنف مناقب حافظیہ کو بھی تلوار لانے کا حکم ہوا۔ فکر ہو کر کئی بار فرمایا:
دردم ہمیں آید کہ ازیں رئیس میرے دل میں آتا ہے کہ میں نہیں
تخت آتزع نمایم لہ سے تخت خالی کراؤں۔

ایک رات، شاہ مینا صاحب کی درگاہ میں بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے ”یہ تیرے کا تختہ
اُلٹے“ ایک پیر مرد ان کے قریب بیٹھے تھے۔ بار بار عرض کرتے تھے ایسا نہ فرمائیے آخر

اس قدر بڑھ گیا کہ ہاتھ پاؤں بیکار ہو گئے۔ عبادت میں بھی جب وقت ہونے لگی تو فرمایا "جسم بھاڑے کا ٹوٹے آخر ساتھ نہ دیا"۔ مادہ ذی قعدہ ۱۲۶۹ھ کو وصال فرمایا خیراً میں سپرد خاک کئے گئے۔

حضرت حافظ صاحبؒ کے تین خلیفہ صاحب سلسلہ اور صاحب ارشاد خلفاء ہوئے :

- ① مرزا سردار بیگؒ
- ② شاہ حبیب علی شاہؒ
- ③ مولانا حسن الزماںؒ

یہ تینوں بزرگ حیدرآباد میں رہے اور وہیں سلسلہ کی اشاعت اور توسیع کا کام کیا۔ مولانا حسن الزماں صاحب حیدر عالم اور بڑے پایہ کے محدث تھے۔ انھوں نے حضرت شاہ فخر الدین صاحبؒ کی مشہور کتاب فخر الحسن کی ضخیم شرح عربی زبان میں بقول الحسن فی شرح فخر الحسن کے نام سے لکھی ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے علوم اہل بیت کے نام سے ایک کتاب چوبیس جلدوں میں تصنیف فرمائی تھی۔ اس میں انھوں نے تمام مسائل متفقہ اہل سنت کا اثبات، روایات اہل بیت سے کیلے۔ اس کتاب کی اشاعت کا بندوبست نواب محبوب علی خاں نے کیا تھا۔ لیکن صرف ایک جلد طبع ہونے پائی تھی کہ نظام کا انتقال ہو گیا اور وہ کام نامکمل رہ گیا۔ ۵

مولانا حسن الزماں صاحب کے صاحبزادے شاہ لطیف الزماں صاحب عرف بادشاہ میاں آج کل حیدرآباد میں سجادہ نشین ہیں۔ اور بڑی خوبوں کے مالک ہیں۔ حضرت حافظ صاحبؒ کے بعد مولانا حافظ محمد اسلم صاحب سجادہ نشین سجادہ نشین ہوئے۔ وہ حافظ صاحبؒ کے حقیقی برادر زادے تھے۔ انھوں نے ۵۴ سال تک حافظ صاحبؒ کے سجادہ کو رونق بخشی۔

۱ مناقب۔ ص ۲۳۷ ۲ مکتوب مولانا مصباح الحسن صاحب بنام مصنف

حافظ محمد اسلم صاحبؒ نہایت سادہ مزاج بزرگ تھے۔ آستانہ حافظ صاحبؒ پر صفائی تک کی خدمات انجام دیتے تھے۔ روسا اور امراء سے بے تعلق رہتے تھے۔ حافظ محمد عبدالصمد صاحب مودودیؒ نے اپنے روزنامہ میں ان کے متعلق لکھا ہے۔ عبادت و ریاضت میں وہ مشائخ متقدمین کا نمونہ ہیں۔ شریعت و طریقت کے جامع ہیں۔ ساٹھ سال کی عمر ہو چکی ہے لیکن انھوں نے نکاح نہیں کیا۔ ۳

حافظ محمد اسلم صاحبؒ نے ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۲۰ھ کو وصال فرمایا۔ اُن کے بعد میاں خادم حسین صاحبؒ برادر زادہ حافظ صاحبؒ سجادہ نشین ہوئے۔ ان کا وصال ۹ ماہ بعد ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت حافظ صاحبؒ کے سجادہ پر میاں خادم حسین صاحبؒ کے صاحبزادے میاں امتیاز حسین صاحبؒ بیٹھے اور خواجہ محمد اسلمؒ کے سجادہ نشین میاں محمد حسین صاحبؒ ہوئے۔ یہاں امتیاز حسین صاحبؒ کی وفات کے بعد، میاں سید ماجد حسین صاحبؒ سجادہ نشین ہوئے۔

حافظ محمد اسلم صاحبؒ کے خلفاء میں حافظ عبدالصمد صاحب مودودیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہ بڑے عالم تھے۔ حیوۃ العلماء میں لکھا ہے کہ ان کو صحیح بخاری کے کئی پارے از بر یاد تھے۔ ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳

مولوی محمد جان خاں شروانی ول عبد الرزاق خاں شروانی جو بڑے زاہد اور عالم بزرگ تھے، حافظ صاحب سے رابطہ بیعت رکھتے تھے۔

باسم

حاجی بسم الدین صاحب شیخاوانی

آفتابِ تونسہ کی کرنیں ملک کے گوشہ گوشہ پر پڑیں۔ ہزاروں سنگ درہزے لعل ناب بن کر چمکے۔ علم و عرفان کے وہ چشمے جاری ہوئے کہ ہزاروں تشنگان معرفت کی سیرابی کا سامان بہم پہنچ گیا۔ پنجاب اور راجپوتانہ میں سلسلہ نظامیہ کی متعدد خانقاہیں قائم ہوئیں۔ عقیدہ و ارادت کے ان مرکزوں نے مسلمانوں کی اصلاح و تربیت میں حیرتناہی کمال حاصل کیا۔ اور یہ خانقاہیں مسلمانوں کی مذہبی زندگی کا حشر شبہ بن گئیں۔

شیخاوانی میں حاجی محمد الدین صاحب کی خانقاہ علم و فضل و سلوک و معرفت کا منبع تھی۔ ہزاروں عقیدت مند وہاں جمع ہوتے تھے۔

ولادت حضرت حاجی صاحب کی ولادت ۳ رمضان ۱۲۳۲ھ کو بمقام جھوٹوئی ہوئی تھی۔

۱۔ جغرافیائی حالات و تاریخی واقعات کے لئے ملاحظہ ہو، "وقائع راجپوتانہ" جلد اول ص ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱

کو خواجہ تونسویؒ کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے، خواجہ صاحب عبادت میں مشغول تھے شوق ملاقات میں آپ سے ضبط نہ ہو سکا، اور حجرہ کے اندر چلے گئے۔ خواجہ تونسویؒ کے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر بے خودی سی طاری ہو گئی اور بے ساختہ زبان پر یہ دوہرہ آگیا۔

مکھ دیکھت ہی من موہن کو میری نین میں چھپ چھائیگی
جب دور کیا مکھ کا انچر جب جوت میں جوت سمائیگی

خواجہ صاحبؒ نے فرمایا

”اے مرد ہندی تو تو ہندوستانی ہے۔“

پھر یہ شعر پڑھا۔

ہندو ہے بت پرست مسلمان خدا پرست

ہم بندے ہیں اسی کے جو ہے آشنا پرست

اس کے بعد حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ نے ان کو حلقہ مریدین میں شامل کر لیا۔ حاجی صاحبؒ ۶ ماہ تک شیخ کی خدمت میں رہے۔ اس زمانہ میں انھوں نے خواجہ تونسویؒ کے خلیفہ اعظم مولوی محمد باراں کلچوی سے رشحات، لمعات، فصوص الحکم، فتوحات مکیہ وغیرہ کا درس لیا۔ اس کے بعد پیر کے ہمراہ ہمار شریف اور پاک پٹن لکھنؤ گئے۔ ۶ محرم ۱۲۸۵ھ کو پاک پٹن میں خواجہ تونسویؒ نے ایک بڑے مجمع کے سامنے جس میں دیوان شرف الدین صاحب اور دیگر مشائخ اور علماء شامل تھے۔ حاجی صاحبؒ کو خلافت عطا فرمائی اور شیخاویؒ میں قیام کا حکم دیا۔ خواجہ تونسویؒ کے بہت سے ایسے مرید جو عرصہ سے خدمت کر رہے تھے لیکن خلافت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے اس پر متعجب ہوئے اور کہا کہ خواجہ صاحبؒ نے کیوں ایک نووارد کو اس قدر جلد خلافت عطا فرمادی۔ خواجہ صاحبؒ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ ہم نے کیا دیدیا۔ نجم الدین خود اپنی روشنی کا سامان اپنے ہمراہ لائے تھے۔ ان کے چراغ میں صفائی، تیل اور بتی سب کچھ موجود تھا۔ ہم کو تصرف لو لگائی تھی وہ لگا دی۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

تھی۔ آپ کے والد ماجد شیخ احمد شمس صاحب حمیدی بڑے متواضع بزرگ تھے۔ زہد و اتقا کا دور دورہ و شہرہ تھا۔ شاہ ارادت اللہ صاحب نقشبندیؒ کے مرید تھے۔ اور حضرت خواجہ حمید الدین ناگوریؒ کی اولاد پاک نہاد سے تھے اس لئے اطراف و جوانب کے لوگ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔

تعلیم | حضرت حاجی صاحبؒ کی بسم اللہ سال کی عمر میں اس زمانہ کے مشہور بزرگ مولانا محمد رمضان صاحب قادری بھی نے پڑھائی۔ حضرت بھی صاحب حافظ محمد علی صاحب خیر آبادیؒ سے مستفیض تھے جس زمانہ میں حافظ صاحب مکہ معظمہ میں تھے۔ وہ اکثر ان کی صحبت میں حاضر رہتے تھے۔ حاجی صاحبؒ نے قرآن پاک ان ہی بزرگ سے پڑھا۔ اس کے بعد علوم ظاہری کی طرف متوجہ ہوئے۔ طبیعت ابتدائی سے ریاضت کی طرف مائل تھی علوم ظاہری کی تکمیل نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور حضرت و احسان کا رنگ غالب آگیا۔

بیعت | حاجی نجم الدین صاحبؒ ایک دن شیخ حبیب اللہ قادری کی کتاب انیس العارفین کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ جب اس جملہ پر نظر پڑی

مَنْ لَا شَيْعَةَ لَمْ يَشْتِمْهُ الشَّيْطَانُ

تو مرشد کی تلاش کا جذبہ پیدا ہو گیا اور یہ سمجھنے لگے کہ مرشد کا مل کے بغیر سب محنت و مجاہدہ، ریاضت و طاعت بیکار و بے سود ہے۔ اس کے بغیر منزل مقصود کا نشان نہیں مل سکتا۔ چنانچہ مرشد کی تلاش میں دہلی کا ارادہ کیا۔ والدین نے اجازت نہ دی، تو توفیق طور پر پیادہ پادہ دہلی کو روانہ ہو گئے۔ جتھے بھونوں سے ابھی چند کوس ہی نکلے تھے کہ آپ کے بھائی شہاب الدین صاحب نے تعاقب کیا اور واپس لے آئے۔ اس وقت حاجی نجم الدین صاحبؒ کی عمر ۱۸ سال تھی۔ خواجہ اجیریؒ کے عرس کے زمانہ میں ان کو پھر موقع مل گیا۔ اور تونسہ شریف کی شہرت سن کر وہاں روانہ ہو گئے۔ ۱۰ شعبان ۱۲۸۵ھ

گوہر پاک بیاد کہ شود قابل فیض
ورنہ ہر سنگ و کلوئے دروہر حال نشود

خلافت حاصل کرنے کے بعد دوسری مرتبہ جب آپ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کوشکول اور لوح کا درس لیا۔ اس کے بعد مختلف اوقات میں عشرہ کا مایہ نوا حافظ وغیرہ کتابیں شیخ سے پڑھیں۔

شیخاوائی کا قیام حاجی صاحب نے اپنے پیر و مرشد خواجہ محمد سلیمان کی ہدایت کے ماتحت شیخاوائی میں قیام فرمایا جس جگہ آپ نے اپنا مسکن بنایا تھا وہ بالکل غیر آباد جگہ تھی لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں عقیدت مندوں کا ہجوم ہونے لگا۔ آپ نے اس "بیڑ" جنگل میں ایک مسجد تعمیر کرائی اور اپنے سلسلہ کا کام نہایت اہتمام سے شروع کر دیا۔ خواجہ محمد سلیمان نے جب ان کے اس اہتمام کا حال سنا تو فرمایا

ہندوستان کے بہت سے آدمی
ہمارے مرید ہوئے اور بہت سے
لوگ وہاں سے آئیں مگر جو نفع
اور درجہ حاجی نجم الدین اور سید
محمد علی خیر آبادی نے حاصل کیا وہ
ان ہی کا حصہ تھا! لے

اتباع سنت و احترام شریعت حاجی نجم الدین صاحب شریعت کے معاملہ میں نہایت سخت گیر تھے۔ وہ خود شریعت و سنت کے اتباع میں بے حد کوشش کرتے تھے۔ مریدوں کو بھی ہدایت تھی کہ شریعت کا دامن مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہیں "نجم الآخرة" اور "فضیلتہ النکاح" میں انھوں نے بعض اہم شرعی

مسائل کی تشریح کی ہے اور مسلمانوں کو بتایا ہے کہ ان کی کامیابی کا راز صرف اتباع سنت نبوی میں ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ پیر و مرشد کو شریعت پر ثابت قدم ہونا چاہیے۔ پیوملانی غیر بہلانی میں لکھتے ہیں:

شریعت پر مضبوط ہو دو بے جو درویش
عشق خدا سے رات دن رکھتا ہے دل ریش
عالم عامل وہ ہوئے تاجی نبی ضرور
کوئی سنت مستحب اندر نہ ہو قصور
پڑھے نماز جماعت سے پانچوں وقت سدا رہے
خدا کی یاد میں شاغل لیل و نہار
جا کر نبی رسول سے ملے ہاتھ سے ہاتھ
عقاد ندیچ درست ہو سنت اور جماعت
اظہار کرامت کی مذمت اس طرح کرتے ہیں ۷

پران لگا کر جواڑے مردود مہیہ جلائے
شریعت بیچ قصور ہو وہ گمراہ کہلائے

عشق حقیقی اور وحد وجود حاجی صاحب عشق حقیقی کے نشہ میں پور رہتے تھے حضرت موسیٰ کے گذریے کی طرح وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کی دنیا میں لاتے تھے، بناتے تھے، سنوارتے تھے اور پہروں خلوت کدہ میں لطف اٹھاتے تھے۔ بعض جگہ تو وہ اس طرح تصویر کھینچتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا معشوق اسی دنیا آب و گل سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ تصویر تجیل اور احساس کا انتہائی اعجاز ہے۔ ایک خواب سکھی ایک خواب مجھ کو آج آیا
گویا دونوں جہاں کا راج آیا

۴۰۴
 کہ جانی بیو میرے کچھ پاس آئے
 میرے کارن عجب کچھ بھیس لائے
 ہر ایک نوع کی عجب زیور طلائے
 کہ جن میں لعل اور چونی جڑائی
 سرخ شاو عجب برہان پور کی
 لڑی موتی و گچی اصل دُر کی
 سکھی میں سیج پھولوں کی بھائی
 دوڑ کر جوڑ پی کے پاس آئی
 لگے بیو پلو چھنے احوال میرا
 کہ کیا ہے اے تجھ یہ حال تیرا
 عجب لاعز ہوا ہے تن یہ تیرا
 بتا کس غم نے آکر تجھ کو گھیرا
 بگنہ قسم از فسراق تو چہ غنیم
 کنم قسرباں برت ایمان و دینم
 ترے غم نے کیا یہ حال میرا
 بھیا دو جگ مرے او پر اندھیرا
 بدیاں جا کے وہاں تم چت لگیا
 مجھے بالکل نزل اپنے سے لگیا
 نہ بھیجا خط نکوت صبر سندیا
 نہ میرے حال کا کچھ تھا اندیشا
 کہ اس برہن کون میں گھر چھوڑ آیا
 حوالہ کس کے میں گھر چھوڑ آیا
 عجب تم سنگ دل ہو اے دلآرام

۴۰۵
 ہیں چھوڑم ہے تجھ دل میں یکے ام
 لگی مننے کہ اے برہن ہماری
 نہیں دل سے تجھے ہم نے باری
 اگرچہ ظاہر اُپر دیس تناسمیں
 ولے باطن میں تیرے دیس تھا میں
 دیوانی تجھ سستی میں دور تھا کب
 کہ مِنْ حَبْلِ الْوَرْدِ يَدِ نَحْنُ اقْرَبُ
 اگر چہ سات دریا پار تھے ہم
 دل و جان سے تمہارا رتھے ہم
 جو توں ہر دم رکھے تھی دھیان میرا
 طرف تیرے ہی تھا بس گیان میرا
 ارے ہر دم ہم اس کے پاس ہیں گے
 کہ جس کو یاد ہم ہر سانس ہیں گے
 مگر تو گھر کو اپنے صاف کر لے
 نصیحت یہ مری دل پنج دھڑلے
 کہ ہم اس گھسرا ندر کر بسیں ہیں
 کہ جو گھرا پنا صافی رکھیں ہیں

وحدت و جد پر حاجی صاحب کا ایمان تھا۔ اپنی نظموں میں جگہ جگہ اسی پر
 گفتگو کرتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں
 تیرے بجز وحدت بیکراں کی طرح کی یہ موج ہیں
 سوا کسی نے جوش یہ کھایا ہے یہ تو میں نہیں ہوں تو ہی ہے

- ۵) افضل الطاعت (نظم علم تجوید میں)
 ۶) پریم گنج (ہندی دوہرے)
 ۷) حیات العاشقین فی لقاء رب العالمین
 ۸) نجمہ الاخرہ
 ۹) فضیلت نکاح
 ۱۰) بیان الاولیاء
 ۱۱) سماع السامعین فی رد المنکرین
 ۱۲) دیوان نجمہ اردو
 ۱۳) تذکرۃ الواصلین دفتر اول
 ۱۴) تذکرۃ الواصلین دفتر دوم

ان کتابوں میں شاہ صاحب نے اخلاق و تصوف کی تعلیم نہایت دلکش انداز میں دی ہے، ان کتابوں کا مقصد عوام میں اسلامی تعلیم کا پھیلاتا تھا۔ مولانا غلام سرور صاحب لکھتے ہیں:

”یہ تصانیف اس ملک کے بے علم اور کم علم اشخاص کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی ہیں۔ بیش بہا جواہر جو عربی فارسی سمندروں کی تہ میں پنہاں تھے وہ آپ نے ریگستان کے جنگلوں میں بکھیر دیئے ہیں۔“

عوام کو شامیر صوفیہ کے اقوال اس سادگی اور خوبی سے سمجھائے ہیں کہ بے اختیار حاجی صاحب کے تہراور فنی بھارت کی داد دینی پڑتی ہے نظم میں بزرگوں کے اقوال اس طرح نقل کرتے ہیں کہ گراں نہیں معلوم ہوتے اور غرض مضمون میں مل جاتے ہیں۔ مثلاً

کہا نظام الدین نے جو محبوب اللہ
 بیچ فائدہ کھا ہے گا حسن گواہ

بوجود ایں ہمہ گفتگو کہ تو ہی تو ہے پھر آپ کو
 تو نے کیسی جائے چھپایا ہے یہ تو میں نہیں ہوتا تو ہی ہے
 قربان ہوں میں لے نجم الدین امرے خواجہ شاہ سلیمان پیر
 مجھ جن پر بھید بتایا ہے یہ تو میں نہیں ہوتا تو ہی ہے
 جب ”اسرار وحدت“ کہتے کہتے حد سے گزر جاتے ہیں، تو گھبرا کر بے اختیار کہتے ہیں:

چپ رہ نجا باورے چھپا، کھول مت بھید
 دیکھ پیا کو ہر جگہ گر ہے تجھ سے کوئی

حاجی نجم الدین صاحب نے اردو و فارسی میں تصانیف کا بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ ان کی اردو تصانیف تاریخ اردو ادب میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ راجپوتانہ میں اردو زبان کی ترویج میں حاجی صاحب کا خاص حصہ تھا۔ مولانا غلام سرور صاحب لکھتے ہیں۔

”ہمارے ملک میں اردو زبان کے سب سے پہلے مصنف اور حامی آپ ہی ہیں اردو زبان کی بزم ادب یعنی شاعری کا سہارا بارہویں صدی کے وسط سے آپ ہی کے سراقدس پر بندھا ہوا نظر آتا ہے۔“

حاجی صاحب کی اردو تصانیف یہ ہیں

- ۱) گلزار وحدت
 ۲) ساحی البیریت (علم تجوید میں)
 ۳) پیوملانی غیر بھولانی (ذکر و اشغال میں)
 ۴) بارہویا ہریم نجم (عشق و محبت الہی میں)

بحی شرف الدین نے شکل کوی آسان
ایسا لکھا کتاب میں تجھ بن کروں بیان
شیخ محی الدین جو فتا در جیلان
شیخ ملن کے واسطے ایسا لکھا
اور فوائد اس طرح خوب طرح سے کھول
شیخ کلیم اللہ نے لکھے بیچ کشکول

حاجی صاحب کی فارسی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں —

- ① شجرة العارفين (احالات خواجگان چشت و دیگر مشائخ)
- ② شجرة المسلمين (تاریخ نوایان فتح پور)
- ③ شجرة الابرار (حضرت خواجہ ناگوری کے حالات)
- ④ مناقب الحبيب (احوال خواجہ جمعی)
- ⑤ مناقب الشاکین (احالات خواجہ صوفی حمید الدین)
- ⑥ مناقب المجهوبین (احالات مشائخ سلسلہ نظامیہ)
- ⑦ تذکرۃ السلاطین (احوال بادشاہان ہند)
- ⑧ راحت العاشقین
- ⑨ مقصود العارفين
- ⑩ احسن التفائد
- ⑪ احسن القصص
- ⑫ نجم الکائین
- ⑬ نجم الہدایت
- ⑭ مقصود العارفين فی شرح اور ادب نصیر الدین
- ⑮ ہدایت نامہ

قبالات نجی

⑫

دیوان تجسم فارسی

⑬

۱۲۸۶ھ میں حسب معمول آپ اجیر شریف عرس میں شریک ہوئے وہاں کچھ طبیعت ناساز ہوئی. علالت کی حالت میں جھوٹو نوں پہنچے ۱۹ رمضان ۱۲۸۶ھ کو وصال فرمایا۔ جنازہ فتح پور لایا گیا اور وہاں سپرد خاک کیا گیا۔ شاہ حسن کے فرزند سوم مولانا نورا احمد نے تاریخ وصال کہی ہے

شہباز اوج وحدت فارغ شدہ زکثرت
برداشت سوئے حق سرازرا نوئے تعبد
از نفس عنصری بچوں پرواز کرد روحش
شاداں بشاخ طوبی با شوق جاگزین شد
با صد دروغ وحسرت تاریخ گفت ہاتف
شاہنشاہ ولایت نجم صدی و دین مبد

حاجی صاحب نے دو شادیاں کی تھیں۔ ایک شاہ ضیاء الدین صاحب

جے پوری کے خلیفہ لطف خاں صاحب کی لڑکی سے، دوسری شیخ عبدالکریم صاحب کی لڑکی سے۔ پہلی بیوی سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں:

- ① مولانا نصیر الدین شاہ
- ② عبداللطیف شاہ
- ③ نورا احمد شاہ
- ④ فضیلت النساء
- ⑤ لطیف النساء

شاہ صاحب کے تینوں فرزند عالم اور صاحب ارشاد تھے۔ مولانا نصیر الدین صاحب حاجی صاحب کے بعد سجادہ پر بیٹھے۔ عبداللطیف شاہ صاحب نے جو دھ پور میں اپنی خانقاہ قائم کی۔ وہیں ان کا مزار ہے۔ شاہ نورا احمد صاحب فتح پور میں رہے۔ ان کی دو

① دیوان نور

② مجموعہ روایات صادقہ

دیوان مطبوعہ کریمین مہدی سے شائع ہوا تھا۔ کلام میں فصاحت بھی ہے اور لطافت بھی۔

حاجی نجسم الدین صاحبؒ کے خلفاء کی تعداد اکثر تھی۔ انھوں نے
خلفاء راہچوتانہ کے اکثر مقامات پر اپنے خلفاء کو بھیج کر خانقاہیں قائم کرائی
تھیں۔ جے پور، جودھ پور، بیکانیر، اودھ پور، اجیر، وغیرہ میں ان کے خلفاء
نے اپنے سلسلہ کا کام نہایت تن دہی اور محنت سے انجام دیا۔ بعض خلفاء کے
نام یہ ہیں۔

① مولانا حکیم سید محمد حسن صاحب امر و ہوی

② مولانا قمر الدین شاہ صاحب

③ مولوی صدر الدین صاحب عباسی

④ مولانا یار محمد صاحب پشاور وری مدفون جودھ پور

⑤ مولوی امام الدین صاحب پنجاب

⑥ قاضی امام الدین صاحب ساکن سرسہ

⑦ حکیم سید اشرف علی صاحب کش گڑھ

⑧ مولانا سیف الدین صاحب شہید

⑨ سید ریاض الدین صاحب

⑩ نواب حاجی محمد خاں۔ جودھ پور

⑪ صاحبزادہ منیر خاں

⑫ خان جی الہی بخش سیکر

⑬ رسالہ راجہو خانی قائم خانی بیکانیر

⑭ شیخ محمود

⑮ میاں نعل شاہ

⑯ شیخ نعل محمد قصاب سوہی منٹپوری

⑰ شیخ خدائش جابل سفید بات منٹپور

⑱ شیخ سلطان شاپور میواڑ

⑲ شیخ خدائش چوڑی گر ساکن شاہ پور

⑳ شیخ امام الدین ساکن ڈبڈوانہ

㉑ شیخ محمود شاہ درویش

㉒ شیخ پیر قصاب

㉓ شیخ مولائش سنگتراش

㉔ شیخ رمضان معمار

㉕ شیخ میران بخش معمار

㉖ ملا نور محمد پانی پت

حضرت مولانا سید محمد حسن صاحبؒ

مولانا حکیم سید محمد حسن صاحب امر و ہوی (۱۲۲۹-۱۳۲۳ھ)

بزرگ تھے۔ فلسفہ مشائخہ اور علوم عقلیہ میں مولانا افضل حق خیر آبادی کے، علوم نقلیہ،

حدیث و تفسیر وفقہ میں مفتی صدر الدین دہلوی کے شاگرد تھے۔ علم طب حکیم امام الدین

دہلوی سے حاصل کیا تھا۔ عرصہ تک گورنمنٹ کالج اجیر میں عربی و فارسی کے پروفیسر

رہے۔ آخر زمانہ میں ملازمت کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اجیر میں مطب کرنے لگے

تھے۔ اپنے وطن امر و ہہ میں وصال فرمایا۔

حکیم صاحبؒ نے کتب سماوی کا مطالعہ بڑی گہری نظر سے کیا تھا۔ انجیل

وزبور پر کامل عبور تھا۔ ان کے زمانہ میں تین بزرگ تحقیق اناجیل کے سلسلہ میں

شہرت رکھتے تھے۔ سید احمد خاں، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ڈاکٹر صادق علی

(کیور تھل)۔ ان کا مسلک جداگانہ تھا اور تحقیق کا انداز مختلف تھا۔ علم تصوف سے

انسان تھے۔ غریب و بے کس لوگوں کی مدد کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ شانِ بخت سلسلہ کی تصانیف سے گہری دلچسپی تھی۔

حکیم صاحب نے دولہ کے اور زمین لڑکیاں چھوڑی تھیں۔ صاحبزادوں کے نام حکیم سید عبدالملک صاحب مرحوم اور حکیم سید عبدالرب صاحب ہیں۔ حکیم سید عبدالرب صاحب نظامی قدیم روایات کے حامل اور بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔

حضرت مولانا محمد نصیر الدین صاحب
مولانا محمد نصیر الدین صاحب (۱۸۳۶-۱۸۵۲ء)
حاجی صاحب کے خلف اکبر اور خلیفہ

اعظم تھے۔ دہلی میں مرزا علی بیگ کے مدرسہ میں درس نظامی کی تکمیل کی تھی۔ ۱۲۸۵ھ میں حاجی صاحب کے سجادہ پر جلوہ افروز ہوئے۔ ہندو اور مسلمان سب ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ ان کا بیشتر وقت وعظ و تلقین اور درس و تدریس میں صرف ہوتا تھا۔

راجہ بھوپال سنگھ نے اپنی جاگیر میں ایک چھوٹا سا قصبہ حضرت پور ان کے نام پر آباد کیا تھا۔ راؤ مادھو سنگھ کو بھی ان سے بڑی عقیدت تھی اور ایک سو دو ایک زمین حضرت کی خدمت میں پیش کی تھی۔

حضرت مولانا محمد نصیر الدین صاحب نے اپنے پیر کے ملفوظات بحکم الارشاد کے نام سے جمع کئے تھے۔ علاوہ ازیں ایک کتاب مجمع الفرائض بھی تصنیف فرمائی تھی۔ ان کے خلفاء میں مندرجہ ذیل بزرگ خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

- ① غلام محمد نجم الدین صاحب
- ② مولانا گل محمد صاحب مفتی فقیہ
- ③ مولانا عبداللہ شاہ صاحب پشاور
- ④ قاضی محمد اشرف صاحب قاضی چمن گڑھ
- ⑤ محمد سعد اللہ صاحب
- ⑥ حاجی علی محمد صاحب امام جامع مسجد مارواڑ
- ⑦ محمد عبداللہ ساکن لاڈلون

خاص دلچسپی تھی۔ وحدت وجود کے قائل تھے اور حضرت امام اکبر کے خیالات کی وضاحت اپنی تصانیف میں کی ہے اور خصوصاً حکم کی شرح بھی خاص انداز میں لکھی ہے۔

مدت العمر تصنیف و تالیف کا مشغلہ رہا۔ ان کی مہتمم بالشان تصنیف تھی۔ ۱۲۹۵ھ میں مطبع میر حسن دہلی سے تفسیر حضرت شاہی معاملات الاسرار فی مکاشفات الاخبار کے نام سے فارسی زبان میں شائع ہوئی تھی۔ پھر دوبارہ اردو زبان میں غایت البرہان فی تاویل القرآن کے نام سے چھپی۔ مطبع ریاضی امروہہ ۱۳۲۲ھ ان کی دیگر تصانیف یہ ہیں:

- ① کو اکب دریہ (سید المطایح امروہہ)
 - ② معراج رسول (مطبع دبدبہ محبونی)
 - ③ اتمام حجت اسلام در شرح کتاب دانیال علیہ السلام (پرنٹنگ کمپنی اجیر شریف)
 - ④ حقانیت اسلام (مطبع رضوی دہلی ۱۳۰۳ھ)
 - ⑤ تلخیص التواتر مع ملقب بہ مفرح دل کش
 - ⑥ رسالہ آگہی نامہ (مطبع چراغ راجستان)
 - ⑦ درنایاب (مطبع چراغ راجستان)
 - ⑧ گنجینہ اسرار انبیاء (مطبع نامی پرنٹنگ کمپنی اجیر)
 - ⑨ کشف الاسرار (مطبع دارالعلوم میرٹھ)
 - ⑩ نگینہ حکمت در شرح خصوص حکم حضرت شیخ اکبر (نو لکھنؤ لکھنؤ)
 - ⑪ آفتاب عالم تاب (مطبع عالم تاب مطبع میر حسن رضوی دہلی)
- حکیم صاحب نہایت منکسر المزاج اور سادہ لوح بزرگ تھے۔ مباحثہ کبھی نہ کرتے تھے۔ مریدین میں ان کے داماد مولوی فضل احمد صاحب فریدی مرحوم بڑی خوبیوں کے

مولانا نصیر الدین صاحبؒ کے وصال کے بعد ان کے فرزند اکبر حاجی غلام محمد نجم الدین صاحبؒ سجادہ نشین ہوئے۔ اندور، اجین، رتلام وغیرہ کے لوگ کثیر تعداد میں ان سے بیعت تھے۔ ۱۴ جمادی الاخریٰ ۱۲۴۸ھ کو وصال فرمایا۔ ان کے خلف اکبر جناب مولانا غلام سرور صاحب سجادہ شیخت پر بیٹھے۔ ان میں مشائخ سلسلہ کی بہت سی خوبیاں ہیں۔ بہت منکسر المزاج متواضع اور بااخلاق بزرگ ہیں۔

باب یازدہم

حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ

حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ، خواجہ تونسویؒ کے محبوب ترین خلفاء میں تھے۔ انھوں نے چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت میں جو مسلسل اور پُر خلوص جدوجہد کی، اسی کے نتیجے کے طور پر جلال پورا اور گولڑہ کی خانقاہیں وجود میں آئیں۔ خواجہ صاحبؒ ۱۲۴۹ھ کو سیال میں پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت پنجاب پر سکھوں کا تسلط تھا اور ان کا اقتدار تیزی کے ساتھ پھیل رہا تھا۔ ان حالات میں ان کو طرح طرح کی مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک مرتبہ ان کے والد ماجد میاں محمد یار کو سکھوں نے گرفتار کر لیا تھا اور ان کے خاندان کو ہوش و رہا تکالیف برداشت کرنی پڑی تھیں۔

خواجہ سیالویؒ کے والد ماجد نے ان کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی۔ ۷ سال کی عمر میں انھوں نے قرآن پاک ختم کر لیا۔ اس کے بعد ماموں میاں احمد الدین کے ساتھ موضع میکی ڈھوک علاقہ پنڈی گھیب تشریف لے گئے اور وہاں کے مدرسہ میں چند ماہ رہ کر نام حق اور کریم پڑھا۔ پھر مکھڑ چلے گئے اور وہاں تیرہ سالہ تک تحصیل علم

مکھڑ میں مولوی علی محمد صاحب علی دنیا کے صدر نشین تھے ان کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ خواجہ سیالوی عقیدت مند ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے علم حاصل کرنے لگے۔ مولوی صاحب ان کے انہماک اور خلوص سے متاثر ہوئے اور ان پر خاص الطاف و کرم فرمانے لگے۔ اکثر اپنے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھلاتے اور علمی مسائل پر ان سے گفتگو کرتے۔ مولوی صاحب کی صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ خواجہ سیالوی کی وہ صلاحیتیں جو شاید ناسازگار حالات میں کہلا کر رہ جاتیں، بیدار ہو گئیں اور انھوں نے علوم ظاہری میں مولوی صاحب سے وہ فیض حاصل کیا جس کا اعتراف وہ آخر تک کرتے رہے۔

اسی زمانہ میں شیخ سیالوی کو کابل جانے کا موقع مل گیا۔ میاں محمد امین ایک نامور تاجر تھے۔ درویشوں سے عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں افغانستان جانے کا ارادہ کیا، تو برکت کے لئے مولوی علی محمد صاحب کی اجازت سے شیخ شمس الدین کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ خواجہ صاحب نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور کابل کے ایک متبحر عالم حافظ دراز صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث و فقہ کا درس لیا۔ پہلے ہدایہ مکمل پڑھی۔ پھر حدیث کی سندلی۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد مکھڑ واپس آگئے اور مولوی علی محمد صاحب کی صحبت میں رہنے لگے۔

مولوی علی محمد صاحب ان دنوں حقیقت و معرفت کی منزل پس طے کر رہے تھے باطناً درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے، لیکن محبت الہی کے جوش سے رات دن اشکباری میں گزارتے تھے اور ایک ایسے رہبر کامل کی تلاش میں سرگرداں تھے جو ان کے مضطرب قلب کے لئے سکون کا سامان مہیا کر سکے۔ ایک دن انھوں نے خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی ایک شخص سے تعریف سنی اور ان سے ملنے کا اشتیاق دل میں پیدا ہو گیا۔ چنانچہ مولوی صاحب خواجہ سیالوی کو اپنے ساتھ لے کر خواجہ تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت خواجہ شمس الدین اٹھارہ سال کے تھے۔ علم حدیث و فقہ حاصل کر چکے تھے اور باطنی تعلیم کا ذوق بھی دل میں تھا۔ جب خواجہ تونسوی کی

خدمت میں پہنچے تو ان کے قدموں میں ایسی کشش محسوس کی کہ پھر وہاں سر نہ اٹھایا۔ خواجہ صاحب نے دونوں کو مرید کر لیا۔ کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد شاگرد اور استاد دونوں مکھڑ واپس آگئے۔

مولوی علی محمد صاحب کے اولاد نہ تھی۔ خواجہ سیالوی کو وہ بیٹے کی طرح رکھتے تھے اور ان کی علمی ترقی کے لئے دل و جان سے کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنا سارا مال و متاع خواجہ صاحب کے سپرد کر دیا۔ اور مدرسہ میں ان کو اپنا قائم مقام بنادیا۔ خواجہ صاحب کے والدین ان کی شادی کے لئے مصر ہوئے۔ لیکن وہ مکھڑ چھوڑنے اور ازدواجی زندگی کی ذمہ داریاں قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ محبوبان کے والد صاحب نے خواجہ تونسوی سے امداد کی درخواست کی: خواجہ تونسوی نے مولوی صاحب کو لکھا: ”مولویا! تو نے اس فقیر کو کیوں اسیر کر رکھا ہے۔ اس کو باپ کے پاس بھیج دے۔“ اور ساتھ ہی خواجہ شمس الدین کو ہدایت کی کہ وہ والدین کے پاس جائیں اور نکاح سے فراغت حاصل کریں۔

۳۴ سال کی عمر میں خواجہ شمس الدین کا نکاح ان کے چچا میاں احمد یار کی دختر کے ساتھ پڑھایا گیا۔ اس زمانہ میں خواجہ صاحب کے والد نہایت عسرت اور تنگی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اکثر فاقے ہوتے تھے اور بیشتر تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ان حالات میں خواجہ شمس الدین نے وطن میں مقفل قیام کا ارادہ کر لیا۔ اور درس و تدریس کے کام میں مشغول ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ عبادت و ریاضت کی طرف بھی توجہ تھی۔ سال میں کئی کئی بار توسل شریف لے جاتے تھے اور بیوض باطنی سے مالا مال ہو کر واپس آتے تھے۔ خواجہ سیالوی کو اپنے مرشد سے بڑی عقیدت تھی۔ ان کے ہمراہ ۴۴ مرتبہ ہمار شریف کا سفر کیا تھا اور ان کا سامان اپنے کاندھوں پر رکھ کر ان کی سواری کے آگے چلتے تھے۔ تقریباً ۳۶ سال کی عمر میں خواجہ تونسوی نے ان کو خلافت سے نوازا اور ہدایت کی کہ بیعت کا کام بڑے اہتمام سے کرنا، اپنے اشتغال میں مصروف ہو کر اس کو نظر انداز نہ کر دینا۔ خواجہ صاحب نے سب سے پہلے اپنے والدین اور پھر ان کے چچا بزرگوں

کو مرید کیا:

- ① میاں چھہ کسب دار
- ② شیخ عبدالجلیل قریشی
- ③ عبداللہ دین دار
- ④ میاں فضل احمد قریشی

ان بزرگوں کا مختلف حال انوار شمس میں درج ہے۔

شیخ شمس الدینؒ نے سیال شریف میں اپنا خانقاہی نظام اعلیٰ پیمانے پر قائم کیا تھا۔ ان کے یہاں لنگر کا خاص اہتمام تھا۔ تمام زائرین اور مسافروں کو کھانا لنگر خانہ سے ملتا تھا۔ شہر کے مفلسوں اور مسکینوں کو بھی کھانا دیا جاتا تھا۔ قیام کا انتظام بہت اچھا تھا۔ چار پائی اور بستر ہر آنے والے کے لئے مہیا کئے جاتے تھے۔ جو لوگ مستحقاً خانقاہ میں رہتے تھے ان کو کپڑا بھی دیا جاتا تھا۔

شیخ سیالویؒ کا اخلاق بہت اعلیٰ تھا۔ اجنبی اور ملاقاتی سے ایک طرح ملتے تھے ہر آنے والے سے خلوص اور محبت کا اظہار کرتے تھے۔ ہمدردی سے ہر ایک کے دکھ درد کی داستان سنتے تھے اور مناسب حال علاج کرتے تھے۔ شریعت کے معاملہ میں سخت گیر تھے اور اس سلسلہ میں مریدین پر سختی کو ضروری سمجھتے تھے۔ نماز باجماعت پڑھتے تھے۔ سماع بالمرزا میر سے اجتناب کلی کرتے تھے۔

۲۱ صفر ۱۰۱۳ھ کو شیخ سیالویؒ وصال بحق ہوئے۔ بعضی غلام سرور لاہوری نے تاریخ وفات کہی۔

درینا صد درینا صد درینا
ہزارا فنوس کیں ہر جہاں تاب
چو سرور جست تار بخش نہاقت
خواجہ سیالویؒ کے تین فرزند تھے:

① خواجہ محمد دینؒ

③ خواجہ فضل الدینؒ

③ خواجہ شعاع الدینؒ

وصال کے بعد خواجہ محمد دین سجادہ پر بیٹھے۔ خواجہ اللہ بخش تونسویؒ نے خرقہ پہنایا۔ انھوں نے اپنے باپ کی روایات کو جاری رکھا۔ ان کے چار فرزند تھے:

- ① محمد امینؒ
- ② محمد ضیاء الدینؒ
- ③ محمد عبداللہؒ
- ④ محمد سعد اللہؒ

خواجہ محمد دینؒ نے ۲۲ رجب ۱۳۲۹ھ کو وصال فرمایا۔ خواجہ محمد امین ان کی حیات ہی میں وصال فرما گئے تھے۔ اس لئے صاحبزادہ محمد ضیاء الدین صاحب سجادہ پر بیٹھے۔ ان کے بعد خواجہ قمر الدین سجادہ نشین ہوئے۔ ان کی کوششوں سے بزرگان سلسلہ کی روایات قائم رہیں۔ جولائی ۱۹۸۱ء کو وصال ہوا۔

خواجہ سیالویؒ کے خلع میں مندرجہ ذیل ۳۵ بزرگ خاص طور سے خلفاء قابل ذکر ہیں۔

- ① خواجہ محمد دینؒ
- ② صاحبزادہ فضل الدینؒ
- ③ صاحبزادہ شعاع الدینؒ
- ④ پیر غلام حیدر شاد صاحب جلال پور
- ⑤ پیر مہر علی شاد صاحب گولڑہ
- ⑥ مولوی فضل الدین ساکن چاچہ تحصیل شاہ پور
- ⑦ مولوی مظہر الدین ساکن مروت والہ تحصیل بھیرہ
- ⑧ مولوی محمد امین ساکن چک پوری ضلع گجرات
- ⑨ شیخ عبدالجلیل ساکن تحصیل شاہ پور

مولوی حفیظ ماہی صاحب

۱۰

سید محمد شاہ صاحب غازی ساکن کٹاواڑہ علاقہ بوبک خیل خراسان

۱۱

سید اکرام شاہ ساکن سلہو کے علاقہ رسول نگر

۱۲

سید نو بہار شاہ ساکن بنجر ضلع ڈیرہ غازی خان

۱۳

سید حسن شاہ ساکن بنجر ضلع ڈیرہ غازی خان

۱۴

سید صالح شاہ صاحب ساکن سلطان پور ضلع جھنگ

۱۵

میاں پیر بخش قریشی ساکن خواجہ آباد میاں والی

۱۶

سید جندوڈا شاہ صاحب ساکن عیسیٰ خیل میاں والی

۱۷

میاں علی حیدر صاحب ساکن خاص میاں والی

۱۸

مولوی سلطان محمود صاحب ناٹوالہ ساکن چیمبر تحصیل خوشاب

۱۹

مولوی احمد الدین صاحب صوفی ساکن کلور ضلع میاں والی

۲۰

ملا خوشنود صاحب یوسف زئی ساکن کابل

۲۱

سید حیات شاہ صاحب نارگ والہ

۲۲

مولوی غلام محمد صاحب ساکن لالہ پٹی تحصیل خوشاب

۲۳

سید رتم علی شاہ ساکن علاقہ پنچہ کشمیر

۲۴

سید محمد سعید شاہ صاحب ساکن بہر تہہ متصل شہر لاہور نصف مرآۃ العاشقین

۲۵

سید مبارک شاہ چھانا آبادی علاقہ راولپنڈی

۲۶

سید گلاب شاہ صاحب اورنگ آبادی ضلع کیمیل پور

۲۷

سید غلام شاہ ساکن بہرن پور ضلع جہلم

۲۸

سید شاہ الخیش ساکن حاجی پور ضلع ڈیرہ غازی خان

۲۹

سید شاہ خدائش صاحب ساکن بنجر ضلع ڈیرہ غازی خان

۳۰

مولوی علی محمد صاحب ساکن کوٹ کالا ضلع شاہ پور

۳۱

مولوی فتح محمد صاحب ساکن سلہیانہ ضلع جھنگ

۳۲

(۳۲) حافظ صاحب سموکے والد علی کیمیل پور
(۳۳) سید فیض شاہ ساکن جہانپ علاقہ جھنگ
(۳۴) میاں محمد طیب ساکن بلبل پٹری معروف بہ جانندھری

پیرتید غلام حیدر علی شاہ جلال پوریؒ
دریائے جہلم سے پار ہونے کے بعد ایک
کوہستانی سلسلہ شروع ہوتا ہے یہیں
پہاڑوں کے دامن میں جلال پور واقع ہے۔ ایک طرف دریائے جہلم موجیں مار رہا ہے دوسری
طرف سبزہ زار کیف افزائے نظر بنا ہوا ہے تیسری طرف وادیوں کا شکم سلسلہ حجازی
وادیوں کی یاد دلاتا ہے۔ جلال پور کے اس جنت نظیر خطہ میں خواجہ سیالوی کے ایک غریزہ
خلیفہ سید غلام حیدر علی شاہؒ نے ایسی عظیم شان خانقاہ قائم کی کہ تمام فضائیں روح پرور
نغمات سے گونج اٹھیں۔

پیر سید حیدر شاہ صاحب کی ولادت باسعادت ۳ صفر ۱۲۵۳ھ مطابق ۲۴
اپریل ۱۸۳۷ء کو ہوئی تھی۔ دسویں پشت میں ان کا سلسلہ نسب حضرت مخدوم جہانیاںؒ
سے جا ملتا ہے۔ پیر سید حیدر شاہ صاحب کے والد ماجد سید جمیعہ شاہ نہایت عابد،
منکسر المزاج اور متوکل بزرگ تھے۔ والدہ ماجدہ سجادہ یکم موضع کھیوہ ضلع گجرات (پنجاب)
سے ایک مشہور بزرگ سید غلام شاہ کی صاحبزادی تھیں۔ پیر حیدر شاہ صاحب کی تعلیم و تربیت
میں ان کا خاص حصہ تھا۔ وہ بڑی عبادت گزار اور صالحہ خاتون تھیں۔ گوافلاس
کی زندگی بسر کرتی تھیں لیکن توکل کی دولت سے مالا مال تھیں کبھی کسی کا سوال رد
نہ کرتی تھیں ماں کے زہد و تقدس نے بیٹے کے ہر ہر گوریش کو مٹا کر کیا شاہ حسنؒ
خود فرمایا کرتے تھے کہ ہماری والدہ بابا فرید گنج شکرؒ کی والدہ کی مانند تھیں۔ جنھوں نے
ابتدائی ہی سے اپنے بچے کو نماز روزہ کا پابند بنادیا تھا۔ وہ شاہ صاحب کو رات کو
سوئے سے جگا دیتی تھیں۔ ۵۰ سال کی عمر میں شاہ صاحب میں ارکان دین کی پابندی
اس قدر تھی کہ جیٹھ اور سارا دھ کی گرمی میں انھوں نے روزے رکھے۔

جب شاہ صاحب نے ہوش سنبھالا تو ان کو میاں خان محمد اعظم پوری کے زیر تعلیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یا کل اکل بٹ اکل و منک اکل و ایت اکل صلی علی نبیک و آلک
و الطہیر الا تم لا سمحہ الا عظم اما بعد پس بر فائید کہ مسطورہ بین اوراق
بمنزلہ رقعہ ایت کہ از پیران خرقہ پوش سرپا ہوش باین گدا سیدہ
و بتاریخت با یکدیگر دوختہ مرقعی برائی پوشش ماسوا الحی از ہریت
یذا ابن مجموعہ مرقعی نام کردہ و اقسام صلوٰۃ را برابر وارد مقدم داشتہ
و ہر فائدہ را معنوں بر رقم ساختہ و چون اختصار مطلوب بقصدا بذر بعض نمونہ
نمودہ آمد مقدمہ عامل را باید کہ این شرائط مذکورہ در ذیل درج ہویدہ آید
بعد از ان عمل نماید کہ بی این بطاقت است و امید دار نتائج جہالت
امام احمد بن حنبل کہ اس رئیس اجل و موقست این شرط و ذکر فرمودہ اکل حال
و صدق مقال و حضور قلب و غور و خضر و بکا و اخلاص و سکوت و حال

تھے کہ ان کے سامنے بولنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ خط لکھا اور اس میں حضرت
نیزم لکھی، لیکن پاس ادب سے شیخ کی خدمت میں پیش نہ کر سکے۔

میں ہاں خادم تو ہے مخدوم میرا توں کو حال سب معلوم میرا
کہ وہ خادم اتنے انعام سائیں جو ہر جان فیض تراعام سائیں
کیتا دل درد تیرے پارہ پارہ جو دار و دردمیکر کا منتظارہ
نظارہ ہے کہ وہ جسدیاں میں وگرنہ جام زہروں پسندیاں میں
نظر کر دیکھ چہ زار میکر جو میں بیمار کیستہ درد تیسر
دوا کر مہر ہاں بیماریاں دا وفا کر دلبراد دلداریاں دا
میں تیسر دیکھنے کی با نوری ہوں دکھا مکھ کھول کے با نوری ہوں

مرشد ان کا اس قدر خیال کرتے تھے کہ جب وہ سیال آتے تو خود تھوڑی دور تک
استقبال کے لئے جاتے تھے۔ ایک دن شیخ عبدالحلیم خادم شیخ کی وساطت سے عرض کیا
کہ حضور کی اس قدر تعظیم و تکریم سے بہت نادام اور محجوب ہوتا ہوں اور میرے قلب پر ایک قسم
کی اضطرابی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ سوئے ادبی ہے۔ خواجہ سیالویؒ
نے جواب دیا۔ شاہ صاحبؒ ہم اپنی خوشی کے خود مختار ہیں۔ آپ اس معاملہ میں خاموش رہیں
ایک مرتبہ پیر سید حیدر شاہ علیہ السلام ہوئے۔ پیر و مرشد کو حال معلوم ہوا تو بے قرار
ہو گئے۔ روتے جاتے تھے اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کرتے جاتے تھے:

”یا ارحم الراحمین! میری ساری عمر دی ایچا
کھٹی پوکھی ہے۔ اسے برباد نہ کرنا۔“
(یعنی میری عمر بھر کی کمائی یہی ہے۔)

پیر حیدر شاہ صاحبؒ کا اخلاق نہایت وسیع تھا۔ منکسر المزاجی تو ان میں کوٹ
کوٹ کر بھری گئی تھی۔ ایک مرتبہ چند آدمیوں کے ساتھ سیال شریف کو روانہ ہوئے۔ راستہ
میں ایک جگہ پانی پینے کے لئے رکے ایک شخص جو انتہائی بد شکل اور کریمہ النظر تھا پانی پی
رہا تھا۔ اس نے بچا ہوا پانی پھینکنا چاہا۔ شاہ صاحبؒ نے ہاتھ روک کر وہ پانی خود پی لیا۔

کیا گیا۔ انھوں نے کلام پاک پڑھنا شروع کیا۔ جس کی تکمیل آپ کے چچا سید امام شاہؒ
نے کرائی۔ اس کے بعد میاں عبداللہ چکری سے فارسی اور اردو کی درسی کتابیں پڑھیں۔
پھر جلال پور سے پانچ کوس کے فاصلہ پر بمقام مین وال تشریف لے گئے اور وہاں قاضی
محمد کامل سے کتب فقہ کا درس لیا۔ مفتی غلام محی الدین صاحب سے، جو علمی اعتبار سے
گرد و نواح میں جواب نہ رکھتے تھے۔ استفادہ کیا اور کنز الدقائق ان سے پڑھی۔ اس
سے زیادہ ظاہری علم شاہ صاحبؒ نے باقاعدہ حاصل نہیں کیا۔ لیکن طبیعت کی افتاد
اور ماحول کے اثر نے ان میں وہ عالمانہ انداز پیدا کر دیا تھا جس سے بہت عالم بھی
محروم تھے۔

خواجہ سیالویؒ کی خدمت میں انھوں نے مرتع اور کھول کا درس لیا۔
پیر حیدر شاہ صاحبؒ کی عمر، اسال کی تھی کہ ان کے والد ماجد نے وصال فرمایا۔
رحلت کے وقت وصیت فرمائی کہ کسی کو خالی ہاتھ نہ جانے دینا۔ بڑوں کا ادب ہمیشہ ملحوظ
خاطر رکھنا، چھوٹوں سے محبت سے پیش آنا اور اقربا کے ساتھ صلہ رحمی کا اصول زترین
یاد رکھنا۔

شاہ صاحبؒ مرشد کی تلاش میں بہرل پور پہنچے اور وہاں سید غلام شاہ صاحبؒ
سے بیعت کرنے کی درخواست کی۔ انھوں نے سیال شریف جانے کا مشورہ دیا بلکہ ساتھ
لے گئے۔ خواجہ سیالویؒ نے جب ان کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے۔ مزاج پوچھا اور بیٹھنے کا حکم دیا۔
۱۲۴۱ھ کو ان کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ بیعت کے بعد
آپ کا یہ دستور تھا کہ ہر دسویں دن پیر کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ جب چھٹی مرتبہ
شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے خرقہ خلافت اور اجازت بیعت سے
سرفراز فرمایا۔

پیر حیدر شاہ صاحبؒ کو اپنے شیخ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ ان کا اتنا ادب کہتے

خود پسندی ان کو چھو کر بھی نہ گذری تھی۔ فطرتاً نہایت نرم دل تھے کسی شخص سے بہت زیادہ ناراض ہوتے تو صرف اتنا فرماتے۔ ”نیک بختاؤ نے یہ کیا کیا“ یہ کہنے کے بعد اس کو آزرہ نہ ہوتے دیتے۔ اور جس طرح ہوتا اسے خوش کر دیتے۔ فرمایا کرتے تھے۔

مباش در پئے آزار و ہر چہ خواہی کن

کہ در طریقت ما غیر ازیں گناہ نیست

غریبوں کی دل جوئی کی طرف خاص توجہ کرتے تھے۔ کبھی کسی کے لئے بددعا نہ کرتے تھے۔ ایک شخص مرزا خاں بے حد مخالفت کیا کرتا تھا۔ جب اس کے فتنہ و فساد کی حد نہ رہی اور لوگوں نے اس طرف رجوع کیا تو صرف اتنا فرمایا۔ دعا کرو خداوند کریم اس کے رحم کرے اور کسی ہچھے شغل میں لگا دے تاکہ اسے ہماری مخالفت کرنے کی فرصت ہی نہ ملے۔ شاہ صاحب شریعہ کے بہت پابند تھے۔ ان کے سوانح نگار کا بیان ہے آپ فقہا کی طرح محتاط اور عامل بالشرع ہوتے تھے۔

ایک دن فرمانے لگے:

”مناقب المحبوبین میں بہت سی سندوں کے ساتھ

استاد، والدین، بادشاہ اسلام اور پیر کے لئے سجدہ

تعظیم کرنا جائز ثابت کیا گیا ہے۔ لیکن طریقت

شریعت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔“

شاہ صاحب نہایت حسین و جمیل انسان تھے۔ لمبا قد، خوب صورت آنکھیں،

شانوں پر زلفیں، کلاہ چہارت کی سر پر، موسم سرما میں بانات کا کوٹ، گرمیوں میں ملل کا

کرتا، پاؤں میں پہلی طرز کا سادہ جوتا پہنے ہوئے وہ جن مجسم معلوم ہوتے تھے۔ ان کے

ملفوظات خطاٹ محبوب کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۶ھ کو شاہ صاحبؒ نے وصال فرمایا۔ علامہ اقبالؒ نے تاریخ وفات کہی ہے۔

ہر کہ بر خاک مزار پیر حیدر شاہ رفت
تربت اور امین جلوہ ہائے طور گفت
ہاتف از گردوں رسید و خاک اورا بوسہ داد
گفتش سال وفات او بگو مغفور گفت

۱۳۲۶ھ

اکبر الہ آبادی نے بھی تاریخ وفات کہی تھی۔

معرفت کی جس کو ہود و ملت نصیب پھر اُسے کیا نکد مال و جاہ ہے
حضرت مرحوم تھے مرد خدا اُن کا جو پیر وہی حق آگاہ ہے
ان کی تاریخ وصال از روئے درد
انتقال پیر حیدر شاہ ہے

خواجہ صاحبؒ کے چار صاحبزادے تھے:

- ① سید بدیع الزماں شاہ
- ② سید مظفر علی شاہ
- ③ مہر رسول شاہ
- ④ قائم الدین شاہ

۱۳۲۹ھ
سید بدیع الزماں خواجہ سیالویؒ سے بیعت تھے۔ ۲۱ سال کی عمر میں، شعبان ۱۳۲۹ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ قائم الدین شاہ، خواجہ بخش تونسویؒ سے بیعت تھے۔ ۲۱۔ جب ۱۳۱۶ھ کو ۲۱ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ رسول شاہ کا انتقال ایام شیر خوارگی میں ہو گیا تھا۔ وصال کے بعد سید محمد مظفر علی شاہؒ سجادہ نشین ہوئے۔ وہ بھی خواجہ سیالویؒ سے بیعت تھے۔ صرف مسند خلافت والد سے ملی تھی۔ ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ کو انھوں نے وصال فرمایا۔ ان کے صاحبزادے ابوالبرکات مولانا سید محمد فضل شاہ صاحب بلند اخلاق، پاک سیرت، عالم و فاضل اور وسیع النظر بزرگ تھے۔ یکم دسمبر ۱۹۳۷ء

ہر کہ بر خاک مزار پیر حیدر شاہ رفت
تربت اور امین جلوہ ہائے طور گفت

ہاتف از گردوں رسید و خاک اورا بوسہ داد
گفتش سال وفات او بگو مغفور گفت

۱۳۲۶ھ (تاریخ)

معرفت کی جس کو ہود و ملت نصیب پھر اُسے کیا نکد مال و جاہ ہے
حضرت مرحوم تھے مرد خدا اُن کا جو پیر وہی حق آگاہ ہے

تاریخ وصال از روئے درد

انتقال پیر حیدر شاہ ہے
۱۳۲۶ھ + ۱۳۲۲ھ

(اکبر الہ آبادی)

کو وصال ہوا۔

اسلامی ممالک مثلاً بیروت، دمشق، اسکندریہ، مصر، بیت المقدس کی سیاحت نے نگاہ میں وسعت اور اسلامی مسائل سے واقفیت پیدا کر دی ہے۔

خواجہ سیالویؒ کے خلفاء میں پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ

امتیازی شان رکھتے ہیں۔ انھوں نے موجودہ دور میں نہ صرف احیاء تصوف کی کوشش کی، بلکہ بہت سے عقائد باطلہ کی تردید میں بھی سرگرم رہے۔

خواجہ صاحبؒ کی پیدائش ۱۲۵۵ھ میں ہوئی۔ سلسلہ نسب ۲۴ ویں پشت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جا ملتا ہے۔ ان کی نانی حضرت مخدوم جانیانؒ

کی اولاد سے تھیں۔ خواجہ صاحبؒ کے والد ماجد سیانظیر الدین شاہؒ نے اپنے بیٹے کی ابتدائی تعلیم و تربیت نہایت ہی جگرسوزی کے ساتھ کی تھی۔ ان کے اساتذہ میں

سب سے زیادہ معروف شخصیت مفتی محمد لطف اللہ صاحبؒ کی تھی جن کے فیض تربیت سے بہت سے علماء مستفید ہوئے۔ پیر صاحبؒ نے دورہ حدیث مولانا احمد علی سہارنپوریؒ

سے مکمل کیا تھا۔ خواجہ صاحبؒ خود بہت ذہین اور باشوق تھے۔ تھوڑی ہی عمر میں علوم ظاہری سے فارغ ہو گئے اور درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ پھر حجاز چلے گئے۔ وہاں

ایک عرصہ تک رہنے کے بعد وطن واپس آئے اور اصلاح و تربیت کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ مکہ منظر میں وہ ایک دن حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی خدمت میں

حاضر تھے۔ حاجی صاحبؒ نے نہایت اصرار اور تاکید سے ہندوستان واپس جانے کا مشورہ دیا۔ اور فرمایا:

در ہندوستان عنقریب یک فتنہ ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ

۱۔ ملاحظہ ہو، استاذ العلماء از نواب صدریہ جنگ (علی گڑھ ۱۳۲۵ھ) ص ۴۹؛ نیز مولانا

بدر الدین علوی کا مضمون معارف اکبر ۱۳۵۵ھ ص ۲۵۳-۲۵۲۔

ظہور کند، شمار در ملک خود واپس نمودار ہوگا۔ تم ضرور اپنے وطن واپس
بروید، و اگر بالفرض شمار دہند چلے جاؤ۔ اگر بالفرض تم ہندوستان
خاموش نشستمہ باشد تا ہم آں میں خاموش بھی بیٹھ رہے تو وہ
فتنہ ترقی نہ کند و در ملک آرام فتنہ ترقی نہ کرے گا اور ملک میں سکون
ظاہر شود۔ ۱۔ رہے گا۔

خواجہ صاحبؒ، حاجی صاحبؒ کے اس کشف کو فتنہ قادیانی سے تعبیر فرمایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان کو اس فتنہ کی مخالفت کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ خواجہ صاحبؒ نے اپنی زبان اور اپنے قلم دونوں سے قادیانیوں کے عقائد باطلہ کی پر زور تردید کی۔ زندقہ قادیانیت میں ان کی تصنیف ”سیف چشتیانی“ معروف ہے۔ ۳۔

خواجہ صاحبؒ بڑے متبحر عالم تھے۔ ان کی تصانیف میں اعلیٰ کلمات اللہ فی بیان ما اھل بہایغیر اللہ، تحقیق الحق فی کلمات الحق خاص طور پر قابل مطالعہ ہیں۔ ان کے ملفوظات ان کی بلندی فکر اور وسعت معلومات کے بہترین آئینہ دار ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے خاص عقیدت رکھتے تھے، فرمایا کرتے تھے:

”کمالات شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی مرحوم

بحد غایت کمال رسیدہ اند، در علم ظاہر و باطن نظیر

خود خود گذشتہ اند“۔ ۴۔

۱۔ ملفوظات طیبہ، ص ۱۳۹ ۲۔ ملفوظات ص ۲۱ - ۱۳۹

۳۔ مرزا قادیانی نے آپ کی تصنیف شمس الہوا میں فی اثبات حیات المسیح سے برا فروخت ہو کر دعوت مناظرہ دی تھی۔ آپ (اگرست مسئلہ میں) الما جو پہونچ گئے

لیکن مخالف جماعت سے کوئی نہ آیا۔

۴۔ ملفوظات - ص ۴۲

حضرات صوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے کبھی حقیقت زمان پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں مولوی سید انور شاہ مرحوم و مغفور نے مجھے عراقی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا اس کا نام تھا درایت الزماں۔ جناب کو ضرور اس کا علم ہوگا میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے۔ مگر چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے اس لئے قریشی کی ضرورت ہے۔

میں نے سنا ہے کہ جناب نے درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرمادیا ہے۔ اس لئے مجھے یہ عرض لکھنے میں تامل تھا۔ لیکن چونکہ مقصود خدمت اسلام ہے، مجھے یقین ہے کہ اس تصدیق کے لئے جناب معاف فرمائیں گے اور جواب با صواب سے ممنون فرمائیں گے باقی التماس دعا۔

فخلص

محرم اقبال

غیر شرعی رسوم سے خواجہ صاحب کو بڑی نفرت تھی۔ ان کے ملفوظات میں جگہ جگہ اتباع سنت نبوی کی تلقین ہے اور بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے لئے شریعت نبوی کے اتباع سے بڑھ کر کوئی فخر نہیں ہو سکتا۔

خواجہ صاحب کو شعر و سخن سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ لیکن پھر بھی شعر خوب کہہ لیتے تھے۔ ان کی ایک فارسی غزل ملاحظہ ہو:

کشدونافہ مشکیں بر روی و اہل نیاز
صبا زہر مشرب نگ مہوش طناز
کجا ایں غالب عطری و قصہ ہائے دراز
کیم گدائے در فلسی کوتاہ دست
چگونہ شکر تو گوید کینہ بندہ نواز
توی کہ در ہفت اہا آسمان دی
عرض آدا نیاز است نہ حاجت نیست
کمال حشمت محمود را عجب زیار

شیخ اکبر کے نظریہ وحدت وجود پر جو عبور ان کو حاصل تھا اس کی اس صلی میں نظیر نہیں ملتی۔ فصوص الحکم کا باقاعدہ درس دیتے تھے اور اس کے اسرار و رموز کو خوب سمجھتے تھے۔ علامہ اقبال نے ایک مرتبہ شیخ اکبر کے فلسفہ کے متعلق ان کو ایک خط لکھا تھا جس میں ان سے عقیدت و ارادت کا اظہار اس طرح کیا تھا۔

لاہور۔ ۸ اگست ۱۹۳۳ء

مخدوم و محرم حضرت قبلہ۔ السلام علیکم

اگرچہ زیارت اور استفادہ کا شوق ایک مدت سے ہے۔ تاہم اس سے پہلے شرف نیاز حاصل نہیں ہوا۔ اب اس محرومی کی تلافی اس طریقہ سے کرتا ہوں گو مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہوگی۔ بہر حال جناب کی وسعت اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرات کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لئے کھٹکھٹایا جا میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے ادشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی اب پھر ادھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے نظر بایں حال چند امور دریافت طلب ہیں۔ جناب کے اخلاق کریمانہ سے بعید نہ ہوگا اگر ان سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے۔

اول یہ کہ حضرت شیخ اکبر نے تعلیم حقیقت زمان کے متعلق کیا کہا ہے اور ائمہ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے۔

تعلیم شیخ اکبر کی کون کون سی کتب میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں۔ اس سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوال اول کے جواب کی روشنی میں خود بھی ان مقامات کا مطالعہ کر سکوں۔

نظام المشائخ" قائم کیا اور تصوف کے افکار و نظریات کو مذہبی حلقوں میں شناس کرایا۔ ۱۹۳۲ء میں شاہ محمد سلیمان پھلپوارویؒ سے "مدرسہ تعلیم تصوف" قائم کرنے کے منصوبہ پر گفتگو کی۔ اگر خواجہ صاحب علم و ادب، سماج اور صحافت کے سب کاموں سے علیحدہ ہو کر اپنی ساری صلاحیتیں اور وقت، صرف مشائخ متقدمین کی تعلیم کی نشر و اشاعت اور صوفی اداروں کی تشکیل جدید کی طرف منتقل کر دیتے تو تصوف کی تحریک کو بہت فائدہ پہنچتا۔ لیکن اس زمانہ کے حالات کچھ ایسے تھے کہ خواجہ صاحب کو سب ہی طرف توجہ کرنی پڑتی تھی، اور حقیقت یہ ہے کہ مدتوں تک صورت یہ رہی کہ جس دینی، سماجی یا ادبی کام میں خواجہ صاحب کی شرکت نہ ہوتی اس کام میں جان نہ پیدا ہوتی تھی۔ اور وہ اپنی ذات سے ایک انجن بن گئے تھے۔

خواجہ صاحب کی نگاہ و نظر میں غیر معمولی وسعت تھی جس کا اندازہ صرف اُن سے مل کر ہو سکتا تھا۔ انھوں نے مصر، شام، حجاز کا سفر کیا تھا اور اسلامی دنیا کے حالات سے براہ راست واقفیت حاصل کی تھی۔ ہندوستان کا تو شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جہاں وہ نہ پہنچے ہوں۔ اس وسیع تجربے نے اُن کے افکار میں توانائی اور جدت پیدا کر دی تھی۔ ان کے سوچنے کا انداز نرالا تھا اور کام کرنے کا طریقہ انتہائی موثر۔ اُن کے مریدین کا حلقہ بہت وسیع تھا اور ہندوستان کے باہر بھی پھیلا ہوا تھا۔ انھوں نے بہت سے اصلاحی اور تبلیغی کاموں کو بڑے موثر انداز میں اٹھایا تھا۔ مریدوں کے تربیتی مرکز، تبلیغی کام کے لئے انجمنیں، مدارس، اسکول اور حلقے ہر طرف انھوں نے توجہ کی۔

خواجہ جن ثنائی نظامی کا بیان ہے: "ایک دلچسپ بات مجھے حضرت مولانا محمد رفیع مرحوم نے بتائی تھی کہ ان کے والد حضرت مولانا الیاس علیہ الرحمۃ کا ارادہ اپنی تبلیغی سرگرمی کے لئے بستی حضرت نظام الدین کو مرکز بنانے کا نہ تھا۔ اس کے لئے والد ہی حضرت خواجہ حسن نظامیؒ نے انھیں مجبور کیا جو ان کے والد حضرت مولانا اعلیٰؒ اور بڑے بھائی حضرت

رہن ساقی چشم کہ جرعہ کچشانہ زجام چہرہ ترکاں ہوشان حجاز
یہ بزم بادہ فردشاں بنیم چونہ خرد متاع زاہد طلع چہچ و صوم و نماز
مرا زیر مغال را زہائے سربستہ است فنان زواعظ خودیں کجا است مجسم راز
اگرچہ حسن تواز ہر غیر مستغنی است
من آں نیم کہ از ایمان خویش آیم باز

پیر صاحب نے ۸۱ سال کی عمر میں ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۷ء کو رحلت فرمائی۔ آپ کے مریدین میں قاری عبدالرحمن کی الہ آبادی اور خواجہ حسن نظامی دہلویؒ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

خواجہ حسن نظامیؒ خواجہ حسن نظامیؒ کو ان کے والد نے کم عمری میں خواجہ الکبیرؒ کی توسویؒ کا مرید کر دیا تھا۔ اُن کے وصال کے بعد بڑے بھائی نے خواجہ غلام فریدؒ کا مرید کر دیا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد وہ پیر مر علی شاہ صفا کے دامن تربیت سے وابستہ ہو گئے۔

خواجہ صاحب کی شخصیت بڑی ہمہ جہت، دلکش اور دل فواز تھی۔ انھوں نے انشا، صحافت اور ادب کے میدان میں وہ مہتمم بالشان کارنامے انجام دیے جن کے باعث ان کو شہرت دوام حاصل ہے۔ وہ اردو زبان کے مجدد تھے۔ ان کی زبان قلمی کی زبان تھی۔ صاف، استعری، شیریں اور پرتاثر۔ انھوں نے کثیر تعداد میں مختلف موضوعات پر کتابیں اور رسالے لکھے تھے۔ دلی مرحوم کی تہذیب پر ان کا کام انتہائی قابل قدر ہے۔ انھوں نے اپنے "روزنامہ" کے ذریعہ مریدوں اور متسلکین کے وسیع حلقے کو متاثر کیا۔ حالات مشائخ میں خواجہ صاحب کی سب سے گراں قدر کتاب "نظامی ہنسری" ہے۔ اس میں حضرت محبوب الہیؒ کی زندگی اور تعلیم کی ایسی موثر تصویر کشی کی ہے کہ قرون وسطیٰ کا ماحول آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

خواجہ صاحب نے تصوف کی تحریک کو بڑھانے اور پشت پیہ سلسلہ کا دائرہ اثر و نفوذ وسیع کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کی تھی۔ ۱۹۱۹ء میں انھوں نے "حلقہ

اپنے معاصر صوفی حلقوں میں انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ روزی اپنی مشقت اور محنت سے حاصل کرنی چاہئے۔ وہ اکل حلال کی اپنے مریدین کو پیہم تلقین کرتے تھے۔ درگاہ محبوب الہی میں ان کی ذات کو ایک امتیازی شان حاصل تھی۔ خواجہ صاحب نے ۱۳۴۲ھ کو وصال فرمایا کسی نے تاریخ کہی ہے:

”آہ بجھا چسراغ علم و ادب“

۱۳۴۲ھ

باب دوازدہم

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ

نصف صدی کی اصلاحی اور تبلیغی جدوجہد کے بعد جب آفتاب تونسوی غروب ہونے لگا تو خواجہ اللہ بخش نبیرہ شیعہ نے قدموں میں سر رکھ کر عرض کیا:

بابو! من از تو پیچ چیز دیگر نمی خواہم

پس ہمیں می خواہم کہ متعلین فقیران ترا

راست کنم

یہ جملہ سن کر شیخ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ فرمایا: ونفخت فیہ من روحی، اور جان و جان آفریں کے سپرد کر دی۔ شاہ غلام نظام الدین صاحب فرزند کائے صاحب نے خواجہ اللہ بخش کے سر پر دستار باندھ کر ان کو سجادہ مشیخت پر بٹھادیا۔ خواجہ اللہ بخش مدت العمر اپنے دادا کی طرح روحانی اصلاح و تربیت کے کام میں سرگرم رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی میں چشتیہ سلسلہ کی رونق ان ہی کے دم سے تھی۔ وہ علم و عمل، لطف و کرم، زہد و اتقا کا مجسم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دل و دماغ کی بڑی خوبیوں سے نوازا تھا اور انھوں نے ان صلاحیتوں کو دم واپس تک سلسلہ کی نشرو اشاعت

خواجہ صاحب کے جانشین ان کے صاحبزادے خواجہ حسن ثانی نظامی ہیں۔ ان کو باپ کی بہت سی خوبیاں ورثہ میں ملی ہیں۔ اور مستقبل کی بہت سی توقعات ان کی ذمہ سے وابستہ ہیں۔ ان کی شخصیت میں دل نوازی بھی ہے اور نگاہ و نظر کی تابندگی بھی۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: ”میں نے خاص اہتمام اس بات کا کرایا ہے کہ تمام اختلافی چیزیں ترک کر دی جائیں اور بنیادی باتوں پر زور دیا جائے“ موجودہ دور میں اس نوع کے فیصلوں کی اشد ضرورت ہے۔

خانقاہ گولڑہ تصوف گہرا تعلق اور علم و ادب کا سچا ذوق خانوادہ پیر مہر علی شاہ کی ہمیشہ خصوصیت رہی۔ ان کے فرزند سید غلام محی الدین المعروف بقبیلہ بابو جیؒ استوفی ۱۹۴۲ء ہمیشہ اپنے مرشد کی خانقاہی روایات کی پاسداری کرتے تھے۔ اور اعلیٰ علمی ذوق رکھتے تھے۔ ان کے صاحبزادے سید غلام معین الدین شاہ گیلانی مشتاق بھی شاعرانہ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ مثنوی سر توحید ان کے صوفیانہ افکار کی ترجمان ہے۔ ان کے صاحبزادے میاں غلام نصیر الدین نصیر جوان سال ہیں لیکن نچھٹا ادبی ذوق رکھتے ہیں۔ درس نظامی کے فارغ التحصیل اور فن قرأت تجوید کے ماہر ہیں ان کی فارسی ربا حقانہ آغوش حیرت کے نام سے شائع ہوئی ہیں اور ان کے شاعرانہ کمال کی آئینہ دار ہیں۔ خانقاہ گولڑہ کی اس آواز میں کتنا درد اور کیسی حسرت ہے۔

عروج فکراسانی کجاشد
نمی بنیم بد لبہا گرجی عشق
سرور ذوق ایمانی کجاشد
مسلماناں! مسلمانی کجاشد

میں استعمال کیا۔ غلام حسین نے ان کے متعلق یہ کہا ہے۔
روشن از مہر جانش برنج دین
آفتاب آسمان خنجر زمین

خواجہ اللہ بخشؒ ۱۲۳۶ھ کو تونسہ میں پیدا ہوئے تھے۔ مولوی محمد صالح
نے تاریخ کہی ہے وہ بیدار بخت۔

جب تعلیم حاصل کرنے کی عمر ہوئی تو خواجہ تونسویؒ نے مولوی محمد امین کے سپرد
کر دیا۔ مولوی صاحب صاحب کمال عالم تھے۔ انھوں نے قرآن پاک کے علاوہ،
فارسی نظم اور عربی صرف و نحو کی بھی تعلیم دی۔ پھر حدیث کا درس دیا۔ جب اس کی ترویج
ہو گئے تو داد دینے والے سلوک و معرفت کی تعلیم کے لئے خود اپنے پاس بلا لیا۔

ابتدائی زمانہ میں خواجہ اللہ بخشؒ نہایت شان و شوکت کی زندگی بسر کرتے
تھے، اچھے لباس کا شوق تھا۔ اچھی اچھی گھوڑیاں سواری میں رکھتے تھے۔ جب بڑے
ہوئے تو ان سب چیزوں سے منہ پھیر لیا اور نہایت سادہ زندگی بسر کرنے لگے۔

خواجہ تونسویؒ نے نماز و روزے کا پابند تو بچپن ہی سے بنادیا تھا۔ عمر کے ساتھ
ساتھ عبادت و ریاضت کی طرف بھی دلچسپی بڑھتی گئی۔ مناقبہ محبوبین میں جی کرم الدین
صاحبؒ لکھتے ہیں کہ صاحبؒ ۱۲۴۰ھ میں اکثر ہماری کوٹھڑی میں آکر کہا کرتے تھے: حاجی
صاحبؒ ہمارے لئے دعا کرو! خواجہ تونسویؒ ان کے دینی جذبے سے بے حد خوش
ہوتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی زندگی ہی میں دلائل الخیرات عطا فرما کر کہا۔ اب
مجھ سے یہ نہیں پڑھی جاتی اب تم پڑھا کرو اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ شجروں پر
میری طرف سے تم ہی دستخط کر دیا کرو۔ خواجہ اللہ بخشؒ نے اس ہدایت پر یہاں تک
عمل کیا کہ خواجہ تونسویؒ کے وصال کے بعد بھی ان ہی کا نام شجروں میں لکھتے رہے۔
خاکسار کے جہاد محمد مولوی فرید احمد صاحب مرحوم کے شجرہ پر تحریر فرماتے ہیں:

”الہی بکرت و غربت خاکراہ در دمنان
سیلان عاقبت شیخ فرید بخش بھر گرداں“

۱۲۳۶ھ خواجہ تونسویؒ نے سجادہ پر بیٹھنے کے بعد خواجہ اللہ بخشؒ
ہندوستان کا سفر
نے ہندوستان کا سفر کیا اور شاخ سلسلہ کے مزارات پر
حاضر ہوئے۔ بیکانیر کی ایک مسجد میں تین چار دن تک قیام کیا اور کثیر تعداد میں لوگوں
کو داخل سلسلہ کیا۔ نئے مریدوں کو ہدایت کی کہ نماز و روزے کی پابندی کریں۔ راجہ
سردار سنگھ والی بیکانیر نے حاضر خدمت ہونا چاہا فرمایا:

”با فقیریم از ملاقات مایاں تیراچہ“

سو دوست دریں جا نیائی“

جب خواجہ صاحبؒ دہلی پہنچے تو بہادر شاہ ظفر نے خدمت میں حاضر ہونا چاہا خواجہ
صاحبؒ، حضرت چرغ دہلیؒ کی درگاہ میں مقیم تھے۔ بہادر شاہ ملاقات کے لئے آئے
تو وہ دوسرے دروازے سے نکل کر جنگل کی طرف چلے گئے۔ بہت منت سماج کے
بعد واپس آئے۔ بہادر شاہ نے شرف قدم بوسی حاصل کیا۔ اگلے دن خواجہ صاحبؒ
شاہ جہاں آباد تشریف لائے۔ وہاں امرا اور درباریوں نے کثیر تعداد میں اظہار عقیدہ
کیا۔ محلات کی نگین مرید ہوئیں۔ بہادر شاہ نے بھی نذر پیش کی۔

خواجہ اللہ بخشؒ کو تعمیر مکانات کا بڑا شوق تھا۔ خاتم سلیمانی کے
تعمیر کا شوق
مصنف کا اندازہ ہے کہ ان کی بنوائی ہوئی عمارات تقریباً نصف

حصہ شجر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ فارس نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے:

”ان میں خواجہ اللہ بخشؒ میں انتظام و تعمیر کے کام
کی بڑی لیاقت تھی۔ انھوں نے لنگر خانے و سرائے و مکانات
وغیرہ وغیرہ بنائے۔ جب کہ ان کے دادا کے پرانے خلفاء
کا انتقال ہو گیا تو انھوں نے کچھ مکانات کو گرا دیا اور
فراخ آستانہ درگاہ و مسجد میں بنائے اور ان کے ارد گرد
پختہ ایٹھوں کے مدرسے اور درویشوں اور مولویوں
کی رہائش کے لئے مکانات بنائے“

ہندو کثیر تعداد میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ان کے اخلاق سے متاثر ہوتے تھے۔ ایک ہندو آپ کی صحبت سے اس قدر متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا اور آپ کی خدمت کرنے لگا۔ آپ نے اس کا نام غلام رسول رکھا۔ اس کے متعلق مصنف خاتم سلیمانی کا بیان ہے کہ وہ زہد و اتقا میں صوفیہ وقت سے سبقت لے گیا تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد خواجہ صاحب نے اس کو اسلامی تعلیم دی۔ چھوٹے ہی عرصہ میں اس نے تفسیر احمدیہ اور فقہ میں مہارت پیدا کر لی۔ حج بیت اللہ کے لئے گیا۔ واپسی پر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور خواجہ صاحب کی خانقاہ میں بیٹھ کر دیگر اعلیٰ مریدین و خلفاء کی طرح درس میں مشغول رہنے لگا۔ لے

اصلاحی کوششیں خواجہ صاحب نے مسلمانوں کے ہر طبقہ کی اصلاح و تربیت کی طرف توجہ کی۔ ان کے ملفوظات و حالات میں متعدد واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ طبقہ علماء کی اصلاح پر خاص زور دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ علماء کی اصلاح سے مسلم سوسائٹی کا بڑا طبقہ خود بخود صحیح راہ پر آجائے گا۔ ایک مرتبہ ایک مسئلہ پر مختلف علماء نے مختلف فتوے دیے اور گروہ بندی کے زیر اثر شریعت کو سبک کرنے کی کوشش کی۔ خواجہ صاحب کو علم ہوا تو بھری مجلس میں ان علماء کی مذمت کی۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اس وقت اپنے عقائد کی ترویج شروع کی اور اکثر علماء کو مباحثہ کی دعوت دی۔ خواجہ صاحب نے اپنی جگہ بیٹھ کر نہایت سمجھتی کے ساتھ ان فتووں کی تردید کی اور کوشش کی کہ مسلمانوں کا مذہبی احساس اور وجدان ان گمراہ تحریکوں سے متاثر نہ ہو۔ لے

سفر حج خواجہ اللہ بخشؒ نے ۱۲۹۹ھ میں نہایت اہتمام کے ساتھ حج کیا تھا۔ تقریباً پچیس درویش اور دوسرے بزرگ رفیق سفر تھے۔ اس سفر کے حالات خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے ملفوظات مرآت العاشقین میں درج ہیں۔ لے

ان عمارات میں زیادہ تر مساجد، مدرسے، سکویں اور سرائیں تھیں اور ان کی تعمیر سے خواجہ صاحب کا مقصد منسلکین خاندانہ اور دیگر زائرین کی سہولت کا سامان ہیا کرنا تھا۔ لے

اخلاق خواجہ اللہ بخشؒ کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔ انوار العارفین کے معاصر مصنف نے لکھا ہے:

دریں زمانہ نیرۃ ایشیائے خواجہ محمد سلیمان امیاں اللہ بخشؒ مسند ارشاد نشستہ انداطالبان ارشاد می کنند و از آئندگان دروندگان آنجا معلوم گردید کہ کریم النفس و خوش اخلاق اند۔ لے

خواجہ دشمن ہو یا دوست، جو ان سے ملتا ان کے اخلاق کا گہرا نقش دل پر لے کر اٹھتا ہے ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے۔ غریبوں اور بے کسوں کی طرف خصوصیت سے توجہ فرماتے۔ پیر مر علی شاہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ اپنی مجلس میں فرمایا:

در نظر خواجہ اللہ بخش صاحب اہل دنیا را بمقدار یک ذرہ ہم وقعت و قدر نبود و بسیار غریب و ناز و ناز دنیا داران را بسیار حقیر و بے مقدار دانند و انہدہ ہموں خواجہ اللہ بخش صاحبؒ پچ فقیر دیدہ و شنیدہ نشد۔ لے

خواجہ اللہ بخش صاحبؒ کی نظر میں دنیا کی ذرہ برابر بھی وقعت اور قدر نہ تھی وہ بے حد غریب و ناز تھے دنیا داروں کو بہت حقیر اور بے مقدار سمجھتے تھے اور اس معاملہ میں خواجہ اللہ بخش صاحبؒ کے برابر کوئی فقیر دیکھا یا سنا نہیں گیا۔ لے

خواجہ صاحب کے خاندان کی ایک غیر معمولی خصوصیت یہ بھی کہ اس میں حفظ قرآن کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔ چنانچہ ان کے تینوں بیٹے حافظ تھے۔ بعد کو بھی اس روایت کو قائم رکھنے کا اہتمام کیا جاتا رہا۔

خواجہ الشہ کبش نے ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۳ ستمبر ۱۹۰۱ء کو وصال فرمایا۔ تاریخ ہے۔

چراغِ جہان بجھ گیا ہے

۱۳۱۹ھ

اولاد | خواجہ صاحب کے تین فرزند تھے۔

- | | |
|---|-----------------|
| ① | حافظ محمد موسیٰ |
| ② | حافظ احمد |
| ③ | حافظ محمود |

حافظ احمد کا انتقال خواجہ صاحب کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ ان کی موت عین جوانی میں ہوئی تھی۔ خواجہ صاحب اس صدمہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ فرمایا کرتے تھے "احمد نے مجھے جیے کا نہیں چھوڑا"

خواجہ الشہ کبش کے سجادہ پر ان کے بیٹے حافظ محمد موسیٰ بیٹھے۔ وہ نہایت کم گو منکسر مزاج بزرگ تھے۔ ۱۳۲۳ھ کو وصال فرمایا۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے محمد حامد مسند نشین ہوئے۔ ان کے زمانہ میں خانقہ لنگر کے لئے برف کا کارخانہ اور ٹاپسین کی مشین لگوائی گئی۔ ۲۳ رزی الحجہ ۱۳۵۱ھ کو وصال فرمایا۔ ان کے بعد حافظ سدید الدین صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ وہ بڑی خوبوں کے مالک تھے۔ حالات حاضرہ سے باخبر اور اصلاحی کاموں میں منہک۔ خاکسار مصنف نے جب تاریخ مشائخ چشت کی ترتیب کا کام شروع کیا تو انھوں نے غیر معمولی ہمت افزائی کی۔ ۱۳ شوال ۱۳۵۹ھ مطابق اپریل ۱۹۷۷ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ چونکہ اولاد تھی اس لئے حقیقی بھائی خواجہ خان محمد صاحب سجادہ نشین قرار پائے۔ وہ مسلک مشائخ کے پابند اور دینی کاموں میں دلچسپی

لینے والے بزرگ تھے۔ ۳۴ مئی ۱۹۷۹ء کو انتقال فرمایا اور ان کے صاحبزادے خواجہ عطار اللہ صاحب مسند سلیمانہ پر بٹھائے گئے۔

خواجہ الشہ کبش کے دوسرے بیٹے حافظ محمد محمود بڑے عالم فاضل بزرگ تھے۔ عربی، فارسی، اردو، پشتو، بلوچی وغیرہ زبانوں پر مہارت تامہ رکھتے تھے۔ مثنوی کا درس خاص انداز میں دیتے تھے۔ حافظ صاحب نے ۵ رزی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو وصال فرمایا۔ ان کے جانشین خواجہ حافظ نظام الدین صاحب ہوئے۔ ان سے سلسلہ نظامیہ کا فیض پھیلا۔ وہ زہد و تقویٰ میں مشہور اور سلسلہ کی روایات پر سختی سے عامل تھے۔

خلفاء | خواجہ الشہ کبش کے خلفاء میں مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

- | | |
|---|-----------------------------------|
| ① | حافظ محمد موسیٰ |
| ② | حافظ محمود |
| ③ | شاہ محمد عبدالصمد فخری دہلوی |
| ④ | سید احمد شاہ عرف کبیل پوش دہلوی |
| ⑤ | امیر احمد بساوی |
| ⑥ | میاں حافظ حبیب اللہ عرف حافظ بولا |
| ⑦ | مولوی احمد خاں میروی |
| ⑧ | مولوی شرف الدین فیروز پوری |
| ⑨ | خلیفہ غلام حسن خاں |
| ⑩ | مولوی جان محمد |

خواجہ الشہ کبش تونسوی کے مریدین میں مولانا غلام احمد میریاں نے خاص طور پر تصوف کی خدمت انجام دی۔ ان کو تصوف سے بے حد دلچسپی تھی۔ بزرگوں کے حالات اور ملفوظات کی اشاعت میں جو کوشش انھوں نے کی، اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ ملفوظات خواجگان چشت، "قوائد الفواد، خیر المجالس، کشکول، اخبار الاخبار، اصول السماع وغیرہ کتابوں کو انھوں نے ترجمہ کر کے اپنے مسلم پریس دہلی سے شائع کیا۔ اور

اس طرح بہت سی ایسی کتابوں کو محفوظ کر دیا جو اگر اس وقت طبع نہ ہوتیں، تو ضائع ہو جاتیں۔

خواجہ اللہ بخش تونسوی کے خلفاء میں خواجہ محمد اکبر بصیر پوریؒ بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہ

۹ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۲ء کو بصیر پور ضلع ساہیوال (پاکستان) میں پیدا ہوئے تھے۔ تعلیم مکھنوی میں مولانا عبدالحقؒ اور کانپور میں مولانا احمد حسنؒ سے حاصل کی اور علی گڑھ میں استاد العلماء مولانا لطف اللہؒ سے بھی فیض حاصل کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد بصیر پور میں ایک مدرسہ قائم کیا اور درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ مثنوی کا درس بڑے ذوق شوق سے دیتے تھے۔ عشق الہی اور عشق رسولؐ دونوں سے بہرہ باب تھے۔ ان کے تصنیف کئے ہوئے چودہ رسائل کے نام صاحبزادہ معین الحق نے ذکر اکبر میں درج کئے ہیں۔ تحفۃ النبی، تحفۃ محمدی، ثمرۃ الحیات، القول السدید فی اثبات تقلید وغیرہ۔ مریدین کی تعداد کافی تھی، درس اور تقریر میں بڑی دل کشی تھی۔ اتباع شریعت کا اتنا اہتمام تھا کہ بصیر پور کے جاگیرداروں شہامد خاں، مہمند خاں، جہانگیر خاں کی نذر اس بنا پر قبول نہ فرمائی کہ انھوں نے اپنے مال پر زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی۔ ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۶ء کو وصال فرمایا۔ چونکہ لا ولد تھے اس لئے چچا زاد بھائی خواجہ محمد سعد اللہ سجادہ نشین ہوئے۔ وہ بھی خواجہ اللہ بخشؒ سے سیدت تھے۔ ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۶ء کو ان کا انتقال ہوا۔ اب ان کے بیٹے خواجہ محمد طہور اللہ سجادہ نشین ہیں اور بزرگوں کی روایات کو قائم رکھنے میں کوشاں ہیں۔ ان کے صاحبزادہ محمد معین الحق سعادت مند ہیں اور احوال بزرگان سے دل چسپی رکھتے ہیں۔

خواجہ اللہ بخش تونسوی کے مریدین میں ایک مولوی عبدالحق خیر آبادیؒ نہایت معروف شخصیت مولوی عبدالحق خیر آبادیؒ

ذکر اکبر مرتبہ محمد معین الحق، بصیر پور، ۱۹۸۲ء

کی تھی، خیر آبادی میں سلسلہ سلیمانہ حافظ محمد علی خیر آبادی کے ذریعہ پھیلا تھا۔ مولوی عبدالحق کے والد ماجد مولانا فضل حقؒ ان کے درس میں شریک ہوئے تھے اور شیخ اکبرؒ کی فصوص الحکم کا درس لیا تھا۔ لیکن حافظ صاحب ان کی معقولات میں دلچسپی اور فلسفہ میں انہماک کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔

مولوی عبدالحق نے اپنے والد ماجد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا۔ اور علوم عقلیہ میں غیر معمولی استعداد پیدا کر لی تھی۔ ۱۲۵۴ھ میں باپ کے ساتھ دہلی تھے، اس وقت ان کی تقریباً ۳۰ سال تھی۔ (سنہ پیدائش ۱۲۲۴ھ) مولانا فضل حق کے جزیرہ انڈمان چلے جانے کے بعد کچھ عرصہ پریشانی میں گذرا۔ ٹونک، کلکتہ، حیدر آباد، رام پور میں سلسلہ ملازمت قیام رہا۔ رام پور کی فضا، بالخصوص نواب کلب علی خاں کی قدردانی کے باعث وہاں زیادتیاً رہا۔ والسرائے کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب ملا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ ”باپ کو کالے پانی کیا اور بیٹے کی خطابے اشک شونی کی“۔ ان کی تصانیف ان کے تبحر علمی کی شاہد ہیں۔ بالخصوص حاشیہ قاضی مبارک، حاشیہ غلام محی، حاشیہ حمد اللہ، حاشیہ میرزا ہدایہ اور عامہ، شرح ہدایت لکھتے تھے۔ شرح مسلم الثبوت، شرح کافیہ، شرح سلاسل الکلام، جواہر غالیہ، رسالہ تحقیق تلازم۔ یہ سب کتابیں، فلسفہ، حکمت اور علم کلام سے متعلق ہیں خیر آباد کے جس علی خانوائے سے وہ تعلق رکھتے تھے وہ فلسفہ و کلام کا شوقین تھا اور اس فن میں تمام ملک میں غیر معمولی استیلا زر کھتا تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ ان کے فلسفی ذہن کو اماں ملی تو خواجہ اللہ بخش تونسوی کے دامن تربیت میں۔ کہا جاتا ہے کہ آخر عمر میں خواجہ تونسوی کے زیر اثر تصوف کی نظر توجہ ہو گئی تھی۔ ریاض خیر آبادی نے اپنے ایک مضمون میں جو ریاض الاخبار میں شائع

۱۔ مناقب حافظیہ ص ۹۴

۲۔ حالات کے لئے دیکھئے، تذکرہ کاملان رام پور، دہلی ۱۹۲۹ء ص ۲۰۱-۱۹۹؛ باغی ہندوستان

(الثورۃ الہندیہ) لاہور ۱۹۴۵ء ص ۱۸۳-۱۶۷، ص ۳۴۰ (ہرست تلامذہ)؛ تذکرہ علماء ہند

اردو ترجمہ محمد ایوب قادری ص ۲۸۰، ۲۸۹

تونس کے آستانہ فیض پر حاضر ہوتے رہے اور عارف و عامی سب کو وہاں ذہنی سکون اور روحانی مسرت حاصل ہوتی رہی۔

مولوی ارشاد علی صاحب فریدی اور مولوی فرید احمد صاحب کے دادا جناب مولوی

فرید احمد صاحب مرحوم اور پردادا مولوی ارشاد علی صاحب امر وہی مرحوم حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کے مریدین خاص میں تھے۔ اور انھوں نے اپنے مخصوص اور محدود دائرے میں رہ کر سلسلہ کی روایات کی نشر و اشاعت کے لئے پر خلوص جدوجہد کی تھی۔

مولوی ارشاد علی صاحب یکم اگست ۱۳۳۵ھ کو امر وہ میں پیدا ہوئے اٹھارہ برس پشت میں سلسلہ نسب حضرت بابا فرید گنج شکر سے جا ملتا ہے۔ مولانا حاجی محمد مہدی صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ حاجی صاحب موٹی (ضلع بریلی) کے رہنے والے اور اپنے عہد کے جید عالم تھے۔ دربار مغلیہ میں ان کی بڑی قدر تھی۔ اکبر شاہ ثانی نے فصیح الشعر اور ملک العلماء کے خطابات دئے تھے۔ حاجی صاحب نے بریلی سے امر وہ کا سفر خاص طور پر مولوی ارشاد علی صاحب کی تعلیم کے لئے کیا اور بہت جلد ان کو علم کی دولت سے مالا مال کر دیا۔

مولوی ارشاد علی صاحب کے والد مولوی ابدال محمد صاحب مرحوم نے ان کے بچپن ہی میں سفر آخرت اختیار کیا اور مولوی ارشاد علی کو عسرت و تنگی میں دن گزارنے پڑے لیکن انھوں نے اس زمانہ میں بڑی محنت سے پڑھا۔ ابتدائی زمانہ میں انگریزوں سے نفرت تھی۔ ایک کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں کہ ”در عہد نامہ سعود انگریز کہ ہنگام اشرف گردی است“ اس کی کتابت ہوئی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد انگریزی ملازمت کرنے پر مجبور ہو گئے اور پنجاب چلے گئے جہاں عرصہ تک سرکاری ملازمتوں کے سلسلہ میں رہنا ہوا اس زمانہ کے مشہور انگریز حکام، سر جان لارنس، کرل ہملٹن، کرل فرنگ ٹن وغیرہ کے قضا کام کیا۔ قدرۃ اللہ میں وہ کرل جی۔ ڈیو ہملٹن کشر ملتان کے سررشتہ دار تھے۔ ہملٹن نے حکم دیا کہ پاک پٹن کی خانقاہ سے متعلق سب جاگیریں ضبط کرنی جائیں مولوی ارشاد علی

ہوا تھا ان کے ”نورانی چہرہ، خندہ رُوئی، زندہ دلی، علمی سراپا، رعب کمال، شان ادب اور فضل و جلال“ کی تعریف کی ہے۔

مولانا عبدالحق کی وضع داری اور نازک مزاجی مشہور تھی۔ حافظ احمد علی خاں شوق نے لکھا ہے کہ اپنی وضع کے سخت پابند تھے۔ جب قادیانی وضع میں تغیر کرنے کا موقع آتا تو ترک تعلق کر دیتے تھے ”نواب کلب علی خاں کے بعد رام پور چھوڑ کر خیر آباد چلے گئے تھے۔ بعد کو نواب حامد علی خاں کے اصرار پر رام پور آئے۔ کہا جاتا ہے کہ انگریزی لباس اور طرز سے سخت متنفر تھے۔“

۲۳ شوال ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء کو وصال فرمایا اور احاطہ درگاہ مخدوم شیخ سعد میں اپنے دادا مولانا فضل امام کے قریب سپرد خاک کئے گئے۔ ریاض خیر آبادی نے ان کے انتقال پر لکھا تھا

”سچ پوچھئے تو شمس العلماء مولوی عبدالحق کے ساتھ تمام زندہ نام علماء آج تہ خاک ہو گئے۔ ایک ذات واحد میں ایسے کمالات غریبہ اور اوصاف عجیبہ کا جمع ہونا نامحرم مولانا کی ذات بابرکات کے ساتھ گیا۔“

منشی امیر احمد مینائی نے تاریخ بھی

شمس العلماء ز ظلمت و دھیر
چوں تیر زابر تیسرہ برجست
بر لوج مزار امتیر بنویس
آرام گہ امام وقت است

مولوی عبدالحق کا حضرت خواجہ تونسوی سے متعلق بیعت، خواجہ صاحب کی غیر معمولی روحانی کشش کا آئینہ دار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک مدت تک ہندوستان کے علماء اور صوفیہ

مولوی ارشاد علی صاحب کو دینی لٹریچر بالخصوص تصوف کی کتابوں سے خاص دلچسپی تھی۔ انھوں نے زکیر صرف کر کے اپنا قلمی کتب خانہ جمع کیا تھا۔ آج اس کا حشرِ عنبر خاکسار کے پاس ہے، بیشتر حصہ ضائع ہو چکا۔ اگر یہ کتب خانہ باقی رہتا تو ہندوستان میں مشرقی علوم کے چند مخصوص کتب خانوں میں اس کا شمار ہوتا۔ مولوی ارشاد علی صاحب کے علمی ذوق کی شاہد چند تصانیف بھی ہیں۔ جن میں تین شائع ہو چکی ہیں۔ باقی غیر مطبوعہ ہیں۔ حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ کی چند مثنویاں انھوں نے شائع کیں۔ پھر ۱۳۸۶ھ میں دو کتابیں بشیر المداہج اور بشیر النصائح لاہور سے شائع ہوئیں۔ انشاد ارشاد فرہنگ ارشاد کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

دسمبر ۱۹۷۷ء میں مولوی ارشاد علی صاحب نے اپنے وطن امر وہ میں وصال فرمایا اور پیر شاہ ابن صاحب کے احاطہ مزار میں سپرد خاک کئے گئے۔ سر شیخ عبدالقادر نے جوان دنوں انگریزی اخبار Observer نکالتے تھے ان کے انتقال پر اپنے رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ان کی خدمات کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے

از پنج مرد و دو زن که در آنجا بودند به هیچ وجه نتوانستند فرار کنند.

Chikravall



کہ اہل کاروں کی وہل اسبغ ہو رہی ہے جس نے حاکم و محکوم کے درمیان حقیقی ترجمان کی خدمت انجام دی تھی۔ ان کی زندگی یکسر فرض شناسی و فیض رسانی کی زندگی تھی۔ خواجہ اللہ بخش تونسوی کے ایک خط کا عکس یہاں شامل ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کس طرح ان کو مخاطب فرماتے تھے اور ان کا کتنا خیال کرتے تھے۔

مولوی ارشاد علی صاحب کے تین فرزند تھے۔ مولوی فرید احمد مرحوم مولوی فضل احمد مرحوم اور مولوی شریف احمد مرحوم۔ اول الذکر حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی سے بیعت تھے۔ مولوی فضل احمد مرحوم، مولانا محمد امروہوی کے حلقہ مریدین میں شامل تھے۔ ان کا ذکر گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

جناب مولوی فرید احمد صاحب مرحوم ۱۲۸۶ھ میں بمقام امروہو پیدا ہوئے۔ عربی اور فارسی کی تعلیم وطن میں حاصل کرنے کے بعد لاہور چلے گئے اور وہاں گورنمنٹ کالج میں بی اے تک پڑھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو اپنے بڑے لڑکے جناب قبلہ مولوی عزیز احمد صاحب نظامی وکیل (خاکسار کے والد ماجد) کے پاس میرٹھ میں قیام کر لیا اور وہیں ۲۲ نومبر ۱۹۴۲ء کو دینی

The Punjab Observer, Wednesday
December 26, 1900.

دادا مرحوم کے وصال کے ۱۶ سال بعد ۱۵ مارچ ۱۹۱۵ء کو والد ماجد نے اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال فرمایا اور دادا مرحوم کے قریب ہی قبرستان شاہ ولایت میں ابدی نیند سو گئے۔ ان کی زندگی بھی قومی درد اور خدمت خلق کی زندگی تھی۔ فیض عام کا بچہ سیکوری کی حیثیت سے تعلیمی کاموں میں نمایاں حصہ لیا تھا اور اس ادارہ کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے بڑے نامساعد حالات میں جدوجہد کی تھی۔

شہر ایوان محترم قدس روزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاک کی شبستان ہو ترا

جل کو لبیک کہا اور قبرستان شاہ ولایت میں سپرد خاک کئے گئے۔ یہ مختصر سا خاک ہے ایک ایسے شخص کی زندگی کا جسے اللہ نے علم و عمل کی بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا اور جس کے احسانات کی گرانباری آج بھی دل محسوس کر رہا ہے۔

مولوی فرید احمد صاحب نے ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی اور حضرت اللہ جوایا صاحب کی گود میں پایا۔ جوان ہوئے تو دیکھا کہ امروہو کے گلشن علم میں بہار آرہی ہے، ایک طرف حضرت مولانا محمد بن صاحب کا ہنگامہ درس و تدریس برپا ہے۔ تو دوسری طرف حضرت مولانا محمد بن صاحب کے علمی فیوض جاری ہیں۔ تیسری طرف نواب وقار الملک قومی تعلیم و ترقی کے لئے بے چین اور سرگرداں نظر آرہے ہیں۔ اس پورے ماحول نے ان کے ذہنی نشوونما پر گہرا اثر ڈالا۔ خواجہ اللہ بخش اور حضرت اللہ جوایا سے ان کو تصوف کا شوق ملا، مولانا محمد بن سے قرآن و حدیث کے مطالعہ کا ذوق حاصل ہوا، مولانا محمد بن سے مذاہب عالم کے مطالعہ کی لگن اور وقار الملک کی صحبت سے مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کا احساس۔ لے

علی اعتبار سے مولوی فرید احمد صاحب کی خصوصیت یہ تھی کہ انھوں نے اپنا قصر علم مشرق و مغرب کے سنگم پر تعمیر کیا تھا۔ اگر ایک طرف دینی لٹریچر پر گہری نظر رکھتے تھے تو دوسری طرف مغرب کے علمی اور تحقیقی رجحانات سے بھی پوری طرح واقف تھے۔ انگلستان اور امریکہ کے بعض اعلیٰ علمی رسائل ۵۰، ۴۰ سال تک مطالعہ کرتے رہے تھے۔ ان کے

نواب وقار الملک ان کے علمی ذوق اور قومی جذبہ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اہم مسائل پر ان سے مشورہ بھی کرتے تھے۔ ۱۴ اپریل ۱۹۰۷ء کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: "جناب مخدومی مولوی فرید احمد صاحب سلامت۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یونیورسٹی کمیشن میں میں بھی گواہی ادا کرنا چاہتا ہوں اور لکھنا شروع بھی کر رہا ہے، ترجمہ بھی ہوتا جاتا ہے۔ کیا مہربانی سے آپ اس کام میں کچھ مدد فرما سکیں گے۔ اگر کچھ فرصت تو مہربانی سے آج چار بجے تکلیف فرمائیے اور شکور کہجئے۔ والسلام۔ خاکسار مشتاق حسین۔"

یہ ہے کہ مذاہب عالم کا مطالعہ جس بالغ نظری کے ساتھ انھوں نے کیا تھا وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔^۱ خاکسار راقم الحروف نے اپنی ابتدائی تعلیم ان ہی سے حاصل کی تھی، ان کے احسانات کے اظہار کا یہ موقع نہیں۔ اس کتاب میں اگر کچھ خوبیاں ہیں تو ان کے فیضِ صحبت کا اثر ہیں جو خامیاں ہیں وہ میری کوتاہی کا نتیجہ ہیں۔

۱۰

کتب خانہ میں ایک طرف عربی و فارسی کی قلمی کتابیں نظر آتی تھیں تو دوسری طرف انگلستان کی جدید ترین مطبوعات مسلمانوں کی ابتدائی دینی تعلیم پر بڑا زور دیتے تھے۔ ملازمت کے دوران میں مرزا پور، جھانسی وغیرہ میں متعدد مدارس جاری کئے۔ قرآن مجید کے مطالعہ پر بے حد زور دیتے تھے۔ مگر کے بچوں کو ترجمہ سے پڑھاتے اور سمجھاتے تھے۔ کہتے تھے کہ جس نے قرآن سمجھ کر نہ پڑھا وہ بہت بڑی نعمت سے محروم رہا۔ مولوی فرید احمد صاحبِ خلوص اور سچائی کا جتنا جائز نمونہ تھے۔ قومی معاملات میں ان کی دلچسپی کا یہ حال تھا کہ تنخواہ کا بیشتر حصہ مدرسوں، انجمنوں، اخبارات اور غریب طلباء کو دے دیتے تھے۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ظاہری وضع سے علمی تجربہ کا اندازہ نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن جب کسی علمی مسئلہ پر گفتگو کرنے کو ایسا محسوس ہوتا تو گویا ایک سمندر میں تموج پیدا ہو رہا ہے۔ مولوی بشیر الدین نے ان کی وفات پر لکھا تھا:

”مولوی فخر احمد صاحبِ مرحوم مرحومہ کے ایک نہایت معزز خاندان کے بزرگ تھے۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ علمی مشاغل میں صرف ہوا تھا۔ وہ نہایت اعلیٰ علمی مذاق رکھتے تھے۔ دورانِ ملازمت میں بھی ان کی علمی سرگرمیاں اور تعلیم سے لچپی برابر جاری رہی۔ مرزا پور، جھانسی میں متعدد مدارس ان کی پر خلوص کوششوں سے وجود میں آئے۔ وہ مستثنیٰ قابلیت کے انسان تھے۔ علوم مشرق و مغرب میں یکساں کمال حاصل تھا۔ اسلامی تصوف میں دستِ گاہ خاندانی ورثہ میں ملی تھی اوپر پُرین ریشہ نازم پران کی معلومات برسوں کے بغور مطالعہ کا نتیجہ تھی حقیقت

۱۰ انگلستان کے ایک مشہور ماہرِ ادبیات و عقلیت پسند

نہان کی وفات پر راج کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ تیس سال سے زیادہ تک اس رسلے کا وہ شوق سے مطالعہ کرتے رہے تھے۔

۱۰ ”البشیر“ مرتبہ خان بہادر مولوی بشیر الدین، ”اثادہ“ ۲۲ دسمبر ۱۳۳۷ء، مقالات مدیر

استاد العلماء: نواب جمیب الرحمن خاں شیرانی

علی گڑھ ۱۹۳۷ء

السننہ الجلیلیہ فی الہشتیۃ العلویہ: مولانا اشرف علی تھانویؒ
کتب خانہ اشرفیہ، دہلی ۱۳۵۱ھ

الافاضات الیومیہ: مولانا اشرف علی تھانویؒ

المجالس المحشیہ: ملفوظات شیخ محمد حسیؒ

تلمی نسخہ: سر شاہ سلیمان کلکشن، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر: شاہ ولی اللہ دہلویؒ

لاہور ۱۸۸۳ء

آفتاب عالمیاب: مولانا سید محمد حسن امروہویؒ

مطبع عالمیاب، مطبع میر حسن رضوی، دہلی

اقبال نامہ: خطوط علامہ اقبالؒ مرتبہ شیخ عطا اللہ

جلد ۲ لاہور ۱۹۵۱ء

اقتباس الانوار: محمد اکرم براسوی

مطبع اسلامیہ، لاہور ۱۸۹۵ء

التصریح فی شرح التشریح الافلاک: امام الدین ابن لطف اللہ

D. G. Smith MS. Or. 20 تلمی نسخہ، کولمبیا یونیورسٹی، نیویارک

القول المستحسن فی فرائض: مولانا حسن الزماں حیدر آبادی

مطبع عزیز کون، ۱۳۱۲ھ

انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ: شاہ ولی اللہ دہلویؒ

مطبع احمدی، ۱۳۱۱ھ

انفاس العارفين: شاہ ولی اللہ دہلویؒ

مطبع مجتبیٰ، دہلی ۱۳۳۵ھ

ماخذ

انجام حجت اسلام در شرح کتاب دانیال علیہ السلام:

مولانا سید محمد حسن امروہوی

پرنسٹن کینی، اجیر

آثار الصنادید: سر سید احمد خاں

سید الاخبار پریس، دہلی ۱۸۴۷ء

سنٹرل بک ڈپو، دہلی ۱۹۶۵ء

احسن النمازل: ملفوظات وحالات شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ از خواجہ کامگار خاں

تلمی نسخہ: شیفہ کلکشن، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

احترام الاصفیاء: حالات خواجہ محمد آلم خیر آبادیؒ از مولانا دین محمد

۱۳۲۵ھ

اخبار الاخبار: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

مطبوعہ: مطبع مجتبیٰ، دہلی ۱۳۱۱ھ

ترجمہ اردو: مسلم پریس دہلی ۱۳۲۸ھ

اردوئے معلیٰ: خطوط غالب

مطبع مفید عام، اگرہ ۱۶۱۲ء

انوار الرحمن : حالات و ملفوظات شاہ عبدالرحمن لکھنوی از مولوی نور الدین پھرانی
لکھنؤ ۱۳۸۶ھ

انوار العاشقین : مولانا مشتاق احمد ندوی
حیدرآباد ۱۳۳۲ھ

انوار شمس المسی بر خطبہ چشتیہ : مولانا امیر بخش

مضارعام پریس، لاہور ۱۳۳۵ھ

بارہ ماہ پیہ نجم : حاجی نجم الدین

یاغستان : امام الدین ریاضی

کلمی تنخیر لکھنؤ یونیورسٹی

برکات الاولیاء : مولوی سید امام الدین بن مفتی سید عبدالفتاح

افضل المطابع، دہلی ۱۳۲۴ھ

پیچ گنت ترجمہ و بیجا گنت : از عطاء اللہ رشیدی

انگریزی ترجمہ E. Strachey

لندن ۱۸۸۳ھ

بہادر شاہ کاروز ناچھ : بمبئی کے حسن الاخبار اور دہلی کے سران الاخبار کا اردو ترجمہ،

مرتبہ خواجہ حسن نظامی

پانچوال ایڈیشن، دہلی ۱۹۳۵ھ

بزم آخر : منشی فیاض الدین

رحمانی پریس، دہلی ۱۹۳۰ھ

پیو ملانی : (تلمیذ)

تاریخ شاہ کرخانی : (تلمیذ)

تاریخ فیروز شاہی : ضیاء الدین برنی مرتبہ سر سید احمد خان

کلکتہ ۱۸۶۲ھ

تاریخ ہند : مولوی ذکا اللہ دہلوی

دس جلدیں - مطبع علی گڑھ انسٹیٹیوٹ ۱۹۱۴ھ

تاریخی مقالات : خلیق احمد نظامی

دہلی ۱۹۶۶ھ

تذکرہ اولیائے دکن : عبد الجبار خاں مطبع رحمانی، حیدرآباد

تذکرہ علمائے ہند : مولوی رحمان علی

نول کشور ۱۹۱۲ھ

مترجمہ محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ھ

تذکرہ سہیل : حالات مولانا انوار الرحمن تسمل مرتبہ مولوی مصباح الرحمن

راجستان بک ڈپو، جے پور

تذکرہ کاملان رامپور : حافظ احمد علی خاں شوق

ہمدرد پریس ۱۹۲۹ھ

تذکرہ گلشن بے خار : نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ

نول کشور، ۱۸۸۳ھ

ترجمان القرآن : مولانا ابوالکلام آزاد

جلداول، لاہور ۱۹۴۴ھ

ترجمہ فیصلہ مقدمہ دیوانی : منفصلہ ایچ۔ ایف۔ فارسی دستکش ج ملتان مقدمہ نمبر ۱۰۹

(۱۹۱۱ھ) خواجہ حامد محمود

یونین پرنٹنگ ورس لودھیانہ ۱۹۱۳ھ

ترجمہ فیصلہ عدالت چیف کورٹ بمقدمہ تونسہ شریف

گلزار محمدی سٹیم پریس، لاہور

تفسیر فتح العزیز : شاہ عبدالعزیز دہلوی

فارسی مطبوعہ : مطبع مجتہبی ۱۳۲۸ھ

اردو ترجمہ: از محمد حسن خاں، مطبع مقبلی لکھنؤ ۱۳۶۱ھ

تفسیر حضرت شاہی الاسرار فی مکاشفات الاخبار: مولانا سید محمد حسن امروہوی

مطبع میر حسن دہلی ۱۲۹۵ھ

تفہیمات الہیہ: شاہ ولی اللہ دہلویؒ

دہلی ۱۹۰۶ء

تقریب التحریر: خیر اللہ

قلمی نسخہ، بانگی پور [۱۰۵۸]

تقریر التحریر: خیر اللہ

قلمی نسخہ، اندیا آمن لائبریری

تقصیر جیود الاحرار من تذکرہ جنود الابرار: نواب صدیق حسن خاں

بکھوپال ۱۲۹۵ھ

مکملہ سیر الاولیاء: خواجہ گل محمد چوہدریؒ

قلمی نسخہ: ذاتی

مطبوعہ نسخہ: مطبع رضوی، دہلی ۱۳۱۲ھ

تلخیص التوارخ ملقب بہ مفرح دکنشا معتدل: حکیم سید محمد حسن امروہویؒ

مطبع مطبع العلوم، اخبار شیر اعظم، مراد آباد

تنبیہ الصالحین و ہدایۃ الصالحین: (فتاویٰ جو علیہ مکہ اور شاہ محمد اسحاقؒ نے بعض

غلط فطریات کی تردید میں دئے تھے۔ ۱۰)

مطبع سید الاخبار، دہلی ۱۲۶۶ھ

جواہر فریدی: علی اصغر چشتی

قلمی: ذاتی

مطبوعہ فارسی: وکٹوریہ پریس، لاہور ۱۳۰۱ھ

اردو ترجمہ: کرمی پریس، لاہور

جوامع الکلم: ملفوظات سید محمد گیسو در از مرتبہ سید محمد اکبر حبیبیؒ

مطبوعہ انتظامی پریس عثمان کینج، حیدر آباد

حاشیہ بر شرح بست باب در معرفت اسطرلاب: خیر اللہ

قلمی، بانگی پور (۱۰۴۵)

حجتہ اللہ البالغہ: شاہ ولی اللہ دہلویؒ

عربی: بہ تصنیف محمد حسن نانوتوی، بریلی ۱۲۸۶ھ

اردو ترجمہ: آیات اللہ اکاملہ، مولوی جمیل احمد، مطبع اسلامی، لاہور

عربی متن اور اردو ترجمہ: حمایت الاسلام پریس، لاہور ۱۳۲۲ھ

حدائق الحنفیہ: مولوی فقیر محمد جلیلی

ڈول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۶ء

مرتبہ خورشید احمد خاں، لاہور

حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

بیند پریس، دہلی

حقانیت اسلام: مولانا سید محمد حسن امروہوی

مطبع رضوی، دہلی ۱۳۰۳ھ

حیات ولی: سوانح شاہ ولی اللہ دہلویؒ از مولوی محمد حرم بخش

افضل المطابع، دہلی

حیات جاوید: سوانح سر سید احمد خاں از مولانا الطاف حسین حالی

مطبع رعد، کانپور ۱۹۲۶ء

حیوۃ العلماء: حالات علماء سہسوان، از سید محمد عبدالباقی

ڈول کشور، لکھنؤ ۱۹۲۲ء

خاتم سلیمانی: حالات و ملفوظات خواجہ سلیمان تونسویؒ از مولوی الہ بخش بلوچی

خادم التعلیم اسٹیم پریس، لاہور ۱۳۲۵ھ

خاتم سیلانی : سوانح شاہ محمد سیلانی پھلوری، مرتبہ سید شاہ غلام حسین

قومی پریس، پٹنہ ۱۹۳۶ء

خاتمہ مرآۃ احمدی : مرزا محمد حسن

کلکتہ ۱۹۳۰ء

خزینۃ الاصفیاء : مولانا غلام سرور

مطبع شرم پور، لکھنؤ ۱۸۹۲ء

خزینۃ الاعداد : عطا اللہ رشدی

قلمی نسخہ بمبئی یونیورسٹی (۱۰۶)

خلاصۃ الحساب : لطف اللہ

قلمی، انڈیا آفس نیرامپور

خلاصۃ الفوائد : ملفوظات خواجہ نور محمد مہاروی

قلمی، ذاتی

خلاصہ راز : عطا اللہ رشدی

قلمی، برٹش میوزیم Rieu ii, 451a

نیز بانی پور [ج ۴، ۱۴۳]

خیر المجالس : ملفوظات شیخ نصیر الدین چراغ دہلی مرتبہ حمید قلندر

فارسی : تصحیح خلیق احمد نظامی، علی گڑھ ۱۹۵۹ء

اردو ترجمہ : سراج المجالس، دہلی ۱۳۱۵ھ

درنا یاب : مولانا سید محمد حسن امروہوی

مطبع چراغ، اجیر

دستورالانشاء : یار محمد

دیوان بے نیاز : دیوان شاہ نیاز احمد بریلوی

مطبع قطب الاخبار ۱۲۶۵ھ

مطبع آگرہ اخبار آگرہ ۱۳۳۸ھ

دیوان بہادر شاہ ظفر (کلیات ظفر)، دکنشور پریس ۱۸۸۶ء

دیوان غازی الدین خاں نظام

مطبوعہ: حیدر آباد ۱۸۸۳ء

قلمی : برٹش میوزیم Rieu ii 719b

دیوان مہندس : لطف اللہ : قلمی نسخہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

ذکر حبیب : حالات و ملفوظات پیر سید حیدر شاہ جلال پوری، مرتبہ ملک محمد الدین

پٹنہ بہار الدین ۱۳۳۲ھ

ذکر میر : خودنوشت سوانح میر تقی میر، مرتبہ مولوی عبدالحق

انجمن ترقی اردو ہند، دہلی

ذکر جمیع اولیاء دہلی : حبیب اللہ اکبر آبادی

قلمی : برٹش میوزیم

رسالہ آگہی نامہ : مولانا سید محمد حسن امروہوی

مطبع چراغ، اجیر

رسالہ احمد معمار : قلمی نسخہ، کتب خانہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

رسالہ خواص اعدان لطف اللہ

قلمی : برٹش میوزیم

رسالہ عین الیقین : مولانا فخر الدین

مطبع احمدی، دہلی

روضۃ قطاب : محمد بلاق چشتی

مطبع محب ہند، دہلی

روضۃ اولیاء : غلام علی آزاد بلگرامی

مطبع مجتہائی، دہلی ۱۳۰۹ھ

اورنگ آباد ۱۳۱۰ھ

ریاض الفصحا : غلام احمدی مصنفی

انجمن ترقی اردو، دہلی ۱۹۳۳ء

سبع سنابل : میر عبد الواحد بکرامی

مطبع نظامی، کانیپور ۱۲۹۹ھ

سحر جلال : لطف اللہ

قلی : ممبئی یونیورسٹی

سراج السالکین :

عکسی قلمی نسخہ مملوکہ انعام الحق صاحب جے پور

سرد لبران : ملفوظات مولوی خدابخش ملتانی

مطبع مجتبیٰ، لاہور ۱۲۷۶ھ

سفینۃ الاولیاء : داراشکوہ

لکھنؤ ۱۸۴۲ء

سلسلۃ الذہب : شجرہ خواجہ علی محمد شاہ، از محمد حقیق الدین

گیلائی پریس، لاہور

سلک السلوک : مولانا ضیاء الدین بخش

مطبع مجتبیٰ، دہلی ۱۳۰۳ھ

سوانح احمدی : محمد جعفر نقاشی

بلالی اسٹیم پریس، سادہ پورہ، ضلع انبالہ

سوار اسمیل : شاہ کلیم اللہ دہلوی

قلی : ذاتی، نیرکتب خانہ رام پور ۳۳۵

سید احمد شہید : مولانا غلام رسول تہر

لاہور ۱۹۵۲ء

سیر الاولیاء : میر خورشید کرمانی

فارسی : مطبع محب ہند، دہلی ۱۳۰۲ھ

اردو ترجمہ : غلام احمد بریل، مسلم پریس دہلی ۱۳۲۲ھ

سیر المتاخرین : غلام حسین خاں طباطبائی، نوکلشور پریس لکھنؤ ۱۳۱۳ھ

سیر المنازل : مرزا سنگین بیگ، فارسی متن مع اردو ترجمہ، ڈاکٹر شریف حسین فاسمی دہلی ۱۹۸۲ء

سیرۃ فریدیہ : حالات نواب فرید الدین خاں از سرسید احمد خاں

مطبع مفید عام، اگرہ ۱۸۹۶ء

شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات : مرتبہ خلیق احمد نظامی

دوسرا ایڈیشن، دہلی ۱۹۶۹ء

شجرۃ الانوار : مولانا رحیم بخش فخری

قلی نسخہ : ذاتی کتابت ۱۲۸۱ھ

شجرۃ چشتیہ سلیمانہ فخریہ : مولانا غلام فرید خاں چشتی

مطبع اہلی، اگرہ

شرح القانون : شاہ کلیم اللہ دہلوی

قلی : کتب خانہ رام پور ۳۸۶

شرح سکندرنامہ : خیر اللہ

مطبع شرف المطابع، دہلی ۱۳۶۵ھ

شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح

شمشیر خالصہ : گیانی سنگھ گیلائی و بابا بورا چند سنگھ

صبح صادق : حالات فرماں روایان بھاول پور، از عزیز الرحمن عزیز

عزیز المطابع، بھاول پور ۱۹۳۳ء

صور صوفی : عبد الرحمن صوفی کی کتاب صور الکواکب کا فارسی ترجمہ از لطف اللہ

نسخہ خط مصنف : کتب خانہ مسلم یونیورسٹی،

فوائد النواد : مرتبہ امیر حسن بھٹو

مطبع ذیل کشور، لکھنؤ ۱۳۱۲ھ

قرآن القرآن : شاہ کلیم اللہ دہلوی

مطبع احباب، میرٹھ ۱۲۹۰ھ

قول الجہیل : شاہ ولی اللہ دہلوی، مع اردو ترجمہ : سفار العلیل - مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۹ھ

کشف الاسرار : مولانا سید محمد حسن امروہوی

مطبع دارالعلوم، میرٹھ

کشف المحجوب : شیخ علی البرجوری

مطبع پنجابی، لاہور

لاہور ۱۲۹۶ھ

کشکول کلیبی : شاہ کلیم اللہ دہلوی

قلبی : ذاتی

مطبوعہ : مطبع مجتبیٰ دہلی ۱۳۱۱ھ

معارف و ترجمہ مطبع مجتبیٰ، دہلی ۱۳۰۵ھ

کلمات طیبات : مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلوی، مرزا منظر جان جاناں وغیرہ

مطبع نامی گرامی، مفید عام، اگرہ ۱۹۱۳ء

کواکب دربیہ : مولانا محمد حسن امروہوی

سید المطالع، امروہہ

گلزار ابرار : محمد غوثی شطاری

قلبی : ذاتی

اردو ترجمہ : از کار ابرار از فضل احمد

عشرہ کاملہ : شاہ کلیم اللہ دہلوی

قلبی : ذاتی

علمائے سلف : ذاب صدر یار جنگ حبیب الرحمن خاں شروانی

عنوان اول المسمیٰ بنفحات المحبوب

بلائی ایٹم پریس، ساڈہ پورہ

غایت البرہان فی تاویل القرآن : حکیم سید محمد حسن امروہوی

مطبع ریاضی، امروہہ ۱۳۲۲ھ

غبار خاطر : مولانا ابوالکلام آزاد

شیخ بک ڈپو - کراچی

غزلیات نجم الدین : (قلبی)

فتح الرحمن : شاہ ولی اللہ دہلوی

دہلی ۱۲۸۳ھ

فتوحات مکیمہ : شیخ محی الدین ابن عربی

بلاق

فخر الحسن : شاہ فخر الدین دہلوی

قلبی : مسلم یونیورسٹی ذخیرہ عبدالحی ۲۶۶/۲۶۷

یزید یونیورسٹی عربیہ ۳ (۲) ۵

فخر الطالبین : ملفوظات و حالات شاہ فخر الدین دہلوی از سید نور الدین حبیبی فخری

قلبی : ذاتی مکتوبہ ۱۳۲۰ھ

مطبوعہ : مطبع مجتبیٰ دہلی ۱۳۱۵ھ

فصوص الحکم : شیخ محی الدین ابن عربی

عربی : بیروت

عربی مع اردو ترجمہ : مطبع احمدی، کانپور ۱۳۰۰ھ

مرق کلیسی : شاہ کلیم اللہ دہلوی

مطبع مجتہائی، دہلی ۱۳۱۵ھ

مسالک الابصار : انگریزی ترجمہ از آٹو اسپیس علی گڑھ

مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہونچا : مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

۱۹۵۸ء لاہور

مشاعر میرا سلام : خواجہ عبداللہ انصاری

مطلوب الطالبین : محمد بلاق چشتی

قلمی : ذاتی

معراج رسول : مولانا سید محمد حسن امروہوی

مطبع دہلیہ محبوبی

ملفوظات طیبہ : ملفوظات سیر مہر علی شاہ گولڑوی

ملفوظات شاہ عبدالعزیز : شائع کردہ قاضی محمد بشیر الدین

مطبع مجتہائی میرٹھ ۱۳۱۲ھ

مکتوبات کلیسی : مکتوبات شاہ کلیم اللہ دہلوی

مطبع یوسفی، دہلی ۱۳۱۱ھ

مکتوبات شاہ محب اللہ آبادی

قلمی نسخہ : ذاتی

مناقب فریدی : احمد اختر مرزا

مطبع احمدی، دہلی ۱۳۱۲ھ

مناقب حافظیہ : حالات و ملفوظات حافظ محمد علی خیر آبادی مرتبہ غلام محمد ہادی خاں

فارسی : مطبع احمدی کاشمیر ۱۳۱۵ھ

اردو ترجمہ : مشاہیرہ حنفی از منشی نذر محمد نظامی پریس، لکھنؤ ۱۳۵۲ھ

مناقب مخزومیہ : غازی الدین خاں نظام، در حالات شاہ غزالدین دہلوی

قلمی : مکتوبہ ۱۳۱۵ھ مملوکہ مصنف

مطبع مفید عام، اگرہ ۱۳۳۶ھ

گلشن بے خار : نواب مصطفیٰ خاں شیفہ

نول کشور لکھنؤ ۱۸۶۳ء

گنجینہ اسرار انبیاء : حکیم محمد حسن امروہوی

(مطبع نامی اجیر)

مائثر الامراء : شاہ نواز خاں

تین جلدیں کلکتہ ۱۸۹۰-۹۱ء

مائثر عالمگیری : ساقی مستعد خاں

کلکتہ ۱۹۰۰-۰۳ء

مائثر الکرام : مولانا غلام علی آزاد بلگرامی

مفید عام پریس، اگرہ ۱۹۱۰ء

بجالس کلیسی : محمد کامگار حسینی

قلمی : سالار جنگ بیوزیم، حیدرآباد ۱۵۶/۶۹۳

مطبوعہ : ہاشم سید محمد محسن

مطبع برہانہ، حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ

مجموعہ نعرہ : حکیم قدرت اللہ قاسم، مرتبہ حافظ محمود شیرانی

لاہور ۱۹۳۳ء

مخزن الاخلاق : درگاہ داس

مطبوعہ

مخزن الشعراء : تذکرہ شعراء گجرات مؤلفہ قاضی نور الدین قانع

مرتبہ مولوی عبدالحق، جامع پریس، دہلی ۱۹۳۳ء

مرق دہلی : نواب ذوالقدر درگاہ قلی خاں، مرتبہ حکیم سید مظفر حسین

تاج پریس، حیدرآباد

مطبوعہ، دہلی ۱۳۱۵ھ

مناقب المحبوبین : حاجی نجم الدین

مطبع محمد حسن، رامپور ۱۲۸۹ھ

مطبع محمدی، لاہور ۱۳۱۳ھ

منتخب الحساب : لطف اللہ

قلبی : ذاتی

منتخب اللباب : خانی خاں، مطبع منظر العجائب کلکتہ ۱۸۴۳ء

نافع السالکین : ملفوظات خواجہ محمد سلیمان تونسوی از مولانا امام الدین

لاہور ۱۲۸۵ھ

منقش آزاد : مرتبہ غلام رسول مہر

کتاب منزل، لاہور

نظام القلوب : شاہ نظام الدین اورنگ آبادی

مطبع مجتبیٰ، دہلی ۱۳۰۹ھ

نظام العقائد : شاہ فخر الدین دہلوی

اردو ترجمہ موسومہ نظرات الفوائد

مطبع رضوی، دہلی ۱۳۱۲ھ

نظامی بنسری : سوانح عمری شیخ نظام الدین اولیاء مرتبہ خواجہ حسن نظامی

دہلی ۱۹۳۵ء

نگینہ حکمت در شرح قصوص الحکم حضرت شیخ اکبر : مولانا سید محمد حسن امر دہلوی

ذیل کشور، لکھنؤ

واقعات دارالحکومت دہلی : مولوی بشیر الدین احمد دہلوی

تین جلد، آگرہ ۱۹۱۹ء

وصیت نامہ : شاہ ولی اللہ دہلوی مطبع سخی کاپور ۱۳۳۳ھ

وقائع عالم شہابی : روزنامہ چیر بریم کشور فراقی، مرتبہ مولانا امتیاز علی عرشی

رامپور ۱۹۲۹ء

وقائع راجپوتانہ : بابو جوالہ سہاسے ساکن بھرت پور

مفتی عام پریس، آگرہ ۱۸۴۴ء

یاد پیر : (منظوم) سوانح حضرت محمد شاہ ہوشیار پوری

از محمد عرفان

دہلی پرنٹنگ کورس، دہلی ۱۹۳۰ء

ہمیشہ بہار : کشن چندا خلاص مرتبہ ڈاکٹر وجید قریشی

اردو سہ ماہی، اکتوبر ۱۹۶۶ء

ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں : مولوی ابوالحسنات ندوی

وکیل بک ڈپو، امرت سر ۱۹۳۱ء

رسائل

البشیر، اٹاردہ

الندودہ، لکھنؤ

برہان، دہلی

معارف، اعظم گڑھ

منادی، دہلی

وکیل، امرتسر

الفرقان، بریلی، لکھنؤ

شخصیات

۱۳۸۱. احمد تونسوی، مولانا
۱۳۸۰. احمد، حافظ
۱۳۷۳. احمد، حاجی
۱۳۵. احمد حسن مودودی، مولانا
۱۳۴۵. احمد حسن، مولانا
۲۸۱. احمد خاں، مولوی خواجہ
۲۴۱. احمد خاں میردی، مولوی
۲۵۳. احمد دودی والا، شیخ
۵۳. احمد سعید، شاہ
۲۳۲. احمد، سید (خلیفہ شاہ فرالدین)
۲۴۱. احمد، سید مولانا
۱۳۹، ۱۳۵، ۱۳۱، ۱۳۰. احمد شاہ ابدالی
۱۴۲، ۱۴۳. احمد شاہ، بادشاہ
۴۴۱. احمد شاہ عرف کبیل پوش دہلوی
۱۳۸۲. احمد شاہ مجددی، اہل
۱۳۸۲. احمد صوفی (میرہ شریف)
۲۳۴. احمد علی خاں، سید نواب رامپور
۱۸۲. احمد علی خاں سندیلوی
۴۲۸. احمد علی سہارنپوری، مولانا
۲۹۰. احمد علی شاہ آبادی، سید
۳۱۰، ۳۱۳. احمد علی، بیابان (مجازیہ قاضی محمد عاقل)
۱۳۴۲. ابدال محمد، مولوی
۳۶۶. ابراہیم خلیل اللہ، علیہ السلام حضرت
۲۴۶. ابراہیم ذوق، شیخ
۲۲۹. ابراہیم کردی، شیخ
۱۳۴۳. ابن، پیر شاہ
۲۱، ۲۱۲، ۲۱۳. ابن تیمیہ
۱۵۲، ۱۵۰. ابو بکر صدیق، حضرت
۲۴۴. ابو بکر مولوی
۲۶۶. ابو جہل
۸۴، ۱۴۹. ابو الحجاز المعروف بخیال اللہ
۱۸۹، ۱۸۸، ۱۶۶. ابو الرضا الہندی، شیخ
۱۹۱، ۹۰.
۵۲. ابو سعید شاہ
۳۸۲. ابو الحسن لاٹھوی
۲۱۱. ابو الکلام آزاد، مولانا
۲۳۲. اتم چند
۹۳. اچھا، شیخ
۲۴۳. احسن اللہ بیابان، خواجہ
۱۴۵. احمد بن حامد، شیخ
۴۲۲. احمد الدین، صوفی
۴۰۲. احمد بخش حمیدی، شیخ

اشایہ

۱۸۳	ایک	امام الدین دہلوی، حکیم	۱۳۸	اشرف علی تھانوی، مولانا	۳۳۴	احمد قول، میان
۱۸۳	ایک	امام الدین ربانی، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵	۱۸۳	اشرف علی، سید حکیم	۳۸۱	احمد مدنی، شیخ
۲۹	باجی راؤ	۲۱۲	۲۱۳	اصالت خاں	۸۸، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷	احمد معمار
۳۳۳	باران، میان	۲۱۳	۱۴۵، ۱۴۲	آصف جاہ نظام الملک	۱۳۴۰	احمد، مولوی
۳۴	بارک، جزل	۲۱۳	۱۴۰، ۱۶۶	اعظم شاہ	۲۳۴	احمد نان، بانی، سید
۹۳	باقر محاسب مرزا	۲۳۵	۴۰	آفتاب پٹھان	۳۹۳	احمد یار خاں، محی الدولہ
۸۹	باقی باللہ، خواجہ	امام الدین، مولوی، مصنف نافع السالکین	۱۳۳۰، ۱۳۲۴، ۱۳۲۹	اقبال علامہ	۲۵۹	احمد یار، مولوی
۲۹	بالاجی و شوناٹھ	۳۸۲	۳۳۱		۲۱۹	احمد یار، میان
۳۵۱، ۳۵۰	بایزید بسطامی، شیخ	۱۱۴۹، ۱۱۴۴	۲۲۴، ۸۲، ۱۹۵، ۱۳۲، ۲۳	اکبر	۳۴۴، ۱۲۴۳	اختیار خاں
۳۸۱	بختاور، حاجی	۲۲۴	۲۲۴	اکبر آبادی	۴۰۲	ارادت اللہ نقشبندی، شاہ
۲۳۸	بخش الشریک، مرزا	۳۹۹	۲۳۶، ۱۳۳	اکبر شاہ	۲۹۶، ۶۲	ارادت خاں
۲۹۰	بخش اللہ شاہ آبادی	۲۲۸	۲۳۵، ۲۳۴، ۳۰۸، ۲۳۲	اکبر شاہ ثانی	۲۵، ۲۲	ارجن، گرو
۲۶۹	بدر الدین سلیمان، شیخ	۲۵، ۲۴	۲۹۳	اکرام الحق شاہ	۲۴۳، ۲۴۲	ارشاد علی فریدی، مولوی
۳۸۱	بدر الدین، مولانا	۲۴۱	۲۲۲	اکرام شاہ سید	۲۴۲	
۱۵۰	بدیع، شیخ	۳۸۱	۲۸۹	آل رسول مارہروی، شاہ	۱۴۳، ۱۴۳، ۱۵۵	آزاد بلگرامی، مولانا
۲۳۴، ۲۳۲	بدیع الدین، سید	۲۰۲	۲۲۲	الرحمن، شاہ سید	۵۵، ۵۴	آزردہ
۱۱۹۹	بدیع الدین، شیخ، عرف شیخ مداری ناگوری، ۱۱۹۹	۲۳۹	۳۳۹، ۳۳۲، ۲۴۲، ۳۳۰	الرحمن، شیخ	۸۲	اسپرنگر، ڈاکٹر
۱۹۹	بدیع الدین، میر	۲۹۳	۲۲۴، ۲۲۱	الرحمن، تونسوی، خواجہ	۲۳	اسپیر پر، فیصلہ
۲۲۴	بدیع الزماں	۱۵۵	۲۳۴، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۲		۸۱	اسٹرنجی
۵۹	برج لال، لالہ	۲۳۴	۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱		۲۹۰	اسد اللہ بیگ بریلوی، مرزا
۲۵۴، ۲۵۵	برخوردار، حاجی	۱۱۴۸	۲۴۲، ۲۴۴، ۲۴۵		۳۴۴، ۳۴۶	اسد خاں
۳۸۱	برخوردار، حاجی	۳۹۲	۲۴۵	اللہ جو یا،	۱۵۰	اسد اللہ شاہ
۳۳۲	برخوردار خاں، چاکر	۲۹۲	۱۶۰	اللہ غنی	۲۵۹	اسد اللہ، مولوی
۱۱۴۹، ۱۵۶	برہان الدین، شیخ، ۱۱۴۹، ۱۵۶	۲۳۱	۱۳۱۲	الہی بخش سیکر، خان، جی	۱۱۳	اسد اللہ، میان
۸۸	برہان الدین، المعروف شیخ بہلول، ۸۸	۳۲۲، ۲۹۹، ۲۸۰، ۲۴۱، ۲۴۰	۳۴۰	الہی بخش، مولوی	۱۸۸	اسد اللہ انصاری، حافظ
۲۴۶، ۲۳۴، ۲۲۵	بشیر الدین، مولوی	۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۳۹، ۲۳۷، ۲۳۶	۲۳۳	الیاس، مولانا محمد	۳۸۸، ۱۰۳	اسلم، میان
۸۹	بصیر، حافظ	۱۱۴۸، ۱۱۵۰، ۱۱۴۹، ۱۱۴۸	۳۸۱	امام الدین ڈوڈی، مولوی	۲۳۳	اسلم، مولانا
۲۶۶	بلال حبشی، حضرت	۱۵۱				

حامد، مولوی	۳۳۹، ۳۲۵
حبیب اللہ شاہ	۱۳۸۲
حبیب اللہ قادری	۲۰۲
حبیب اللہ میاں (عرف حافظ بولا)	۳۳۱
حسن ابدال	۸۰
حسن بھٹی، خواجہ	۲۴۶، ۲۰۰
حسن الزماں حیدر آبادی، مولانا،	۳۹۸، ۲۰۱
حسن شاہ، سید	۱۴۲۲، ۱۳۸
حسن شاہ قندھاری	۳۸۱
حسن عسکری دہلوی	۱۳۸۱
حسن علاء سنجر، امیر	۱۵۹، ۴۰۹
حسن علی، مولوی	۲۲۳، ۲۲۲
حسن علی، میاں	۳۳۲، ۳۳۱
حسن میاں	۲۹۲
حسن نظامی، خواجہ	۱۵۳، ۲۳۹، ۳۳۷، ۳۳۶
حسن نظامی ثانی، خواجہ	۴۳۳، ۴۳۴
حسین اکبر آبادی، مرزا،	۱۹۳
حسین امام	۴۰
حسین بخش فزوی	۲۴۴، ۲۴۵، ۳۳۱
حسین بن منصور	۲۸۶
حسین علی فچوری، مولوی	۳۴۹، ۳۴۸
حسین علی، سید	۱۸۱، ۲۹
حسین طغیان	۱۸۳
حشمت علی، سید شاہ آبادی،	۲۹۰
حفیظ ماہی، مولوی	۴۲۲
حکیم محمد حسن، سید	۴۱۲
حمید الدین ناگوری، شیخ	۴۰۲، ۴۱۰
جلال الدین، امیر	۲۴۶
جلیل قادری، شاہ	۱۵۰
جمال الدین جے پوری، شاہ	۱۳۹
جمال الدین، حافظ،	۳۸۴
جمال الدین ملتانی، شیخ	۲۴۳
جمال الدین، مولانا	۲۴۱، ۲۴۲
جمال چشتی فیروز پوری، شیخ	۲۴۳
جمال ملتانی، حافظ	۹۱
محمد شاہ، سید	۴۲۳
جنید شاہ، سید	۴۲۲
چندار شاہ	۶۳
چہانگیر بادشاہ	۲۵
جے سنگھ، راجہ	۸۴، ۲۹
جیو حافظ	۲۲۹
جیون، ملا	۸۲
چاکر، گرو	۲۴
چراغ الدین، حاجی	۳۴۲
چند زلال، راجہ	۳۹۶
چندو دہ، مولوی	۳۱۳
چندو لال، راجہ	۵۹
چھٹہ کسب دار، میاں	۴۲۰
چھیدا میاں (سید محمد شتاق)	۳۸۴
حاجی لعل صاحب	۲۴۸، ۲۴۱
حاجی میاں صاحب	۲۴۰، ۲۴۱
حافظ شیرازی،	۱۶۰
حامد استاد	۱۴۹
حامد، خواجہ (ابن شاہ کلیم اللہ)	۱۱۴

پیر محمد، میاں	۲۰۵
تاج الدین سرور	۲۶۹
تاج سرور	۲۶۹
تاج محمود	۳۱۳، ۳۱۰، ۲۴۳
تارا چند، ڈاکٹر	۲۵
تاختیا ٹوپے	۲۶
تراب علی، حافظ	۳۸۴
تفتازانی	۸۲
تقی، محمد	۳۸۲
تلوک چند، لالہ	۵۹
نوشاہ صاحب	۲۴۳
تھارو، شیخ مخدوم	۱۳۹
تیج بہادر، گرو	۲۶
تیور	۴۲۳
ٹیک چند	۵۵
جادونا تھہ سرکار، سر	۲۱، ۲۵، ۲۶، ۳۱، ۳۲
	۳۳
یارج فاسٹر	۳۴
جار اللہ، حافظ	۳۳
جائی، مولانا	۱۱۴، ۳۲۰، ۳۹۲
جائی داس، منشی	۲۴۳
جان لائوس، سر	۴۴۲
جان محمد، مولوی	۴۴۱
جان محمد خان اخون، ملا،	۲۹۰
جعفر، امیر	۳۴
جنگل کشور	۴۴، ۴۳
جلال، سید	۳۳۳
جلال الدین، مولانا شاہ	۱۳۹
بلین (غیاث الدین بلین)	۱۳۱
بلند خان	۲۰۸
بندو پو	۳۲
بہادر شاہ	۴۸، ۴۳، ۴۲، ۵۰، ۴۲، ۴۳
بہادر شاہ ظفر،	۲۳۶، ۲۲۶، ۲۲۵
	۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۹، ۲۳۸، ۲۳۴
	۳۹۴، ۳۹۳، ۳۰۸
بہاء الدین زکریا، شیخ،	۱۰۹، ۱۵۰، ۳۱۴
	۳۱۸، ۳۴۰
بہاء الدین عالمی،	۸۲، ۸۵
بھاسکر آچاریہ،	۸۰
بھاول خاں اول،	۲۵۴، ۳۳۸، ۳۴۴
	۳۴۵
بھاول خاں ثانی، نواب،	۱۲۶، ۳۹۴، ۳۹۵
بھاول خاں ثالث،	۳۴۶
بھگوان داس،	۲۴
بھول، شیخ،	۸۳
بھوپال سنگھ، راجہ،	۳۱۵
بی بی صاحبہ، حضرت،	۳۸۴
بٹنی پرشاد، ڈاکٹر	۲۵
پردل خاں	۳۴۸
پریم کشور فزائی، کنور	۵۶
پوران، حضرت	۴۱۵
پیارا، بنیا مولوی	۳۴۴، ۳۴۵
پیرا (خاکروب)	۲۰۴
پیر بخش، میاں	۴۲۲
پیر بیگم	۲۴۹
پیر قصاب، شیخ	۴۱۳

۱۵۳، ۹۰، ۱۵۹، ۱۲۳	سرسید احمد خاں
۱۲۱۳، ۳۲۴، ۲۳۸، ۲۲۳، ۱۹۸	
۳۸۱	سرفراز چشتی، مولوی
۵۹	سرور
۳۲	سعادت علی خاں
۲۴۲	سعد اللہ، حافظ
۳۸۳	سعد خیر آبادی، شیخ
۳۳۱، ۳۴۲	سعدی، شیخ
۱۴۴	سعید بن کلیم اللہ
۱۵۰	سید، حافظ
۲۹۳	سکندر علی، مولانا
۳۱۳	سکھانی، مرزا
۴۱۳	سلطان شاہ پور، شیخ
۲۲۲، ۲۴۲	سلطان محمود
۲۹۸	سلطان محمد
۳۰	سلیم اللہ
۲۲۳	سین چشتی، شیخ
۲۲۶	سلیم، شہزادہ
۲۲۵	سلیم، مرزا (خلفہ اکبر شاہ تانی)
۲۳۳	سید حقیر مرچٹ
۲۹۰۲۶	سنہا، ڈاکٹر
۲۴۴	سودا، شاعر
۲۰۸	سید احمد
۱۹۶، ۱۹۵، ۳۴، ۱۹۹	سید احمد (شہید)، مولانا
۱۸۶، ۳۲۹، ۳۲۸	
۱۸۶	سید یحییٰ
۲۶۶	سید رسول نما
۸۳	سید سلیمان ندوی، مولانا

۳۲۲	نوشنود	
۳۰۰	خیالی	
۱۸۴ ۱۸۳	خیر الله	
۱۳۱۳	خیر محمد، خواجہ	
۲۲۳ ۲۰۸	خیر النساء بیگم (ہمشیرہ شاہ عالم)	
۱۸۳ ۱۸۱ ۲۲ ۲۶	داراشکوہ	
۳۸۰	درویش محمد، خواجہ	
۱۳۳۳	دلاور	
۸۰	دراس بالونیکم	
۳۸۲	دلیل خان پوری، میاں	
۱۳۴۹ ۱۳۴۸	دوست محمد	
۸۲	دولت شاہ سمرقندی	
۲۶	دھنوک وائس	
۱۱۱۱ ۱۱۰۱۱۰۵	دیارام	
۱۳۳۳	دیوان اللہ خواجہ	
۱۳۰۳	دیوان شرف الدین	۱۳۶۰
۵۶	ذوالفقار	۱۳۳۳
۱۳۴	رابیعہ بی بی	
۲۵	رام داس گرد	
۶۳	راون	
۲۳	راوند رنا تھہ شیگور، ڈاکٹر	
۲۸۱	رتن سنگھ زنجی، راجہ	
۲۸۰	رحمت شاہ	
۱۳۱۳	رحمت اللہ کیراوی، مولانا	
۲۳۳۲ ۲۳۳۳ ۱۴۵	رحیم بخش فخری، مولانا	
۲۹۰	رحیم اللہ بکھراوی، خلیفہ	۱۳۴۲
۳۴۶	رحیم یار خاں، نواب	

۲۹۱	عبدالرحمن بکھراونی، مولوی	۳۱۳	صدر الدین، مولوی، مفتی	۱۷۸	شریف شاہ، سید	۲۹۰	سید صاحب شہزادہ اکبر (دورہ)
۲۹۰	عبدالرحمن جادوہ، مولوی	۳۲۴	صدیق محمد کاسی	۳۳۳	شریف احمد، مولوی	۱۳۵، ۱۸۸	سید محمد غوث گوالیاری، شیخ
۲۳۳	عبدالرحمن، سید	۵۵	صہبائی	۳۱۴	شریف، میان	۱۵۶، ۱۵۱، ۱۷۲	سید محمد گیسو دراز، حضرت
۳۸۲	عبدالرحمن مودی	۲۶۶	صہیب	۲۹۱	شمس الحق، شاہ	۱۸۶، ۱۷۸	
۱۹۷	عبدالرحمن موحّد کھنوی، مولانا	۲۲۵	ضابطہ خاں	۳۱۴، ۳۸۲، ۳۱۶	شمس الدین سیالوی، خواجہ	۳۲۹	سیف چشتیانی
۳۳۲	عبدالرحمن مکی، قاری	۲۹۰	ضیاء الدین، سید	۳۳۹، ۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۸	شمس الدین، مولوی	۳۱۲	سیف الدین شہید، مولانا
۲۷۷، ۲۷۲، ۲۶۷	عبدالرحمن، مولانا	۳۱۱	ضیاء الدین شاہ صاحب بچہ پوری	۳۸۳، ۳۸۲	شمس الدین، مولوی	۲۳۰	سیف الدین، میان
۳۹۳		۲۳۶	ضیاء الدین، مولانا	۲۳۱	شمس الدین، میر	۳۵	شاہ خاں
۲۹۰	عبدالرحمن، مولوی	۱۷۹	ضیاء الدین، مولانا شاہ	۳۳۲	شوق، حافظ احمد علی خاں	۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۱، ۱۶۹، ۱۶۸	شاہ ابھاراں بادشاہ
۷۳، ۷۳، ۷۳	عبدالرحیم، شاہ دہلوی، مولانا	۲۳۶، ۲۳۱	ضیاء الدین، میر	۳۳۲	شہاب الدین، بھائی	۲۹۷، ۹۵، ۸۱	شاہ حبیب علی شاہ
۸۹		۱۱۵	ضیاء اللہ (ضیاء الدین) میان	۱۵۲، ۱۳۶	شہاب الدین سہروردی، شیخ	۳۹۸	شاہ حبیب علی شاہ
۱۷۷، ۱۹۷، ۱۵۰	عبدالرحیم، شیخ	۱۷۷	ضیاء بخشی،	۳۶۳		۲۳۳	شاہ روح اللہ
۲۷۷	عبدالرحیم، مولانا	۳۰	طارق (بن زیاد)	۳۸۱	شہوار مولوی	۱۹۳، ۳۳، ۳۷، ۳۵	شاہ عالم (بادشاہ)
۲۹۱	عبدالرسول، خلیفہ	۲۳۳	ظہور اللہ	۳۸۱	شیر شاہ، پاک پٹن، سید	۲۳۶، ۲۲۳، ۲۰۸	
۱۳۱، ۱۰۵	عبدالرشید	۲۹۳	ظہیر الدین شاہ	۳۱۳	شیر محمد، خواجہ	۷۳	شاہ عالم (ثانی)
۳۰۰	عبدالرؤف خاں شروانی	۲۳۳	ظہیر الدین کیراوی، مولانا	۱۷۹، ۸۳	شیر محمد	۲۳۳، ۲۳۳	شاہ قمر الدین
۲۷۲	عبدالستار	۲۵۹، ۲۵۳	عاقلی بی بی	۲۸۲	شیرین	۲۳۳	شاہ محمد اعظم
۲۳۰	عبدالسلام، میان	۳۷۴، ۲۷۴، ۲۷۰	عاقلی محمد قاضی	۲۸۳، ۲۸۳، ۲۸۳، ۱۵۵	شیفہ	۲۳۲	شاہ مراد
۲۹۱	عبدالسلام نیاززی دہلوی، مولانا	۲۷۲	عالم بخش میان	۲۷۹	صاحب بی بی (دختر شاہ محمد نور)	۳۱	شاہ جو، راجہ
۳۸۱	عبدالغفور خیر آبادی، میان	۲۷۲، ۲۷۱، ۲۷۰	عالم گیر بادشاہ	۳۷	صادق	۳۷	شجاع الدولہ (نواب)
۲۹۰	عبدالشہید یار تھانی، محمد دم	۳۷۳	عبدالحمید خاں	۳۱۳	صادق علی، ڈاکٹر	۳۲۱	شجاع الدین، خواجہ
۲۳۰	عبدالصمد	۳۲۵، ۳۲۱، ۳۲۰	عبدالحمید، شیخ	۲۹۳، ۲۲۹	صادق علی شاہ	۳۷۹، ۳۷۸، ۳۳۶	شجاع، شاہ
۳۹۹	عبدالصمد، حافظ	۷۷	عبدالحمید محدث دہلوی، شیخ	۳۲۲	صالح شاہ، سید	۳۲	شجاعی
۳۷۷	عبدالصمد خاں، نواب	۳۳۲	عبدالحمید خیر آبادی، مولوی	۳۸۱	صالح محمد قوسوی، مولوی	۲۹۰، ۲۵۹	شرف الدین
۱۷۹	عبدالصمد، مولانا	۱۸۷	عبدالحمید، مولانا	۲۷۳	صالح محمد شاہ، سید	۳۸۱	شرف الدین سوتری، مولوی
۵۲، ۳۹، ۳۰، ۲۸، ۲۷	عبدالغفور دہلوی، شاہ	۲۷۹	عبدالحمید فرخ علی، مولانا	۲۷۳	صبغۃ اللہ، قاری	۳۳۱	شرف الدین فیروز پوری، مولوی
۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۱۸۳، ۱۷۹، ۱۷۸		۳۱۳	عبدالرب، سید	۱۸۷	صدر	۳۸۲	شرف الدین گردستانی
۲۳۷، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰		۸۲	عبدالرحمن	۳۱۲	صدر الدین عباسی، مولوی	۳۱۰	شرف الدین بکھری

۱۳۳۱، ۱۳۳۴	غلام حسین	۳۸۱	علی محمد امام	۳۳۰	عبدالوہاب	عبدالعزیز، مولوی سکندر قمر بھٹی، ران
۲۴۳	غلام حسین بھٹی	۳۴۲	علی محمد تراج	۲۴۳	عبدالوہاب اوجی	۳۲۵، ۳۲۳
۲۱۴	غلام حسین، مرزا	۱۲۲۲، ۱۲۱۹، ۱۲۱۸، ۱۲۱۵	علی محمد، حاجی	۲۲۲	عبدالوہاب بیگانہ، مولوی	عبدالعلی سحر العلوم، مولانا، ۲۰۰
۲۴۷	غلام حسین، مولوی، حافظ	۲۲۹	علی محمد شاہ، خواجہ	۲۹۰، ۲۹۱	عبداللہ جی بھٹی	عبدالغفار، مولوی
۲۲۴	غلام حسین یار، میر	۳۲۲	علی محمد بوتانی، میاں	۳۲۵	عبداللہ ملتان	عبدالغفور
۱۳۲۳، ۱۳۲۱	غلام حیدر شاہ	۲۲	علی وردی خاں	۹۳	عثمان غنی رحمہ اللہ	عبدالغنی، شاہ
۲۹۸	غلام حیدر، مخدوم	۲۳۵	غلام الدین، سید محمد	۳۳۱	عراقی	عبدالغادر
۱۳۳۴، ۱۳۳۵	غلام حیدر، میاں	۳۳۰	عمر خاں	۱۰۱	عراق الحی	عبدالغادر جیلانی، شیخ
۲۴۲	غلام دستگیر	۳۱۲	عنایت شاہ، مخدوم	۲۲۲	عزیز احمد نظامی، مولوی	عبدالغادر، شاہ
۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۲۴۲	غلام رسول	۲۳۴	عنایت اللہ، حجام	۲۴۳	عزیز اللہ، قاری	عبدالغادر، شیخ ہر
۳۸۲	غلام رسول، حافظ	۲۹۰	عوض محمد بدشتانی	۲۹۲، ۲۹۱، ۲۸۹-۲۸۸	عزیز میاں صاحب	عبدالکریم، شیخ
۲۴۷	غلام رسول خاں، شاہ	۳۳۵	عیسیٰ جعفر، میاں	۱۷۸	عشق اللہ، شاہ	عبدالکریم، مخدوم
۳۸۲	غلام رسول طیفردی، مولوی	۳۲۵	عیسیٰ خان پوری، قاضی	۲۲۳	عصمت اللہ، میاں	عبداللطیف چیمپائی، میاں
۳۵۲	غلام رسول کوانان	۲۲۲	عیسیٰ خیل	۲۸۸	عطارد، (فرید الدین شیخ)	عبداللطیف، خواجہ
۱۳۸۱، ۱۳۸۰، ۲۴۰، ۲۵۱، ۱۷۹	غلام سرور	۲۳۳	عیض علی، میر	۷۸	عطاء اللہ	عبداللطیف سمرقندی
۳۳۰، ۱۳۱۹، ۳۰۹	غلام، شاہ	۱۹۹	غازی الدین خاں نظام، مصنف مناقب فخریہ	۲۴۱	عطاء اللہ، خواجہ	عبداللطیف، شاہ
۳۷۵	غلام شاہ، سید	۱۹۹	غازی الدین خاں، (نواب) (فرور جنگ)	۲۹۹	عطاء اللہ رشیدی (رشدی)، ۱۸۱، ۸۰، ۷۹	عبداللطیف، شیخ دولت مندانی
۲۴۲	غلام صدیق	۱۳۱، ۲۵۵، ۱۹۹، ۱۹۳، ۱۹۱، ۱۷۲	غازی الدین خاں، (نواب) (فرور جنگ)	۳۸۲	عظمت بی بی	عبداللہ پشوری، مولانا
۱۳۹۲، ۱۵۴، ۵۲، ۲۹، ۱۵۳	غلام علی، شاہ	۲۳۸، ۱۳۵، ۱۰۰، ۵۹، ۵۳	غالب	۲۴۳، ۲۲۲، ۲۰۲	عظمت اللہ، مولوی	عبداللہ چکری
۳۹۳، ۱۳۲۶	غلام محمد الدین	۱۳۶	غزالی، امام	۲۴۳	عظمت میرن شاہ، حافظ	عبداللہ خاں
۱۳۱۲، ۲۴۲	غلام فرید چشتی	۲۳۱	غلام احمد بریان، مولانا	۲۲۳	عظیم الدین	عبداللہ دین دار
۱۳۳۲، ۲۴۳، ۲۴۱	غلام فرید چشتی	۲۳۹	غلام احمد قادیانی، مرزا	۲۲۲	علاء الدین، مولوی	عبداللہ، مولانا
۱۳۱۲، ۲۴۲، ۲۴۰	غلام فرید، حافظ	۱۷۸	غلام بہاء الدین	۳۷۱	علی حیدر صاحب، میاں	عبداللہ، میاں
۱۷۸	غلام قادر خاں	۳۳۱	غلام حسن خاں، قلیف	۳۷۲	علی الدین بہاول پوری	عبدالملک، سید
۱۷۵	غلام قادر و جیلہ	۳۳۳، ۳۳۵	غلام حسن شہید ملتان، منشی	۷۰، ۷۳، ۷۴	علی کریم اللہ تعالیٰ وجہ، حضرت	عبدالواحد
				۲۰۰		عبدالواحد، مولانا

۳۸۵	۲۳۴	۲۳۰	تقطب صاحب دفتر
۳۸۱			قطب الدین
۲۳۹	۵۶		قطب الدین باطن، کلیم سر
۱۹۳			قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ
۳۹۴	۲۵۸	۲۳۵	قطب الدین، مولانا
۲۴۱			قلندر بخش
۲۵۶			قرالدین، خواجہ
۲۴۲			قرالدین
۳۱۲			قرالدین، مولانا، شاہ
۲۷			قمیص قادری، شاہ
۲۴۹			قیام اصدق شاہ
۳۸۱			قیام الدین دہلوی، میر
۲۸۲			قیس
۲۳۸	۵۴		کالے صاحب (میان نصیر الدین)
۳۹۴	۳۴۷	۲۳۹	کامگار خاں، خواجہ
۱۸۱	۱۸۰	۱۷۹	کامگار خاں
۱۱۷۳	۱۹۱	۱۳۴	کامگار خاں
۱۱۷۳	۱۹۱	۱۳۴	کاؤس شکوہ
۱۷۹			کرم علی شاہ
۳۱۲			کریم حیدر
۱۸۹			کریم الدین، قاضی
۵۳			کسل سنگھ
۸۶	۷۸		کشن چندا خلاص
۲۴۴			کلب علی خاں، نواب

۳۳۱	۱۱۳	۳۳۱	قرید الدین عطاری، خواجہ
۲۴۳	۳۷۳	۳۴۳	قرید الدین، مولوی
۳۷۳			قریدون
۲۴۵			قرینک ٹن، کرنل
۲۴۷	۳۱۳	۳۱۳	فضل احمد فریدی، مولوی
۳۲۰			فضل احمد قریشی، میان
۳۹۴	۲۹۳		فضل حق شاہ، مولانا (خیر آبادی)
۳۴۳	۳۱۳		فضل رحمن گنج مراد آبادی، مولانا
۳۲۹			فضل الدین، خواجہ
۲۴۱			فضل الدین، مولوی
۳۸۲	۲۸۱	۳۸۲	فضل شاہ کشمیری، مولوی
۳۸۱			فضل علی بھجوری، میر
۳۱۳			فضل علی خاں، میان
۳۱۲			فضیلت النساء
۵۰			فیاض الدین، منشی
۹۳			فیروز، شیخ
۲۴۳			فیض، شاہ
۲۹۳	۱۱۱		فیض اللہ شاہ
۳۸۲			فیض اللہ شاہ، بھجوری
۲۷۳	۲۷۰		قادر بخش، حافظ
۳۸۱			قادر بخش، مولوی
۱۹۱			قاسم
۳۷			قائم چاند پوری
۲۴۷			قائم الدین شاہ
۲۸۱			قدرت اللہ قاسم
۱۳۶			قشیری، امام

۲۵۳			فتح دریا نیکو کار
۲۴۲			فتح محمد صاحب، مولوی
۳۱۲			فتح محمد طائی، قاضی
۲۰			فخر الدین دہلوی
۷۵			فخر الدین مزوری، مولانا
۲۴۴	۲۴۲	۲۴۱	فخر الدین دہلوی، شاہ
۲۴۹	۲۴۸	۲۴۷	۲۴۶
۲۴۶	۲۳۵	۲۳۴	۲۳۳
۲۴۴	۲۴۳	۲۴۲	۲۴۱
۲۵۱	۲۴۹	۲۴۸	۲۴۷
۲۵۸	۲۵۷	۲۵۶	۲۵۵
۲۶۶	۲۶۵	۲۶۴	۲۶۳
۲۶۹	۲۶۸	۲۶۷	۲۶۶
۲۸۰	۲۷۹	۲۷۸	۲۷۷
۳۰۸	۳۰۷	۳۰۶	۳۰۵
۳۳۴	۳۳۳	۳۳۲	۳۳۱
۳۹۸			
۲۹۰			فخر الدین میان صاحب
۱۳۷			فخر النساء بی بی
۹۸	۹۷	۹۶	۹۵
۴۴۵	۴۴۴	۴۴۳	۴۴۲
۴۴۷	۴۴۶	۴۴۵	۴۴۴
۴۴۸	۴۴۷	۴۴۶	۴۴۵
۲۲۹			فرید خواجہ، چاچران والے
۵۹			فرید الدین خان، نواب دیر الدولہ
۱۳۱	۱۳۰	۱۲۹	۱۲۸
۱۲۵	۱۲۴	۱۲۳	۱۲۲
۱۲۳	۱۲۲	۱۲۱	۱۲۰
۸۲			فاصلی کرمانی

[illegible]

۲۹۶	محبوب اللہ احمد
۲۵۵	محکم دین سیلانی
۳۱۳	محکم الدین، میاں
۵۲	محمد آفاق شاہ
۱۸۸	محمد ابراہیم کردی، شیخ
۱۴۷	محمد احسان اللہ
۲۹۸	محمد اسحاق، حاجی
۱۵۴	محمد اسحاق، شاہ
۳۹۸ - ۳۹۹	محمد اسلم، حافظ
۱۷۸ - ۱۸۱	محمد اسماعیل
۵۲	محمد اسماعیل، شاہ
۴۱۵	محمد اشرف، قاضی
۳۸۲	محمد اعظم شاہ
۳۳۶ - ۳۳۷	محمد اکبر شاہ
۳۴۲	محمد اکبر مصیبر پوری، خواجہ
۲۷۳	محمد اکرم، مولوی
۲۳۵، ۲۳۸، ۲۴۱، ۲۴۶	محمد امین
۲۴۱	محمد باقر، محمد میاں
۲۷۳	محمد بخش چشتی
۴۰۰	محمد جان خاں شیرانی، مولوی
۸۹	محمد جان گھوسی
۱۸۷	محمد جان میاں
۱۷۸	محمد جعفر
۳۱۷، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵	محمد جمال، حافظ
۲۷۳	محمد جہانیاں، مخدوم
۲۷۶	محمد حافظ
۳۱۳، ۳۲۰، ۳۲۱	محمد حامد

۲۶	گربندو گرو	۴۹، ۴۵، ۵۲، حضرت
۳۲	گوپی ناتھ	۴۴، ۴۵، ۴۳، ۴۳، ۴۲، ۴۱
۳۸۴	گوہرا ونچا، حافظ	۱۹۴، ۹۳، ۹۱، ۸۹، ۸۸، ۸۳، ۷۹
۳۱۲	لال شاہ، سید	۱۱۰، ۱۱۰، ۱۱۰، ۹۸، ۹۴، ۹۹، ۹۵
۴۱۱	لطف خاں	۱۲۵، ۱۲۳، ۱۱۹، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹
	لطف اللہ، استاد العلماء مولانا	۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹
۲۴۳	لطف اللہ خاں، خواب	۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰
۱۸-۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶	لطف اللہ مہندس	۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۱، ۱۵۹، ۱۵۸
۸۳، ۸۲، ۸۱		۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰
	لطیف الزماں، شاہ عرت بادشاہ میان	۱۹۲، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۳، ۱۸۱، ۱۷۹
۳۹۸		۲۶۴، ۲۶۳، ۲۶۲، ۲۶۱، ۲۶۰
۴۱۱	لطیف النساء	۲۶۰، ۲۵۳
۴۱۵	لعل بیگ مرزا	کمال، قوم چھٹا
۳۴۴، ۳۴۷	لعل خاں شکافی	کمال الدین
۴۱۳	لعل شاہ میان	۹۲، ۷۲
۶۳، ۴۲	لعل کنور	کندل لال اشکی
۲۳۸	لعل محمد، مولانا حاجی	۲۸۱
۴۱۳	لعل محمد، نقاب سونگھی، فتح پوری	۲۹۲
۳۹۹	ماجد حسین، سید	۳۷۸
۴۱۵	مادھو سنگھ راؤ	۴۲۲
۴۲۲	مارک شاہ	۳۱۳
۲۹۸	مفتی خاں بلوچ	گل محمد، احمد پوری، خواجہ
۴۹، ۴۵، ۴۲، حضرت	مجدد العارف ثانی	۲۶۵، ۲۶۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰
۲۲۴	مجدد الدولہ بہادر	۳۰۳، ۳۰۱، ۳۰۰، ۲۹۸، ۲۹۰
۲۴۹	محب اللہ، خواجہ	۳۲۰، ۳۱۵، ۳۱۴، ۳۱۳، ۳۱۰
۳۸۲	محبوب عالم، مولوی	۳۸۰، ۳۷۴
۳۱۸	محبوب عالم خاں، خواب	گل محمد، مفتی، مولانا
۲۹۳	محبوب علی شاہ	۲۹۳، ۲۹۲، ۲۹۱
		۲۷۲، ۲۷۰
		۳۰

محمد یوسف اشیر	۱۹۴	محمد قاسم، مولوی، مولانا	۱۰۱	محمد عظیم بن عبدالرحمن میر	۲۴۳	محمد شاہ ۱	۱۱۸۳، ۱۸۴، ۱۹۳، ۵۲، ۵۰، ۱
محمد یوسف، مولانا	۲۳۳	محمد قطب الدین شرقی	۲۴۳	محمد علی	۱۸۴، ۱۸۵	محمد شاہ خیر آبادی	۳۹۳
محمود	۲۴۲	محمد کامل، قاضی	۲۴۳	محمد علی خوشنویس	۱۸۴	محمد شاہ غزنوی	۴۲۲
محمود بخش، میاں	۲۴۱	محمد کفایت اللہ	۲۹۰	محمد علی خیر آبادی، حافظ	۱۰۳، ۱۳۸	محمد شاہ کشمیری، حکیم	۲۹۳، ۲۹۲
محمود، حافظ	۱۵۰، ۱۴۴، ۱۴۳	محمد گبولی	۲۴۴، ۲۴۲	محمد علی، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵		محمد شریف محمود	۲۹۸، ۲۹۹، ۳۱۳
محمود، خواجہ	۳۳۹	محمد لطف اللہ، مفتی	۲۴۸		۴۰۴	محمد صادق خان، نواب (پسر بھاول خان)	۳۴۵، ۳۴۶
محمود شاہ درویش	۲۱۳	محمد مسعود چراگد والا	۲۴۳	محمد علی ریاضی	۴۹	محمد صالح ملتانی	۳۱۲
محمود شاہ، مرزا	۳۱۰	محمد مسعود، حافظ	۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۶، ۲۵۵	محمد علی سید	۱۵۰	محمد صالح، مولوی	۲۵۹، ۲۵۶، ۲۳۲، ۲۵۹
محمود، شیخ	۱۴۹، ۱۴۱۲	محمد شتاق عرف پھیر، میاں	۳۸۳	محمد علی، ۱۰۸			۱۴۳۶، ۱۴۳۷
محمد عالم پھر پوری، مولوی	۱۲۹۰	محمد موسیٰ، حافظ	۳۴۱، ۳۴۰	محمد علی مکھڑی (صاحب زادہ نور بخش)	۱۰۸	محمد ضیاء الدین	۲۲۱
محمد الدین ابن عربی، شیخ	۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶	محمد مولانا	۲۴۴، ۱۰۵	محمد علی، مولانا شاہ	۱۲۹	محمد طاہر اشیر	۲۲۹
محمد الدین ابویوسف، شیخ	۱۴۳، ۱۴۱	محمد مہدی، حاجی	۲۴۵	محمد علی، میر	۳۹۰	محمد طیب ساکن بلیل بری	۲۲۳
محمد الدین، شاہ	۲۹۱	محمد میاں	۳۱۳	محمد عمر، حکیم قاضی	۱۹۶	محمد ظہور اللہ	
محمد دوم، جہانیاں، حضرت	۲۲۳	محمد میاں (محمد باقر)	۲۴۱	محمد عمر سید پوری، قاضی	۲۴۳، ۲۴۲، ۲۸۳	محمد عاقل، خواجہ	۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۰۳
محمد جی بدشتانی	۲۹۱	محمد میر، سید	۲۴۳	محمد غوث (میر شاہ کلیم اللہ)	۲۴۲، ۲۴۱	محمد عاقل، خواجہ (کریم)	۲۹۸، ۲۹۵، ۲۹۶
محمد دوم، محمد یعقوب	۲۹۸	محمد نجیم الدین	۳۱۵	محمد غوث، بیدار	۲۴۳		۲۹۹، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰
مدار صاحب	۹۷	محمد نصیر الدین، مولانا	۳۱۵	محمد غوث کرت پوری	۲۴۲		۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲
مرزا خاں	۳۲۶	محمد واصل	۳۲۲، ۳۴۹	محمد غوث، میاں	۳۱۲	محمد عاقل، قاضی	۲۹۸، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۱۰
مستان خاں، مولوی	۲۹۱	محمد واصل، حاجی	۲۱۳، ۲۲۳	محمد فاضل	۹۳		۳۱۳، ۳۳۲
مستان شاہ خراسانی	۳۸۲	محمد، حکیم	۱۲۴، ۱۳۸، ۱۳۹	محمد فاضل نیکوکار، میاں	۲۴۳	محمد عبدالصمد فخری، دیوبند	۲۴۱
مسکین شاہ، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳		محمد یار، کلچوری	۳۸۱، ۳۸۰	محمد فتح اللہ	۲۴۲	محمد عبدالصمد، دیوبند	۳۹۹
مصباح الحسن، مولانا	۳۹۹	محمد یار بیگ، میاں	۱۴۸	محمد فخر عالم شاہ جہاں پوری	۲۹۰	محمد عبداللہ	۲۱۵، ۲۲۱
مصطفیٰ	۵۹، ۲۸۱، ۲۸۲	محمد یار جہانادی، مولوی	۳۸۲	محمد فضل شاہ	۲۴۷	محمد عبداللہ خاں	۲۹۰
مصطفیٰ الدین، شیخ	۲۱۳	محمد یار میاں	۲۱۷	محمد فضل اللہ	۱۲۷	محمد عبداللہ شاہ، حافظ	۱۲۹
مصطفیٰ خاں	۵۴	محمد یحییٰ، مولانا	۳۳۳	محمد قاسم، حافظ	۱۹۳	محمد عثمان وزیر شیلی کابل	۲۹۰
مصطفیٰ مراد آبادی، خواجہ	۱۴۹، ۱۵۰	محمد یوسف، خواجہ	۲۴۱				

۱۵۳	مصطفیٰ الدین، نواب
۲۲۴	منظف علی، شاہ
۳۳۱، ۳۳۱، ۳۰	منظف جان جاناں، مرزا
۱۲۰۵، ۴۹، ۵۹، ۵۸، ۵۲	
۲۲۳، ۲۲۰	
۲۹۳	منظف الحق، شاہ
۲۲۱	منظف الدین، مولوی
۱۸۴	معین الدین، حشقی، خواجہ
۳۳۲	معین الحق، صاحبزادہ
۲۲۲	مکرم، مولوی
۲۹۰	ملک سلطان برہان
۱۳۹۶، ۳۸۵، ۳۸۳	مینا لکھنوی، شاہ
۲۸۱	منو لال، راجہ
۵۰	منو، مرزا
۳۱۲	میر خان، صاحبزادہ
۱۴۹	مورود، حافظ
۲۰۵	موسیٰ علیہ السلام، حضرت
۳۱۳	مولانا بخش سنگتراش
۲۹۰	مولاداد خاں
۱۹۸، ۵۳	مومن
۳۱۲	مہج خاں جی قائم خانی، رسال دار
۳۳۲، ۳۲۸، ۳۲۱	مہر علی شاہ گولڑہ، پیر
۳۳۸	
۲۰۵	میال میر محمد
۲۲۹	میال محمد، خواجہ
۱۳۹	میال میر لاہوری، حضرت
۳۳۸	میال نصیر الدین عرف کالے صاحب
۲۳۹	

۲۳۳	میر ہوشاں
۱۵۵، ۱۵۱، ۴۴، ۴۱، ۳۹	میر تقی میر
۱۲۴۶، ۱۱	میران شاہ محمد ابن بہادر شاہ ظفر
۲۰۵	میر حسن، حکیم
۱۳۸	میر شاہ
۱۲۳۳، ۲۰۸	میر کبک
۱۲۳۶، ۲۲۵، ۲۲۳	میر محمدی
۳۰۰	میر ہاشم
۳۱۳	میران بخش معمار، شیخ
۳۵	میکالے، لارڈ
۳۳۴	مینائی، منشی امیر احمد
۱۲۳، ۳۰، ۳۹، ۲۴	نادر شاہ
۱۸۳	
۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۸	نارود وال صاحب
۴۳۳، ۴۳۰، ۴۴۱، ۴۴۵	
۱۹۴، ۱۹۰	ناصر جنگ، نظام الدولہ
۲۴۳	ناصر، حافظ
۲۵، ۲۴، ۲۳	نانک، گرو
۲۴۲، ۲۴۰	نبی بخش، حافظ
۲۴۳	نبی، حافظ
۳۴۴	نپولین
۲۰۲	نقو
۲۱۵	نجمت خاں
۲۹۹، ۲۹۸، ۱۳۵	نجم الدین، حاجی، مولانا
۳۴۹، ۲۹۵، ۲۵۲، ۳۲۵	
۳۰۲، ۳۰۱، ۳۹۳، ۳۸۲	
۳۱۲، ۳۰۸، ۳۰۶، ۳۰۴	
۱۳۶	نجم الدین نسفی، امام

۹۲	نظام شیخ
۲۲	نظام الملک
۲۲۸	نظیر الدین، شاہ، سید
۲۹۰	نصرت اللہ خاں بخاری
۲۲۶	نواز شمس علی، مولوی
۲۴۳	نوبہاراجی، مقدم
۲۲۲	نوبہار، شاہ
۲۲۴، ۲۴۰، ۲۴۹	نور احمد، شیخ
۲۴۱، ۳۴۵، ۲۴۲	
۳۱۱	نور احمد، مولانا
۲۴۱	نور بخش
۳۸۱	نور بخش، صاحبزادہ
۴۹	نور جہاں
۳۸۱، ۲۴۲، ۲۴۱	نور جہانیاں، میاں
۲۴۲، ۲۴۰، ۲۴۱	نور حسین، شیخ (ابن نور الصمد)
۳۳۳	نور خان کرمانی
۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۴۲	نور الدین، خواجہ
۱۸۱، ۱۸۰	
۳۸۱	نور الدین ڈھنڈی، حافظ
۲۲۹	نور الدین، سید
۲۲۲، ۲۱۴، ۲۱۵	نور الدین قرنی، سید مصنف نثر العالیین
۲۴۰، ۲۴۹	نور الصمد، شیخ (ابن شاہ نور محمد)
۲۴۳	
۳۸۱	نور عالم سکندر، مکھند
۴۲	نور قطب عالم
۲۴۰، ۲۴۹، ۲۴۸	نور الحسن، شیخ (ابن شاہ نور محمد)
۲۴۳	نور الحق
۳۱۱	نجم الہدیٰ
۳۰، ۳۳	نجیب الدولہ
۲۴۲	نجیب الدین، مولوی، شیخ
۲۴۲، ۳۱۲	نصیر بخش
۵۲	نصیر خواجہ
۳۱۱، ۲۹۱	نصیر الدین شاہ
۱۳۶، ۴۲، ۴۱	نصیر الدین چراغ دہلی، شیخ
۱۴۴، ۱۸۴، ۱۴۱	
۳۱۶	نصیر الدین، مولانا
۴۴	نصیر توسی
۲۴۲	نظام بخش
۳۳۴	نظام الدین، پسر کالے صاحب
۲۲۱، ۱۳۶، ۱۳۴	نظام الدین اولیاء، حضرت شیخ
۳۰۹، ۳۴۲، ۳۲۶، ۲۵۸	
۲۹۱، ۲۹۰، ۱۵۵	نظام الدین، تاج الاولیاء شاہ
۲۴۱	نظام الدین قوسوی، خواجہ
۸۳، ۴۹، ۱۱۰	نظام الدین، شاہ (اورنگ آبادی)
۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۵، ۹۹، ۹۶	
۱۱۹، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱	
۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰	
۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۵، ۱۵۴	
۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵	
۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵	
۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵	
۱۸۱، ۱۸۰، ۱۴۹، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲	
۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱	
۳۸۳	نظام الدین، مولوی
۳۸۲، ۱۳۵، ۵۳	نظام الدین، میاں
۱۴۰	نظام الدین، نارغوی، شیخ

۲۹۰	یار محمد کاظمی، مولوی	۱۹۰	ہمت یار خاں
۳۰۱	یارن والی	۳۳۳، ۳۳۲	ہلسٹن، کرنل
۹۳، ۹۳، ۹۲، ۹۱،	یحییٰ مدنی، شیخ	۲۵۲، ۲۵۳	ہندال جات
۱۵۵، ۱۳۹		۳۷	ہندو رائے، راجہ
	یوسف خواجہ (برادر شاہ سلیمان تونسوی)	۵۵	ہنری ایلٹ
۳۳۱، ۳۳۰		۳۱۳	ہوت میاں
۳۸۸	یوسف، شاہ	۴۱۳	یار محمد پشاور، مولانا
۳۹۶	یوسف علیہ السلام، حضرت	۲۲۳، ۲۲۱، ۶۳	یار محمد، صوفی

مقامات

۳۳۳۳، ۳۳۳۲، ۳۳۰۱	اوج	۳۸۲، ۳۷۷	انک
۳۳۸۶، ۳۳۸۳، ۳۳۲۲	اورده	۳۸۵، ۳۹۰، ۳۳۱، ۱۹۳، ۲۹	اجیسر
۳۱۲	اوده پور	۳۱۳، ۳۱۳، ۳۱۲، ۳۱۱	
۱۱۷۶، ۱۱۷۲، ۱۱۵۹، ۸۰	اورنگ آباد	۱۸۳، ۱۵۲، ۱۵۱	اجیسری دروازہ کا مدرسہ
۱۱۷۱، ۱۱۹۱، ۱۱۹۰، ۱۱۸۵، ۱۱۷۹، ۱۱۷۷		۱۹۷، ۱۹۳	
۲۵۵		۳۱۶، ۱۸۷	اجین
۳۸۲	ایبٹ آباد	۲۳۹	احمد کالے صاحب
۱۹	ایران	۹۲، ۶۳	احمد آباد
۹۵، ۷۳	بازار خانم	۳۱۵، ۳۱۴، ۲۹۵، ۲۵۲	احمد پور
۱۵۲، ۱۵۱	بازار خانم کا مدرسہ	۳۹۵، ۳۷۶، ۳۷۵، ۳۷۱	
۸۶، ۸۵	باغستان	۲۳۹	آرہ
۲۵۴	بیلا نہ موضع	۳۲۸	اسکندریہ
۲۷۳	بجیدانہ	۳۳۷، ۳۳۵، ۳۲۷	افغانستان
۳۵۴، ۴۷	بکھارا	۳۷۸، ۳۷۹، ۳۷۸	
۲۹۱	بدایوں	۲۰۴	اکبر آباد
۲۷۹	بدخشان	۱۰۵، ۸۰، ۳۲، ۳۲	اگرہ
۲۵۴	بڈھیراں	۲۹۳، ۱۴۸	الہ آباد
۸۲	برٹش میوزیم	۳۳۶، ۳۳۵، ۳۱۳، ۳۱۳	امروہہ

۲۸۹	نورالدین	۲۸۹	نورالدین
۲۳۲۷۷۹۷۷	نورالله مولوی	۲۳۲۷۷۹۷۷	نورالله مولوی
۷۹	نورالله احمد	۷۹	نورالله احمد
۳۳۰	نورمحمد	۳۳۰	نورمحمد
۲۷۷	نورمحمد یازده	۲۷۷	نورمحمد یازده
۳۱۳	نورمحمد بانی پتی مولانا	۳۱۳	نورمحمد بانی پتی مولانا
۲۷۳	نورمحمد سکنه نوا	۲۷۳	نورمحمد سکنه نوا
۳۸۱	نورمحمد سندھی	۳۸۱	نورمحمد سندھی
۲۳۱۷۳۵۷۲۰۹۷۲۰۷	نورمحمد، شاه	۲۳۱۷۳۵۷۲۰۹۷۲۰۷	نورمحمد، شاه
۲۵۷۷۲۵۵۷۲۵۷۲۵۷۲۵۷		۲۵۷۷۲۵۵۷۲۵۷۲۵۷۲۵۷	
۲۷۱۷۲۷۰۷۲۵۹۷۲۵۸۷۲۵۷		۲۷۱۷۲۷۰۷۲۵۹۷۲۵۸۷۲۵۷	
۲۷۷۷۷۲۷۵۷۲۷۳۷۲۷۳۷۲۷۳		۲۷۷۷۷۲۷۵۷۲۷۳۷۲۷۳۷۲۷۳	
۲۷۳۷۲۷۰۷۲۷۹۷۲۷۸۷۲۷۷		۲۷۳۷۲۷۰۷۲۷۹۷۲۷۸۷۲۷۷	
۲۷۷۷۲۷۵۷۲۷۱۷۲۷۷۷۲۷۷		۲۷۷۷۲۷۵۷۲۷۱۷۲۷۷۷۲۷۷	
۲۹۸		۲۹۸	
۳۰۳۷۲۹۸۷۲۹۸۷۲۹۸	نورمحمد قاضی (بن محمد شریف)	۳۰۳۷۲۹۸۷۲۹۸۷۲۹۸	نورمحمد قاضی (بن محمد شریف)
۲۹۷	نورمحمد، مخدوم	۲۹۷	نورمحمد، مخدوم
۷۱۰۹	نورمحمد، مرید شاه نظام الدین اورنگ آبادی	۷۱۰۹	نورمحمد، مرید شاه نظام الدین اورنگ آبادی
۳۰۷	نورمحمد ملکائی	۳۰۷	نورمحمد ملکائی
۲۷۷۷۲۷۵۷۲۷۵۷۲۷۵۷۲۷۵	نورمحمد مہاروی	۲۷۷۷۲۷۵۷۲۷۵۷۲۷۵۷۲۷۵	نورمحمد مہاروی
۳۱۷۷۲۰۹۷۲۰۹۷۲۰۹۷		۳۱۷۷۲۰۹۷۲۰۹۷۲۰۹۷	
۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳		۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳	
۳۳۳		۳۳۳	
۳۳۸۱۳۰۰۷۲۷۷۷۲۷۷	نورمحمد میاں (بزرگ خواجہ محمد غافل)	۳۳۸۱۳۰۰۷۲۷۷۷۲۷۷	نورمحمد میاں (بزرگ خواجہ محمد غافل)
۳۸۲	نورمحمد تاروالہ	۳۸۲	نورمحمد تاروالہ
۲۸۱۷۲۸۰۷۲۷۹۷۲۷۸۷۲۷۸	نیازا محمد بریلوی، شاه	۲۸۱۷۲۸۰۷۲۷۹۷۲۷۸۷۲۷۸	نیازا محمد بریلوی، شاه
۲۸۷۷۲۸۵۷۲۸۳۷۲۸۳۷۲۸۳		۲۸۷۷۲۸۵۷۲۸۳۷۲۸۳۷۲۸۳	

۱۳۴۱/۱۳۴۲/۱۳۴۳/۱۳۴۴	۲۹۸	بہرون
۱۳۰۲/۱۳۰۳/۱۳۰۴/۱۳۰۵	۲۲۱/۲۵۶	بکیرہ
۱۳۲۶/۱۳۲۷/۱۳۲۸/۱۳۲۹	۲۲۸	بیت المقدس
۱۳۲۳	۱۵۸	بیجاپور
۱۳۲۳/۱۳۲۴/۱۳۲۵/۱۳۲۶	۲۲۸	بیرت
۱۳۲۳	۱۳۳۴/۱۳۱۲	بیکانیر
۱۳۳۳/۱۳۳۴/۱۳۳۵/۱۳۳۶	۴۱/۲۴/۲۴	جننا
۱۳۱۳	۲۴	جنوں
۱۳۸۶/۱۳۸۷/۱۳۸۸/۱۳۸۹	۱۳۱۲/۱۳۱۱/۱۳۱۰	جودھپور
۱۳۹۸/۱۳۹۹/۱۳۹۰/۱۳۹۱	۴۱	جہان آباد
۱۳۱۸	۲۲۳	جھانپ
۱۳۵۶/۱۳۵۷/۱۳۵۸/۱۳۵۹	۲۴۳	جھانگ والا
۱۴۴/۱۴۵	۲۲۹	جھانسی
۱۳۸۱/۱۳۸۲/۱۳۸۳/۱۳۸۴	۲۲۳	جہلم (دریا)
۱۳۲۲	۲۲۲/۲۴	جہلم (ضلع)
۱۳۹۸/۱۳۹۹/۱۴۰۰/۱۴۰۱	۲۲۳/۲۲۲	جھنگ
۱۳۲۲	۱۳۱۱/۱۳۱۰/۱۳۰۹/۱۳۰۸	جھوٹو جھوٹوں
۱۳۹۹	۱۳۳۳/۱۳۳۲/۱۳۳۱/۱۳۳۰	جے پور
۱۳۴	۱۳۱۲	جے نگر (جے پور)
۱۳۴۱/۱۳۴۲/۱۳۴۳/۱۳۴۴	۲۲۶	چاچران
۱۱۱۲/۱۱۱۳/۱۱۱۴/۱۱۱۵	۳۲۹	چاندنی چوک
۱۱۵۶/۱۱۵۷/۱۱۵۸/۱۱۵۹	۵۱	چنگی قبر
۱۱۹۳/۱۱۹۴/۱۱۹۵/۱۱۹۶	۲۲۵	چوڑ
۱۲۵۹/۱۲۶۰/۱۲۶۱/۱۲۶۲	۲۲	چشت
۱۳۸۳/۱۳۸۴	۲۱۰	چکوری
۱۳۵۳/۱۳۵۴/۱۳۵۵/۱۳۵۶	۲۲۱	چناب
۱۳۴۱/۱۳۴۲/۱۳۴۳/۱۳۴۴	۲۲۲	چھپر

۱۳۲۹/۱۳۳۰/۱۳۳۱/۱۳۳۲	۲۵۹	برن حطای
۱۳۲۸/۱۳۲۹	۳۴۴	برطانیہ
۱۳۱۶	۸۲	برٹن
۱۳۲۳	۱۳۰۶/۱۳۰۷/۱۳۰۸/۱۳۰۹	برہان پور
۸۲	۱۳۹۱/۱۳۹۲/۱۳۹۳/۱۳۹۴	بریلی
۱۳۲۹/۱۳۳۰/۱۳۳۱/۱۳۳۲	۱۳۲۵	پاک پٹن
۳۲۲	۱۳۵۱/۱۳۵۲/۱۳۵۳/۱۳۵۴	پانی پت
۲۶۶	۱۳۶۱/۱۳۶۲/۱۳۶۳/۱۳۶۴	پریم گنج
۲۲۲	۱۳۱۳/۱۳۱۴/۱۳۱۵/۱۳۱۶	پنجاب
۳۳۱	۱۳۵۱/۱۳۵۲/۱۳۵۳/۱۳۵۴	پنجاب
۲۲۳	۱۳۸۱/۱۳۸۲/۱۳۸۳/۱۳۸۴	پنجاب
۳۳۰	۱۳۸۱/۱۳۸۲/۱۳۸۳/۱۳۸۴	پنجاب
۳۳۸	۱۳۸۱/۱۳۸۲/۱۳۸۳/۱۳۸۴	پنجاب
۱۳۱۲/۱۳۱۳/۱۳۱۴/۱۳۱۵	۲۲۲	پنجاب
۸۳	۱۳۱۴/۱۳۱۵/۱۳۱۶/۱۳۱۷	پنجاب
۸۴	۱۳۱۴/۱۳۱۵/۱۳۱۶/۱۳۱۷	پنجاب
۲۲۲	۱۳۱۴/۱۳۱۵/۱۳۱۶/۱۳۱۷	پنجاب
۳۲	۱۳۱۴/۱۳۱۵/۱۳۱۶/۱۳۱۷	پنجاب
۲۹	۱۳۱۴/۱۳۱۵/۱۳۱۶/۱۳۱۷	پنجاب
۱۳۶/۱۳۰۷/۱۳۰۸/۱۳۰۹	۳۸۲	پنجاب
۲۲۲	۱۳۵۳/۱۳۵۴/۱۳۵۵/۱۳۵۶	پنجاب
۲۲۹	۱۳۵۳/۱۳۵۴/۱۳۵۵/۱۳۵۶	پنجاب
۱۳۱۱/۱۳۱۲/۱۳۱۳/۱۳۱۴	۸۰/۴۴	پنجاب
۱۳۴۹/۱۳۵۰/۱۳۵۱/۱۳۵۲	۳۳۰	پنجاب
۲۵۳	۱۳۴۹/۱۳۵۰/۱۳۵۱/۱۳۵۲	پنجاب
۳۳۶	۱۳۴۹/۱۳۵۰/۱۳۵۱/۱۳۵۲	پنجاب
۲۲۲	۱۳۴۹/۱۳۵۰/۱۳۵۱/۱۳۵۲	پنجاب

۳۸۴/۲۹۱/۲۹۰	شاہجہاں پور	۲۹۰	ردولی
۸۰	شمشیر گڑھ	۲۲۲	رسول نگر
۱۵۹	شولا پور	۳۴۸/۳۴۴	روس
۳۰۳/۳۰۳/۳۰۱/۳۲۹	شیخاواٹی	۴۴	روضہ ممتاز محل
۲۲۲	کوٹ کالا	۲۴۹	شیراز
۳۰۱/۳۰۱/۲۹۸/۲۹۵	کوٹ مٹھن	۳۳۰	عدن
۳۳۳/۳۳۳/۳۱۳/۳۱۲/۳۰۸		۱۴۳/۳۸	عراق
۲۲۲	کلور	۳۹۹/۱۳۸	علی گڑھ
۲۲۳	کھیدہ (موش)	۱۸۲/۴۸	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
۴۱	کیلو کھیری	۳۴۸	غزنی
۲۲۳/۲۲۲	کیل پور	۱۵۳	غور
۱۳۲/۱۲۹/۳۰۰/۲۹/۲۸	گجرات	۲۲۳/۲۲۳/۲۱۴	غیاث گڑھ
۲۲۳		۳۱۳/۳۱۱/۳۱۰/۲۹۳	فتح پور
۳۳۳/۳۳۳/۳۳۳/۳۳۰	گردگوبی	۴۱۵	
۶۲	گڑھ	۲۴	فسرات
۳۴۴/۲۴۳	گڑھی	۳۳	فرخ آباد
۲۳۹	گچی قاسم جان	۳۰۳	فريد (شہر)
۲۹	گو ایر	۴۱	فیروز آباد
۲۵۲	گو لڑھ	۱۹	فرانس
۲۲۱/۲۱۴	گو لڑھلہ	۲۹۱/۲۹۰/۲۴۹/۲۵۰/۲۱	کابل
۱۳۵/۴۸۰/۴۴/۴۴	لال تلہ	۲۲۲/۳۱۸/۳۴۸	
۱۵۰/۱۰۵/۴۸۰/۴۳/۴۴	لاہور	۱۵۳	کاکوری
۳۸۱/۳۶۴/۲۵۵/۲۲۴			کلکتہ
۳۴۴/۳۴۴/۳۳۱/۳۲۲		۳۱۳	کیپور بھٹہ
۳۸۲/۳۶۴/۱۵۲/۸۵	لکھنؤ	۳۲۲	کٹواڑہ
۳۳۳/۳۸۶/۲۹۳/۲۹۱		۲۹۳/۲۴	کرناٹ
۳۱۳/۳۹۹/۳۹۹		۵۳	کسل پوری (محلہ)
۸۱	لندن	۲۹۳	کشتور
۶۲	لونی پارک	۲۹۳/۲۲۳/۲۰۸/۲۴/۲۱	کشمیر

۲۵۳/۲۵۲	چوہانہ	۱۸۴/۸۰/۴۹/۴۴/۴۳/۴۱	
۵۱	چوک سعد اللہ خاں	۱۰۶/۱۰۵/۱۰۴/۹۵/۹۳/۹۱	
۲۹	چین	۱۵۳/۱۳۸/۱۳۳/۱۱۲/۱۰۹/۱۰۴	
۳۲۲/۲۴۴/۲۴۹/۲۴۳	حاجی پور	۱۸۳/۱۸۱/۱۶۱/۱۵۴/۱۵۶/۱۵۳	
۲۶۶/۲۹	حبش	۱۹۳/۱۹۳/۱۹۲/۱۹۱/۱۹۲	
۱۰۹/۲۰۸/۲۰۵/۲۰۴/۱۹۴	دلی یاد پٹی	۲۴	روہیلکھنڈ
۲۳۵/۲۳۳/۲۱۴/۲۱۵/۲۱۳		۳۳۳	ریواڑی
۲۲۱/۲۲۰/۲۳۹/۲۳۸/۲۳۶		۲۲۳	زیت محل انواب
۲۵۵/۲۳۸/۲۲۴/۲۲۳/۲۲۳		۳۸۲	سامیول
۲۶۱/۲۶۰/۲۵۹/۲۵۸/۲۵۶		۳۳۰	سراندیپ (جزیرہ)
۳۸۱/۳۳۳/۳۰۱/۲۸۱/۲۸۰/۲۶۶		۲۰۲	سراٹھ عرب
۳۳۴/۳۳۴/۳۳۳/۳۳۳/۳۳۳		۳۹۹	سراٹھ معالی خاں
۲۹۳/۳۹۳/۳۸۵/۳۸۴/۳۸۰		۲۸۰/۱۳۳/۲۴	سرہند
۳۳۲/۳۱۵/۳۱۴/۳۰۲/۳۹۶		۲۲۲/۳۴۵	سلطان پور
۳۳۱/۳۳۴		۲۲۲	سلیمان
۳۲۸	دشک	۲۲۲	سیر (مقام)
۲۴	دواب	۲۹۸/۲۵۲	سندھ
۳۱۳	دبڑوان	۱۵۰/۱۴۹	سنگھانہ
۲۵	ڈھاکہ	۳۸۲/۳۴۶/۳۳۰/۳۲۹	سنگھڑ
۲۴۳/۲۵۵/۲۵۲	ڈیرہ غازی خاں	۳۳۳/۳۳۱	سوکرہ
۳۳۸/۳۱۱/۳۰۳/۲۹۸/۲۴۴		۳۸۲	سہادہ
۳۳۲/۳۸۱/۳۴۴/۳۴۳/۳۴۲		۲۲۹	سہرام
۳۲۳		۳۲۵/۳۲۳/۳۲۰/۳۱۴/۳۲۹	سیال
۱۳۲/۳۰۸/۳۰۱/۳۳۳/۳۲۹	راجپوتانہ	۳۱۳	سیت پور
۳۱۳	راجستان	۲۹۳	سیک
۲۴۴	راجن پور	۳۲۱/۳۱۳	شاہ پور
۳۲۴/۳۲۱/۱۹۴/۱۰۴/۱۰۳	رام پور	۳۳۳/۲۶۶/۲۹/۳۸	شام
۳۲۲	راول پنڈی	۴۶/۴۲/۴۱/۳۱/۳۳	شاہجہاں آباد
۳۱۶	رتلام	۳۳۴/۳۲۸/۲۲۵/۱۸۶/۹۵	

کتابیات

۳۳۳	انشاء ارشاد	۶۶	پندشده
۱۱۸۸، ۹۱	انفاس العارفین	۳۱۴	اتمام حجت اسلام
۳۲۳	انوار جمالیه	۱۵۳	آثار الصنادید
۳۲۰	انوار شمسیه	۲۳۹	احسن الاخبار
۱۳۳۸، ۲۳۸، ۱۵۳	انوار العارفین	۱۵۱، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۶	احسن الشماثل
۳۰۲	انیس العارفین	۱۸۰	
۳۱۴	ایساغوجی	۳۱۰	احسن العقائد
۳۰۸	بارہ ماہیہ نجیم	۳۱۰	احسن القصص
۱۵۳	برکات الاولیاء	۳۳۲، ۳۳۱، ۳۳۰، ۱۱۱۳	احیاء العلوم
۳۳۶	بشیر المدائح	۳۳۱	اخبار الاخیار
۳۳۶	بشیر النصائح	۳۳۲	آداب الطالبین
۳۳۱	بوستان	۱۶۹	ازالۃ الخفا عن خلافة الخلفاء
۳۰۹	بیان الاولیاء	۳۲۳، ۲۴۴، ۲۰۹	اسرار المالیه
۸۰	بیجانیتا (پنج گنت)	۳۰۳	اسماء الابراہ
۸۰	پنج گنت	۳۴۱	اصول السماء
۳۳۱	پند نامہ	۳۱۴	آفتاب عالم کتاب
۱۳۹۳	پیوملانی بیوملانی غیر بجلانی	۳۰۹	افضل الطاعت
۲۰۸، ۲۰۵		۶۴	اقوس مقدسہ
۲۱	تاریخ احمد شاہی	۳۴۲	القول السدید فی اثبات تقلید
۲۰۰	تاریخ اسلام دہمی	۱۰۰	الہامات سلیمی
۲۰۰	تاریخ خطیب بغدادی	۱۹۹	انتباہ
۲۰۰	تاریخ صغیر بخاری	۳۱۳	انجیل

۳۱۵	مارواڑ	۱۲۲۲	کشن گڑھ
۳۰۰۲۹	مالوہ	۴۱۳	کعبہ
۱۴۳	مادرالینہ	۵۷	متھرا
۳۱	مہاراشٹر	۳۳	محل نواب آصف خاں
۲۶۰	مہاراج	۸۵	مخد پور
۲۳۹	مہرولی	۲۷۷	مدرسہ راشہ بہادر رام کشن داس
۴۲۲	میان والی	۱۵۳	مدرسہ جمعیت
۳۸۲	میرپور	۱۱۸۵، ۱۵۴، ۱۵۲، ۱۵۱	مدرسہ ضیاء العلوم
۱۰۱، ۱۱۱، ۱۲۱، ۱۳۱، ۱۴۱	میرٹھ	۲۴۷	مدرسہ محمد عمر
۴۱۹، ۴۱۸، ۴۱۷، ۴۱۶	میکی ڈھوک	۳۴۰	مدرسہ محمدی
۴۱۳	میواڑ	۸۳	مدراس
۲۷۴	نارو	۸۳	مدینہ منورہ
۱۰۰۳	نذیریہ پبلک لائبریری (دہلی)	۱۱۳۹، ۹۳، ۹۲، ۹۱	مراد آباد
۷۲، ۲۹	نربدا	۱۵۰، ۱۴۱۴	مرزا پور
۲۰۲	نظام الدین (مقبورہ)	۲۴۵	مسجد فیروز آباد
۲۳۰	نئی دہلی	۸۹	مصر
۴۲۲	نین وال	۱۴۳۲، ۱۴۲۸، ۱۴۱، ۱۴۰	منفل پورہ
۲۵	وانگہ	۱۵۰	مکراؤں
۱۴۲۲، ۱۴۲۲	ہرن پور	۱۵۳	مکہ معظمہ
۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۴	ہندوستان	۲۲۸، ۲۰۲، ۲۹۰، ۲۶۶	مکھڑی بنگلہ
۲۷، ۳۳، ۳۵، ۳۶، ۳۷		۳۴۰	مکھنڈ
۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۴۶		۳۸۱	ملتان
۴۷، ۴۸، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵		۲۷، ۲۵۲، ۲۹۶، ۳۱۷	
۳۸، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۶۳		۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲	
۲۰، ۲۲، ۲۲۸، ۲۲۸، ۲۸۱، ۲۹۰		۳۳۹، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۷۵	
۳۴۶، ۳۴۸، ۳۵۰، ۳۵۸		۳۳۰	ممالک متحدہ
۳۹۵، ۳۹۶، ۴۰۰، ۴۰۲، ۴۰۸، ۴۱۳		۲۹۶	منگوت پرگنہ
۳۳۳، ۳۳۷، ۳۳۷		۳۱۷	منصورہ
۴۴۹	ہوشیار پور	۳۸۷	موبان قصبہ

رسالہ تسمیۃ المراتب	۳۸۸، ۳۸۹	حقانیت اسلام	۳۱۳
رسالہ تشریح الافلاک آملی	۱۰۳، ۱۰۴	حلیۃ الاولیاء	۲۰۰
رسالہ توفیقہ	۳۲۵	حیات العاشقین فی لقاء رب العالمین	۳۰۹
رسالہ خواجہ عبید اللہ احراز	۳۰۶	حیات العلماء	۳۹۹
رسالہ خواص اعداد	۸۲، ۸۱	خزینۃ الاصفیاء	۲۹۳، ۲۸۰، ۱۵۳
رسالہ در علم موسیقی	۸۳	خزینۃ العادات	۸۱، ۸۰
رسالہ راز و نیاز	۲۸۸، ۲۸۹	خلاصۃ الحساب	۸۵، ۸۳
رسالہ در روافض	۶۹	خلاصہ راز	۸۱، ۸۰
رسالہ عین البقیع	۲۰۱، ۱۹۸	خلاصۃ الفوائد	۲۶۲، ۱۱۳۲
رسالہ الفیض	۸۳	خیر الاذکار	۲۴۴، ۲۴۳
رسالہ کاشف الاسرار	۲۹۱	خیر الافکار	۲۴۶، ۲۶۲
رسالہ مجمع البحرین	۸۵	خیر المجالس	۳۳۱
رسالہ مرآۃ	۸۵	درایۃ الزمان	۳۳۱
رسالہ مرجعہ	۱۹۸، ۱۹۹	در نایاب	۳۱۲
رسالہ منظوم النجوم	۸۵	دلائل الخیرات	۳۳۴، ۲۱۳، ۲۱۲
رسالہ نسبت شناسی و شکت بالتصریح	۸۵	دیوان حافظ	۳۳۴، ۳۳۷
رسالہ یعرفون یعبدون	۲۸۹	دیوان جہندس	۸۲، ۸۱
رشحات	۱۱۳، ۳۳۳	دیوان نیاز	۲۸۰
رشد گلستان ارم	۱۴۵، ۱۴۳	دیوان نجم (اردو)	۳۰۹
ریاض الفصحاء	۲۸۱، ۲۸۲	دیوان نجم (فارسی)	۳۱۱
ریاض الاخبار	۳۳۳	دیوان نور	۳۱۲
زبور	۳۱۳	ذکر اکبر	۳۳۲
سحر ہلال	۸۱، ۸۳	راحت العاشقین	۳۱۰
سراج الاخبار	۲۳۹	رسالہ احمد معمار	۷۸
سراج السالکین	۲۹۳	رسالہ آگہی نامہ	۳۱۲
سفر السعادت	۱۹۶	رسالہ بیانہ	۸۵
سلسلۃ الذہب	۱۵۳	رسالہ تحقیقات آداب و فنون	۸۵
سلک السکون	۳۳۹	رسالہ تحقیق تلازم	۳۳۳

تاریخ ہند	۵۵	تکمیل سیر الاولیاء	۱۱۶، ۹۴، ۹۶، ۸۸
تسمیہ (بر تکمیل سیر الاولیاء)	۳۱۵		۲۵۸، ۱۸۴، ۱۷۶، ۱۵۳، ۱۲۲
تحریر اقلیدس	۷۷		۳۲۵، ۳۱۵، ۳۱۲، ۳۱۰
تحفہ نیاز	۲۸۸، ۲۸۹	تخصیص التوارخ ملقب بمرکز دل کشا	۱۲۱۲
تحفہ ابنی	۲۲۲	تنسیم	۳۱۳، ۱۰۳
تحفہ محمدی	۲۲۲	تہذیب الاسماء واللغات نووی	۲۰۰
تحقیق الحق فی کلام الحق	۲۲۹	تہذیب الکمال مری	۲۰۰
تدریب الراوی	۲۰۰	تہذیب المنطق والکلام	۸۲
ترجمہ منظوم کیدانی	۸۵	ثمرۃ الحیاء	۲۲۲
ترشح	۸۵	جلالین	۱۰۰
تذکرہ آسمان سخن	۸۱، ۸۲	جواہر خمسہ	۱۳۵
تذکرۃ الاولیاء	۱۱۱، ۱۱۲	جواہر غالیہ	۳۳۳
تذکرہ باغستان	۸۳	چار گلشن	۳۲
تذکرۃ السلاطین	۲۱۰	چہل ناموس	۱۷۶
تذکرہ کاملان رام پور	۲۳۸	حاشیہ اخلاق ناصری	۸۵
تذکرۃ الواصلین	۲۰۹	حاشیہ بر شرح بیست باب در معرفت اصطرلاب	۸۷
تنسیم	۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴		۸۷
تشریح الافلاک	۸۵	حاشیہ بر شرح چغنی	۲۸۵، ۸۵
تصريح	۸۵	حاشیہ بر شرح خلاصہ	۸۲
تصویب (شرح تہذیب)	۸۳	حاشیہ بشر مطالعہ	۸۲
تغیہ برقیادی	۹۰	حاشیہ فارسی ہیئت	۸۲
تفسیر عزیز	۲۱۲	حاشیہ ملا جلال	۲۸۹
تفسیر القرآن	۳۱۳	حاشیہ قاضی مبارک	۳۳۳
تغیبات	۶۸، ۶۷	حاشیہ غلام محی	۳۳۳
تقریب (شرح تہذیب)	۸۲	حاشیہ محمد اللہ	۳۳۳
تقریب المقریر	۸۷	حاشیہ میرزا ہامد عامر	۳۳۳
تقریب نووی	۲۰۰	حجۃ اللہ الباقیہ	۳۲
تقریر الخیر	۸۷		

۳۰۸	گلزار وحدت	۲۱۵، ۲۱۲، ۲۱۳	فخر الطالین	۱۳۱۲	شرح کتاب دانیال علیہ السلام	۱۳۰۹	سماع السامعین فی رد المنکرین
۳۱۳	گنجینۃ الاسرار انبیاء	۲۶۴، ۲۳۳		۱۱۱	شرح لمعات	۲۰۰	سنن دارقطنی
۱۳۰۳، ۱۱۳، ۱۱۱	لمعات	۱۸۴، ۳۰۰، ۳۲۲، ۳۲۳	نصوص الحکم	۲۵۲	شرح ملا	۲۰۰	سنن کبریٰ
۰۳۰۲، ۳۰۰، ۱۲۴، ۱۱۳، ۱۱۱	لوائح	۳۹۲، ۳۱۱، ۳۱۳، ۳۱۴		۴۴۳	شرح مسلم الثبوت	۲۹۹، ۲۴۳، ۱۰۲، ۱۰۰	سواء یسئل
۲۰۴، ۳۳۲	ما حی الغیرت	۱۹۸، ۲۰۲، ۱۹۹	نوائد الفوائد	۸۵	شرح مناظر اقلیدس	۳۰۲، ۳۰۰	
۳۰۸	مباحی الغیرت	۳۴۱، ۳۱۰		۳۰۰	شرح مواقف	۲۹۱	سورۃ فاتحه
۲۳۳، ۲۰۲، ۱۹۱، ۱۱۵	مثنوی مولانا روم	۱۹۸، ۱۹۵، ۱۰۲، ۱۰۰	قرآن پاک	۳۸۴، ۳۰۰، ۱۸۸، ۹۳	شرح وقایہ	۲۲۸	سورۃ یسین
۳۴۱، ۳۹۹، ۳۹۲، ۳۹۱		۲۵۴، ۲۵۳، ۲۳۳، ۲۲۸		۳۰۰، ۸۳	شرح ہدایۃ الحکمت	۹۲	سیر المتأخرین
۱۸۱، ۱۸۰، ۱۹۳	مجالس علمی	۳۲۸، ۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۱، ۳۰۴		۲۰۰	شروط الاثمہ حازمی	۱۵۹، ۱۵۳، ۹۴، ۹۵	شجرۃ الانوار
۴۴	محیطی	۳۶۳، ۳۵۳، ۳۴۲، ۳۳۱		۱۸۴	شمس بازغہ	۲۲۵، ۲۲۳، ۱۸۱، ۱۴۸، ۱۴۴	
۳۱۵	مجمع الفرائض	۳۰۲، ۳۸۵، ۳۸۴، ۳۶۵		۲۸۸، ۲۸۹	شمس العین	۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۳، ۲۲۲	
۲۱۲	مجموعہ روایات صادقہ	۳۴۹، ۳۴۸، ۳۴۷، ۳۴۶		۹۱	شوارق المعرفہ	۳۱۰، ۲۲۴	
۲۸۸	مجموعہ قصائد عربیہ		قرآن القرآن ۱۰۰	۲۳۵، ۱۹۹، ۱۹۵، ۱۹۴	صحیح بخاری	۳۱۰	شجرۃ العارفین
۵۹	مخزن الشعراء	۳۹۸، ۳۰۱	القول المستحسن فی فخر الحسن	۳۹۹، ۳۸۴، ۳۰۰		۳۱۰	شجرۃ المسلمین
۱۳۵، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۰	مرق	۳۳۲، ۲۵۵	کافیہ	۳۸۴، ۱۹۹، ۱۹۵	صحیح مسلم	۳۱۳، ۳۰۹، ۳۰۰	شدائی
۱۳۴، ۱۱۳، ۱۰۳، ۱۰۰	مرآۃ الجنان یاقنی	۲۰۰	کتاب الثقات ابن حبان	۸۲	صور الکواکب	۳۰۲	شرح رباعیات جامی
۲۰۰	مرآۃ العاشقین	۸۵	کتاب الکرہ والمخروط والاسطوانہ	۸۲، ۸۱	صور صوفی	۸۴	شرح حافظ
۱۳۳۹، ۱۳۲۲	مشارق الانوار	۳۱۳	کشف الاسرار	۱۳۰۴، ۳۳۲، ۱۰۲، ۱۰۰	عشرہ کاملہ	۸۴	شرح زلالی
۱۸۸	مشکوٰۃ شریف	۲۸۹	کشف العین	۲۰۳، ۱۹۸	عوارف المعارف	۸۴	شرح زنج جدید محمد شاہی
۳۰۰، ۱۹۵، ۱۹۲، ۱۹۰		۱۰۴	کشف المحجوب	۳۶۳، ۳۵۰، ۳۴۳، ۳۱۳		۸۴	شرح سکندر نامہ
۳۸۴		۱۳۸، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰	کشکول	۳۹۰		۳۴۳	شرح سلاسل الکلام
۸۴	مطالع الانوار	۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰		۱۹۹	غنیۃ الطالبین	۸۵	شرح خلاصۃ الحساب
۳۰۲، ۳۰۰	مطول	۳۳۲، ۳۳۱، ۳۳۰، ۳۲۹، ۳۲۸، ۳۲۷، ۳۲۶، ۳۲۵، ۳۲۴، ۳۲۳، ۳۲۲، ۳۲۱، ۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۸، ۳۱۷، ۳۱۶، ۳۱۵، ۳۱۴، ۳۱۳، ۳۱۲، ۳۱۱، ۳۱۰، ۳۰۹، ۳۰۸، ۳۰۷، ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۴، ۳۰۳، ۳۰۲، ۳۰۱، ۳۰۰، ۲۹۹، ۲۹۸، ۲۹۷، ۲۹۶، ۲۹۵، ۲۹۴، ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۹۱، ۲۹۰، ۲۸۹، ۲۸۸، ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۵، ۲۸۴، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰، ۲۷۹، ۲۷۸، ۲۷۷، ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۴، ۲۷۳، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۷۰، ۲۶۹، ۲۶۸، ۲۶۷، ۲۶۶، ۲۶۵، ۲۶۴، ۲۶۳، ۲۶۲، ۲۶۱، ۲۶۰، ۲۵۹، ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۶، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۴۰، ۲۳۹، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰		۱۹۲	فخریۃ النظام	۳۰۰	شرح عقائد عربیہ
۹۳	معارج الولاہ فی مدارج الہدایت	۲۸۴، ۵۵	گلشن بے غار (تذکرہ)	۱۹۲	فخریۃ النظام	۳۰۰	شرح قصیدہ
۸۵	معاملات الاسرار فی مکاشفات الاخیار	۲۳	گلستان	۱۹۲	فخر الطالین	۳۴۳	شہ کافہ
۹۳	مفتاح		کشمیر				
۳۱۰	مفتاح الکرامات		کیمیائے سعادت				
	مقصود العارفین		گلستان				

مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ	۱۳۰۲	مناقب المحبوبین	۳۰۲، ۲۶۵، ۲۵۲
مکتوبات کلمی	۱۱۳۳، ۱۱۳۰، ۱۰۳، ۹۳		۳۸۲، ۳۹۱، ۳۹۳، ۳۹۱
	۱۶۶، ۱۵۴		۳۳۶، ۳۲۶
ملفوظات خواجہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ	۱۱۸۱	منتخب الحساب	۸۲، ۸۱
ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ	۲۱۱	منہاج السنۃ	۲۰۱
ملفوظات مسکین شاہؒ	۲۹۲	ماثر الکلام	۴۴
ملفوظات نغفات المحبوب	۳۲۶	مرآۃ السعوی	۹۲
منادی (رسالہ)	۲۴۰	میزان	۱۲۸۲، ۱۹۶
منازل السائرين	۱۱۳	نام حق	۳۱۴
مناقب الدارکین	۳۱۰	ناظر الکین	۳۵۹، ۳۳۹، ۲۶۱
مناقب حافظیہ	۳۳۴، ۳۲۴، ۲۰۱	نجم الآخرہ	۳۸۲، ۳۰۹، ۳۰۴
	۳۹۱، ۳۸۹، ۳۸۶، ۳۸۱	نجم الارشاد	۳۱۵
	۳۹۶، ۳۹۵	نجم الواعظین	۳۱۰
مناقب الحبیب	۳۱۰	نجم الہدایۃ	۳۱۰
مناقب فخریہ	۱۶۵، ۱۵۳، ۱۰۱	نظام العقائد	۱۹۸
	۱۹۶، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۴۲	نظام القلوب	۱۴۳
	۲۵۰، ۲۱۰، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳	نقشہ عندلیب	۲۳۹، ۵۶
	۲۴۳، ۲۶۶، ۲۲۲، ۲۲۰، ۲۱۶	نغفات الانس	۱۱۸۸، ۱۱۳، ۱۱۱
	۳۲۵، ۳۲۰	نگینہ حکمت	۳۱۳
مناقب فریدی	۲۹۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۱۰۰	نہایت الحکمہ	۸۴
	۳۱۱، ۳۰۲، ۲۹۸	ہدایت نامہ	۳۱۰
مناقب المحبوبین	۱۵۲، ۱۳۴، ۱۰۰، ۱۴۵	ہدایہ	۳۱۸، ۳۰۰، ۲، ۱۸۴
	۲۵۱، ۲۰۱، ۱۹۱، ۱۴۶، ۱۵۳		

www.ownislam.com

www.ownislam.com

RS.: 200 / =